حقوق الطبع محفوظۃ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابُ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَبَیْتِیْ

## شیعیانِ آلِ محمد خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱۱)

## اَلْمُجَلَّدُ الْحَادِیْ عَشَرَ مِنْ تَفْسِیْر

# انوار النجف فی اسرار المصحف

مُصنّفہ:- حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب قبلہ مدظلہ جاڑا بانی جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

اپنے بچوں کے لئے یہ الیکٹرونک کاپی بنائی ہیں جس سے دیگر اصحاب بھی فائدہ اٹھا سکیں

طالب دعا

سید نذر عباس

12.6.2004

# فہرست


| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | فضائل سورۂ قصص | ۶ |
| ۲ | رکوع ۲ | ۷ |
| ۳ | فرعونی مظالم | // |
| ۴ | حضرت موسیٰؑ کی ولادت | ۸ |
| ۵ | تاویلِ آیت | ۱۱ |
| ۶ | ذکرِ ولادت قائمِ آلِ محمدؐ | ۱۲ |
| ۷ | پارہ امام | ۱۳ |
| ۸ | فصاحتِ قرآن | ۱۵ |
| ۹ | صندوق دریائے نیل میں | ۱۶ |
| ۱۰ | رکوع ۵ | ۲۲ |
| ۱۱ | فرعون کی داڑھی میں موسیٰؑ کا ہاتھ | // |
| ۱۲ | قبطی کا قتل | ۲۳ |
| ۱۳ | رکوع ۶ | ۲۸ |
| ۱۴ | حضرت موسیٰؑ کی حضرت شعیبؑ سے ملاقات | ۲۹ |
| ۱۵ | رکوع ۷ | ۳۳ |
| ۱۶ | حضرت موسیٰؑ کی مدائن سے واپسی | // |
| ۱۷ | عصائے موسیٰؑ | // |
| ۱۸ | حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کلام | ۳۴ |
| ۱۹ | تنبیہ | ۳۶ |
| ۲۰ | رکوع ۸ شاہد ہونے کی نفی | ۴۱ |
| ۲۱ | رکوع ۹ | ۴۳ |
| ۲۲ | اہلِ کتاب سے ایمان لانے والے | // |
| ۲۳ | ایمانِ ابوطالبؑ | ۴۴ |
| ۲۴ | رکوع ۱۰ | ۴۸ |
| ۲۵ | خلق و اختیار | ۴۹ |
| ۲۶ | رکوع ۱۱ قارون کا واقعہ | ۵۱ |
| ۲۷ | انوارِ علیہ | ۵۲ |
| ۲۸ | قارون کا ذریعۂ آمدنی | ۵۳ |
| ۲۹ | قارون پر نزولِ عذاب | ۵۶ |
| ۳۰ | دنیا دارِ امتحان ہے | ۵۹ |
| ۳۱ | رکوع ۱۲ | ۶۱ |
| ۳۲ | سورہ عنکبوت کے فضائل | ۶۵ |
| ۳۳ | رکوع ۱۳ | ۶۶ |
| ۳۴ | والدین کی اطاعت | ۶۷ |
| ۳۵ | رکوع ۱۴ حضرت نوحؑ کا ذکر | ۷۱ |
| ۳۶ | توحید کا بیان | ۷۲ |
| ۳۷ | رکوع ۱۵ | ۷۳ |
| ۳۸ | حضرت لوطؑ کا ذکر | ۷۶ |
| ۳۹ | رکوع ۱۶ | ۷۸ |
| ۴۰ | پارہ ۲۱ | ۸۶ |
| ۴۱ | رکوع ۱۷ نماز برائی سے روکتی ہے | ۸۷ |
| ۴۲ | مناظرہ کا طریقہ | ۹۱ |
| ۴۳ | رکوع ۲ | ۹۵ |
| ۴۴ | رزق خلق اور تقسیم | ۹۷ |

| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|
| ۴۵ | رکوع ۳ | ۹۹ |
| ۴۶ | سورہ روم کے فضائل | ۱۰۱ |
| ۴۷ | رکوع ۴ | ۱۰۲ |
| ۴۸ | رکوع ۵ | ۱۰۵ |
| ۴۹ | رکوع ۶ توحید کا بیان | ۱۰۶ |
| ۵۰ | رکوع ۷ شریک کی نفی | ۱۰۹ |
| ۵۱ | تارکِ نماز مشرک ہے | ۱۱۰ |
| ۵۲ | گمراہی میں ڈھیل | ۱۱۲ |
| ۵۳ | بسطِ رزق | ۱۱۳ |
| ۵۴ | فدک کا ذکر | ۱۱۴ |
| ۵۵ | سود خوری | ۱۱۷ |
| ۵۶ | دلیلِ توحید | ۱۱۸ |
| ۵۷ | رکوع ۸ | ۱۱۹ |
| ۵۸ | رکوع ۹ | ۱۲۰ |
| ۵۹ | سورہ لقمان کے فضائل | ۱۲۸ |
| ۶۰ | حضرت لقمان حکیم کی خصوصیات | ۱۲۹ |
| ۶۱ | حضرت لقمان کا زمانہ | ۱۳۰ |
| ۶۲ | حضرت لقمان کے نصائح | ۱۳۱ |
| ۶۳ | حضرت لقمان کی وصیت | ۱۳۳ |
| ۶۴ | رکوع ۱۰ | ۱۳۴ |
| ۶۵ | رکوع ۱۱ | ۱۳۶ |
| ۶۶ | رکوع ۱۲ نعماتِ خداوندی | ۱۳۸ |
| ۶۷ | العروۃ الوثقیٰ | ۱۳۹ |
| ۶۸ | رکوع ۱۳ | ۱۴۱ |
| ۶۹ | سورۂ سجدہ کے فضائل | ۱۴۳ |
| ۷۰ | رکوع ۱۴ آسمان وزمین کی خلقت | ۱۴۴ |
| ۷۱ | قابض الارواح کی آمد | ۱۴۵ |
| ۷۲ | حضرت علیؑ کی عظمت | ۱۴۷ |
| ۷۳ | رکوع ۱۵ | ۱۴۸ |
| ۷۴ | نمازِ تہجد | ۱۴۹ |
| ۷۵ | رکوع ۱۶ | ۱۵۲ |
| ۷۶ | سورہ احزاب کے فضائل | ۱۵۴ |
| ۷۷ | رکوع ۱۷ | ۱۵۵ |
| ۷۸ | تحریفِ قرآن | ″ |
| ۷۹ | نبیؐ کی اولویت | ۱۵۸ |
| ۸۰ | رسولؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں | ۱۵۹ |
| ۸۱ | رسولؐ امت کا باپ ہے | ″ |
| ۸۲ | تمام مومن بھائی بھائی ہیں | ۱۶۰ |
| ۸۳ | نفس کی تحقیق | |
| ۸۴ | اولوالارحام | ۱۶۱ |
| ۸۵ | میثاقِ انبیاؑ | ″ |
| ۸۶ | رکوع ۱۸ جنگِ خندق | ۱۶۲ |
| ۸۷ | جنگِ خندق کی ابتداء | ۱۶۳ |
| ۸۸ | نظرِ بد کا علاج | ۱۶۵ |
| ۸۹ | معجزۂ پیغمبرؐ | ″ |
| ۹۰ | دوسرا معجزہ | ۱۶۶ |
| ۹۱ | تیسرا معجزہ | ۱۶۷ |
| ۹۲ | غزوۂ بنو قریظہ | ۱۸۱ |

| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|
| ۹۳ | شہادت سعد بن معاذؓ | ۱۸۳ |
| ۹۴ | رکوع ۲ ازواجِ پیغمبرؐ کا ذکر | ۱۸۴ |
| ۹۵ | پارہ ۲۲ | ۱۸۶ |
| ۹۶ | رکوع ۱ | ۱۸۷ |
| ۹۷ | آیتِ تطہیر | ۱۸۸ |
| ۹۸ | کلمۂ حصر بلفظ انما | 〃 |
| ۹۹ | ارادۂ خداوندی | ۱۸۹ |
| ۱۰۰ | اذھابِ رجس | 〃 |
| ۱۰۱ | اہل البیتؑ | ۱۹۲ |
| ۱۰۲ | رکوع ۲ | ۱۹۷ |
| ۱۰۳ | زینب بنت جحش سے نکاح | ۱۹۸ |
| ۱۰۴ | ختم نبوت | ۲۰۱ |
| ۱۰۵ | رکوع ۳ ذکرِ خدا | ۲۰۲ |
| ۱۰۶ | ازواجِ پیغمبرؐ | ۲۰۶ |
| ۱۰۷ | رکوع ۴ معاشرہ کے احکام | ۲۰۷ |
| ۱۰۸ | پردہ کی آیت | ۲۱۰ |
| ۱۰۹ | درود شریف | 〃 |
| ۱۱۰ | درود میں آل کا ذکر | ۲۱۱ |
| ۱۱۱ | رسولؐ اللہ کی نمازِ جنازہ | ۲۱۳ |
| ۱۱۲ | ایذاءِ علیؑ ایذاءِ رسولؐ ہے | 〃 |
| ۱۱۳ | رکوع ۵ پردہ کا حکم | ۲۱۵ |
| ۱۱۴ | لطیفہ ملک العلماء مرحوم | ۲۱۷ |
| ۱۱۵ | رکوع ۶ | ۲۱۸ |
| ۱۱۶ | عرضِ امانت | ۲۱۹ |

| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱۱۷ | سورۂ سبا کے فضائل | ۲۲۳ |
| ۱۱۸ | رکوع ۷ حمد کا معنی | ۲۲۴ |
| ۱۱۹ | بچہ والا بے تجربہ کا لطیفہ | ۲۲۶ |
| ۱۲۰ | رکوع ۸ حضرت داؤد کا ذکر | 〃 |
| ۱۲۱ | بیت المقدس کی تعمیر | ۲۲۹ |
| ۱۲۲ | مجسمہ سازی و فوٹوگرافی | ۲۳۱ |
| ۱۲۳ | حضرت سلیمانؑ کی موت | ۲۳۷ |
| ۱۲۴ | قوم سبا کا واقعہ | ۲۳۹ |
| ۱۲۵ | سیل العرم | ۲۴۲ |
| ۱۲۶ | رکوع ۹ | ۲۴۵ |
| ۱۲۷ | رکوع ۱۰ | ۲۴۷ |
| ۱۲۸ | بسطِ رزق | ۲۴۹ |
| ۱۲۹ | رکوع ۱۱ | 〃 |
| ۱۳۰ | رکوع ۱۲ | ۲۵۲ |
| ۱۳۱ | سورۂ فاطر کے فضائل | ۲۵۵ |
| ۱۳۲ | رکوع ۱۳ | ۲۵۶ |
| ۱۳۳ | رکوع ۱۴ | ۲۵۸ |
| ۱۳۴ | عمر کی زیادتی کے اسباب | ۲۶۰ |
| ۱۳۵ | رکوع ۱۵ | ۲۶۱ |
| ۱۳۶ | رکوع ۱۶ | ۲۶۳ |
| ۱۳۷ | بیانِ توحید اور صفتِ علماء | ۲۶۴ |
| ۱۳۸ | وارثِ کتاب | ۲۶۵ |
| ۱۳۹ | رکوع ۱۷ | ۲۶۸ |

نام کتاب ـــــــــ تفسیر انوار النجف جلد ۱۱

اشاعت سوم ـــــــــ دسمبر ۱۹۹۱ء

مصنف ـــــــــ علامہ حسین بخش جاڑا اعلی اللہ مقامہ

مطبع ـــــــــ الغدیر پریس سرگودہا

ہدیہ غیر مجلد ـــــــــ ۷۵/ روپے

ناشر

مکتبہ انوار النجف دریا خان ۔ ضلع بھکر

# سُورہ قصص

یہ سورہ مکیہ ہے سوائے چند آیات کے۔ آیت ۵۲ تا ۵۵ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اور آیت ۸۵ ہجرت کے موقعہ پر اثنائے راہ میں اُتری اور بعض علما کے نزدیک یہ سُورہ مدینہ ہے۔ جیسا کہ ایمانِ ابوطالب کے بیان میں مذکور ہوگا۔ آیات کی تعداد ۸۸ (اٹھاسی) ہے۔ اور بسم اللہ کو ملانے سے ۸۹ ہوگی۔

جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے جو شخص اس سُورہ کو پڑھے گا حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں اور ان کی تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور تمام آسمان و زمین کے فرشتے اس کی سچائی کی گواہی دیں گے۔ (مجمع)

آپ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھے اور دھو کر پی لے اس کے تمام درد و الم دُور ہو جائیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اگر اس سورہ کو لکھ کر اسہال، تلی، دردِ جگر اور دردِ شکم کے مریض کو باندھا جائے تو وہ شفایاب ہوگا۔ نیز اس کو برتن میں لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پلایا جائے تو تمام درد و تکالیف دُور ہوں گی۔ اور وہ شفایاب ہوگا۔ اور اللہ کے اذن سے اُس کی شکایات ختم ہوں گی (برہان)

رکوع ۴ طٰسٓمٓ - حروف مقطعات ہیں ان کی تفسیر گذر چکی ہے۔ ج ۲ رکوع اوّل

جَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا - شیعہ کی جمع شیع ہے جس کے معنی ہے گروہ - فرعون نے اہل مصر کو دو گروہوں میں بانٹ دیا تھا اور قومی تعصب ان کے دلوں میں بھر دیا تھا۔ ایک گروہ قبطی تھا اور یہ حکمران طبقہ کی نوازشات کا محل تھا کیونکہ خود فرعون اسی خاندان کا ایک فرد تھا اور دوسرا گروہ بنی اسرائیل تھے جو حکومتی پارٹی کی طرف سے ہر عتاب کے مستحق گردانے جاتے تھے۔ چنانچہ قبطیوں کا ہر فرد انکو اپنی رعایا سمجھتا تھا فرعون کی یہ گروہ بندی اس طرح تھی جس طرح آج تک ہندو قوم میں مروج ہے کہ ایک طبقہ اعلیٰ ہے جنہیں برہمن کہتے ہیں پھر کھتری پھر دیش اور آخری طبقہ شودر، جن کو ذلیل ترین سمجھا جاتا ہے چنانچہ قوم کے مذہبی امور صرف برہمن قوم ہی انجام دے سکتی ہے اور دوسری قومیں ان کے نزدیک دینی و مذہبی تعلیم حاصل نہیں کر سکتیں اور نہ مذہبی ذمہ داریاں ان کو سونپی جا سکتی ہیں اسی طرح حکومتی امور صرف کھتری ہی انجام دے سکتے ہیں ہم میں بھی بعض پیشوں کو کمین کہنا اور ایسے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا انہی اثرات کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ کے نزدیک شریف ترین وہ ہے جو تقویٰ کا مالک ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②

طسم یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ

ہم تلاوت کرتے ہیں تجھ پر موسیٰ اور فرعون کے قصہ میں سے (کچھ حصہ) بالکل سچا اس قوم

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ

کے لئے جو ایمان رکھیں تحقیق فرعون سرکش ہوا زمین (مصر) میں اور بانٹ دیا

اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ

اس کے باشندوں کو گروہوں میں کر ذلیل کرتا تھا ان میں سے ایک گروہ کو ذبح کرتا تھا ان کے لڑکوں کو

يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④

اور زندہ رکھتا تھا ان کی لڑکیوں کو تحقیق وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا

## فرعونی مظالم کی ابتدا

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ فرعون کو ایک کاہن نے پیشگوئی کے طور پر خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کے زوال کا موجب ہوگا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ اٹھی جس نے مصر کا رخ کیا اور مصر کے تمام گھروں پر چھا گئی۔ پس اس نے تمام

قبطیوں کے گھروں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اور بنی اسرائیل کو ذرا بھر تکلیف نہ پہنچائی۔ فرعون خواب سے سراسیمگی کی حالت میں بیدار ہوا۔ اور اپنے درباری علما کو بلا کر اپنے خواب کی کیفیت بیان کی۔ اُنہوں نے اس کی تعبیر یہ بیان کی کہ اس شہر سے ایک آدمی خروج کرے گا جو اہلِ مصر کی ہلاکت کا موجب ہوگا۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُنہوں نے حضرت یعقوبؑ کی تمام اولاد کو اپنے پاس طلب فرمایا جن کے مردوں کی تعداد اس وقت اسّی تک تھی۔ پس آپ نے اُن سے خطاب فرمایا کہ یہ قبطی لوگ تم پر غالب ہوں گے اور قسم قسم کی تکالیف دیں گے۔ اور اللہ تم کو اُن کے شر سے ایک شخص کی بدولت نجات دے گا۔ جس کا نام موسیٰ بن عمران ہوگا۔ اور لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہوگا۔ اس کی شکل گندمی اور بال گھنگرالے ہوں گے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بعض بنی اسرائیل میں ایسے لوگ تھے کہ انکے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو والدین اُس کا نام عمران رکھ لیتے۔ اور عمران اپنے بچے کا نام موسیٰ رکھ لیا کرتا۔ چنانچہ ابان بن عثمان نے بروایت ابوبصیر حضرت امام محمدؐ باقر علیہ السّلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السّلام کی آمد سے پہلے پچاس کذّاب ظاہر ہوئے جنہوں نے موسےٰ بن عمران ہونے کا دعویٰ کیا۔ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل ایک موسےٰ بن عمران نامی شخص کی آمد کے منتظر ہیں۔ اور ادھر اس کے درباری کاہنوں اور جادوگروں نے یہ بات بھی کہہ دی کہ بنی اسرائیل میں اسی سال پیدا ہونے والے بچے کے ہاتھوں تیرے ملک و ملّت کی تباہی مقدر ہے تو اُس نے بنی اسرائیل کے تمام گھروں میں دایہ عورتوں کو مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو ذبح کیا جائے چنانچہ حضرت موسیٰ کی والدہ کے پاس بھی ایک دایہ کی تعیناتی ہوگئی۔ اِدھر بنی اسرائیل نے ایک جگہ اجتماع کر کے اپنے مستقبل کے متعلق سوچا کہ اگر اس فرعونی حکم پر مسلسل عمل ہوتا رہا اور ہمارے نوزائیدہ بچوں کو تہِ تیغ کیا جاتا رہا تو ہماری نسل مستقبل قریب میں ختم ہو کر رہ جائے گی لیکن فرعون کو اس ناشائستہ حرکت وظالمانہ بربریت سے روکنا ناممکن تھا اور اس سے رحم کی اپیل کرنا بھی فائدہ مند نہ تھا۔ پس قہر درویش برجانِ درویش، کے طریقہ پر یہ تجویز پیش ہوئی کہ بنی اسرائیل کے تمام مرد اپنی عورتوں کے قریب نہ جائیں تاکہ فرعون اپنے نافذ کردہ حکم کو غیر مفید سمجھ کر منسوخ کر دے لیکن حضرت موسےٰ کے والد حضرت عمران نے یہ کہہ کر اس تجویز کو مسترد کر دیا کہ اللہ کے حکم کو کوئی نہیں موڑ سکتا پس جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔

## حضرتِ موسیٰؑ کی ولادت

پس بنی اسرائیل فرعون کے اس ناگوار ظلم کو گوارا کرنے پر مجبور ہوئے، فرعونِ وقت نے چاہا کہ موسیٰ پیدا نہ ہو لیکن اللہ نے چاہا کہ موسیٰ ضرور پیدا ہوگا پس موسیٰ کی والدہ حاملہ ہو گئیں اور پہرہ دار دایہ جو کڑی نگرانی پر مامور تھی سایہ کی طرح ساتھ چمٹی رہتی تھی۔ لیکن موسےٰ کی ماں کے حمل کے ساتھ ساتھ اس دایہ کے دل میں اللہ نے ایک محبت کی رَو پھیر دی۔ ایک دن اُس سن رسیدہ دایہ نے حضرت موسیٰ کی ماں کے دِل کا اضطراب بھانپ کر عرض کی۔ بیٹی! میں تجھے غمناک پاتی ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضرت موسیٰ کی ماں نے فرمایا کہ مستقبل قریب میں مَیں بچے کی ماں ہونے والی ہوں اور پیدا ہونے والے بچے کے قتل کی فکر مجھے ہر وقت غمزدہ رکھتی ہے۔ یہ سُن کر دایہ بولی، میری طرف سے مطمئن رہیے

میں رازداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو حضرت موسیٰ کی ماں نے دایہ کو آتے ہوئے دیکھا اور گھبرا گئی۔ لیکن دایہ نے فوراً کہہ دیا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں میں راز کو ہرگز فاش نہ کروں گی، پس اُس نے دایہ گری کے تمام فرائض نیک نیتی سے انجام دیئے اور باہر جا کر دروازے پر تعینات سنتری سپاہیوں سے کہہ دیا کہ کوئی بات نہیں ہے تم واپس چلے جاؤ۔

تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے۔ امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل میں یہ چرچا عام ہوا کہ ہم میں ایک شخص موسیٰ بن عمران نامی پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں ایک انقلابِ عظیم رونما ہوگا۔ فرعون اور اُس کے تمام ساتھی لقمۂ اجل ہوں گے۔ اور مصر کی حکومت سے فرعون کے اقتدار کا خاتمہ ہوگا جوں ہی فرعون کے کانوں سے یہ بات ٹکرائی تو اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اب بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کروں گا۔ نیز اُس نے بنی اسرائیل کے مردوں اور عورتوں میں جدائی ڈال دی۔ اور مردوں کو جیلوں میں ٹھونسنا شروع کر دیا اور گھروں میں تجربہ کار اور ماہرِ فن دایہ عورتوں کو تعینات کر دیا جو خاندانِ قبط سے تعلّق رکھتی تھیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے تو ماں نے دیکھا اور گھبرائی اور خوش ہونے کے بجائے رونا شروع کر دیا کہ ہائے یہ بچہ ابھی ذبح کر دیا جائے گا۔ دایہ نے وجہ دریافت کی تو بی بی نے فرمایا بچے کے قتل کے ڈر سے روتی ہوں۔ دایہ نے کہا بے فکر رہو۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی یہ حالت تھی کہ جو بھی دیکھتا تھا محبّت کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ (میں نے تیرے وجود پر محبّت ڈال دی) چنانچہ قبطیہ دایہ کے دل میں بھی حضرت موسیٰ کی محبّت نے جگہ لے لی، فرعونیوں کی جانب سے بنی اسرائیل پر ہونے والے مظالم کی طویل فہرست ہے جن کو سن کر انسانی بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اُن سے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ فرعون اور اس کا پورا عملہ انسان نما بدترین درندے تھے اور حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نے یزید اور یزیدیوں کو فرعون اور فرعونیوں سے تشبیہ دی ہے

تفسیر مجمع البیان میں وھب بن منبہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں حاملہ ہوئی تو اُس نے کسی عورت سے اس کا ذکر نہ کیا۔ پس کسی کو اس کی اطّلاع نہ ہو سکی چونکہ اللہ بنی اسرائیل پر احسان فرمانا چاہتا تھا لہٰذا اُس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کو پوشیدہ رکھا۔ اور حضرت موسیٰ کی پیدائش کے سال فرعون نے دایہ عورتوں کو بنی اسرائیل کی عورتوں پر کڑی نگرانی اور سخت تفتیش کا حکم دے رکھا تھا لیکن اس طرف اللہ نے حفاظت کا انتظام فرمایا کہ حمل کے باوجود حضرت موسیٰ کی ماں کی نہ حالت بدلی نہ سینہ اُبھرا نہ رنگ میں تغیّر آیا اور نہ پیٹ میں کوئی زیادتی محسوس ہوئی، لہٰذا دایہ گری کے فرائض انجام دینے والی عورتوں کو ان کے حمل کا وہم و گمان تک نہ ہوا چنانچہ وہ اِس طرف سے بالکل مطمئن تھیں لہٰذا اس پر پہرہ دینا یا نگرانی کرنا وہ غیر ضروری سمجھتی تھیں اور جس رات کو حضرت موسےٰ کی ولادت ہوئی وہاں نہ کوئی دایہ عورت تھی اور نہ کوئی نگران سپاہی موجود تھا پس سوائے حضرت موسیٰ کی بہن کے اور کوئی بھی ان کی ولادت پر مطلع نہ ہوا۔ اور اللہ کے وحی کردہ حکم کے مطابق ماں بچے کو دودھ پلاتی رہی اور اپنی آغوشِ تربیت میں اس کی نگرانی کرتی رہی حتیٰ کہ تین ماہ گزر گئے۔ اس دوران میں نہ بچّے کی رونے کی آواز بلند ہوئی۔ اور نہ کوئی دوسری حس و حرکت نمودار ہوئی جس سے راز فاش ہوتا۔ اس کے بعد جب فرعون کے مسلسل استبدادی احکام سے راز فاش ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو بحکمِ پروردگار تابوت بنوا کر اس میں نرم بستر لگا کر

بچے کو بند کرکے دریا میں ڈال دیا۔

ابن عباس کی روایت میں کچھ اختلاف ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو وہ دایہ جو فرعون کی جانب سے اِس محلہ کی اسرائیلی عورتوں پر نگران مقرر تھی جناب موسیٰ کی ماں کی دوست تھی۔ جب والدۂ موسیٰ نے دردِ زہ کے وقت اس کو بلوایا تو وہ فوراً پہنچ گئی اور اپنی متعلقہ خدمات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جب حضرت موسیٰؑ کے چہرہ پر اُس کی نظر پڑی تو آپ کی روشن پیشانی سے اس نے ایک نُور کی چمک دیکھی جس سے اُس کا جوڑ جوڑ کانپ اُٹھا۔ اور حضرت موسیٰ کی مُحبّت نے اس کے دل پر قبضہ جما لیا۔ پھر کہنے لگی، اے بی بی جان! جب میں تیرے پاس آئی ہوں تو میرے پیچھے تیرے بچّے کے قتل کا پُورا انتظام موجُود تھا لیکن کیا کروں، تیرے بچّے کی محبّت میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر چکی ہے اور آج سے پہلے کسی پیاری چیز کی محبّت نے میرے دل میں اتنا اثر نہیں کیا۔ جتنا کہ تیرے اس نوزائیدہ بچے کی محبّت کر رہی ہے۔ لہٰذا میں اس کی رپورٹ نہ کروں گی، تجھے اپنا بیٹا نصیب و مبارک رہے اس کو گود میں لو اور اس کی پُوری پُوری حفاظت کرو اور مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں یہ بتا رہی ہیں کہ یہی بچّہ وہی ہے جو قبطی حکومت کی تباہی کا باعث بنے گا۔ جب وہ دایہ اپنے دایہ گری کے فرائض انجام دے کر باہر نکلی اگرچہ بچّے کی محبّت کے پیشِ نظر اُس نے خفیہ طور پر نکل جانے کی کوشش کی لیکن خفیہ پولیس کے سپاہیوں نے تاڑ لیا چنانچہ اطلّاع ملتے ہی چھاپہ مار دستہ فوراً دروازہ پر پہنچا اور گھر کا محاصرہ کر لیا جناب مُوسیٰ کی بہن نے وقت کی نزاکت کو بھانپ کر ماں کو اطلاع دی اور اپنے بھائی کو کپڑے کی تہوں میں لپیٹ کر انجام سے بے نیاز ہو کر دہکتے ہُوئے تنور میں رکھ دیا۔ جب پولیس کے چھاپہ مار سپاہی گھر میں داخل ہُوئے تو تنور سے دھواں بلند ہو رہا تھا۔ انہیں یہ خیال ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس تنور میں کوئی بچہ سویا ہوا ہوگا۔ اِدھر حضرت موسیٰ کی ماں عادی طور پر اپنے گھریلو کاروبار میں مصروف تھی جیسا کہ کوئی نئی بات نہ ہو۔ نہ رنگ میں تبدیلی نہ جسم میں سُستی۔ نہ گہوارہ نہ جھولا اور نہ کوئی دوسری علامت۔ جب اُنہوں نے دونوں ماں بیٹی کو اُمورِ خانہ داری میں مصروفِ کار دیکھا تو وہ خود اپنے بے جا اقدام پر نادم و پشیمان ہُوئے اور اپنا سا مُنہ لے کر واپس خائب و خاسر چلے گئے۔ جب حضرت موسیٰؑ کی ماں تنور کے منہ پر آئی تو آگ کو بردو سلام پایا۔ اور صحیح و سالم اپنے نازنین کو اُٹھا کر سینے سے لگایا۔ لیکن فرعون کے روز افزوں مظالم کی ہوش ربا داستانیں سُن کر بی بی کے دِل کو چین نہ آیا۔ آخر وحی الٰہی کے مطابق فرعونی قوم کے ایک ترکھان کو صندوق بنانے کا آرڈر دے دیا۔ جب اُس نے صندوق بنا کر پیش کیا تو دریافت کیا کہ یہ صندوق کس مقصد کے لئے ہے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بی بی نے صندوق خاص قسم کا بنوایا ہوگا جس میں سوراخ بھی رکھوائے ہوں گے جس سے سانس لیا جا سکے ورنہ اگر عام صندوق ہوتا تو ترکھان کو پوچھنے کی چنداں ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ بہرکیف بی بی نے جھوٹ بولنا اپنی ضمیر کے خلاف سمجھا اور سچ سچ بتا دیا کہ اللہ نے مجھے فرزند عطا کیا ہے۔ اور یہ صندوق اس کو چھپانے کی غرض سے بنوایا ہے۔ بی بی جب صندوق لے کر واپس پلٹی تو ترکھان فوراً شاہی جلّادوں کو موسیٰ کی ولادت کی خبر دینے کے لئے روانہ ہوگیا۔ جب وہاں پہنچا اور چغلی کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس کی زبان سے طاقتِ گویائی ختم کر دی۔ وہ خاموش واپس آنے پر مجبور ہو گیا۔ جب اپنی دوکان پر لکڑی کے کام میں مشغول ہوا تو زبان کھل گئی دوبارہ جلّادوں کے پاس گیا تو زبان پر خدائی قفل لگ گیا اور تین دفعہ مسلسل یہ واقعہ اُسے پیش آیا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ خدائی کرشمہ ہے اور جسے

وہ کرنا چاہے اُسے کوئی طاقت روک نہیں سکتی لہٰذا اس کو رپورٹ کرنے کی توفیق نہ ہوسکی۔

وَنُرِيدُ۔ یعنی دنیا کے صاحبِ اقتدار جن کو ختم کرنا چاہتے تھے ہم ان کو ان کے بعد انہی کی زمین کا وارث بنانا چاہتے تھے۔ اور فرعون جن کو زمین میں ذلیل وخوار کرنے کے درپے تھا ہم اُن کو اُسی کا اقتدار سونپنا چاہتے تھے، پس ہمارا ارادہ پُورا ہوا۔ اور ہم نے ان کو ملکی قیادت دے دی پس دین ودنیا میں قائد وحکمران ہوئے۔ آیت مجیدہ میں آئمہ سے مراد وہ بادشاہ ہیں جو دین ودنیا میں لوگوں کی قیادت کرتے تھے۔

| |
|---|
| وَنُرِيدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْاَرْضِ |
| اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جن کو کمزور سمجھا گیا زمین میں |
| وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ |
| اور کریں ان کو حکمران اور بنائیں ان کو وارث اور طاقت دیں |
| فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا |
| ان کو زمین میں اور دکھائیں فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو |
| مِنْهُمْ مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى |
| ان کی طرف سے وہ چیز جس سے وہ خوف زدہ تھے اور ہم نے وحی کی طرف |

کیونکہ اللہ کی جانب سے عطا کردہ حکومت ظلم وجور پر مبنی نہیں ہوسکتی، اور بالخصوص فرعون کے مقابلے میں اقتدار کے انتقال کی پیش کش طالم قیادت کی طرف صرف بعید از قیاس ہی نہیں بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ تمکین سے مراد تمام ان اسباب و آلات وحرکات ومؤیدات کا پیدا کرنا اور مہیا کرنا ہے۔ جن پر فعل مترتب ہوسکتا ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لئے وہ سب راستے ہموار کر دئے اور وہ تمام اسباب وآلات ان کے لئے مہیا کر دئے جن پر ان کی طرف اقتدار کے انتقال کا دارومدار تھا۔

مِنْهُمْ مَّا۔ هُمْ کی ضمیر کا مرجع بنی اسرائیل ہیں۔ یعنی فرعون اور اُن کے ساتھیوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے جس چیز کا خطرہ تھا اور جس کی پیش بندی کے طور پر انہوں نے بنی اسرائیل کو مظالم کا نشانہ بنایا ہوا تھا ہم ان کو وہی انجام دکھانا چاہتے تھے۔ پس جو ہم نے چاہا ہو کے رہا۔ چنانچہ حضرت موسٰے کے ہاتھوں فرعونی حکومت واقتدار کا تختہ اُلٹ گیا۔ اور جس زمین میں بنی اسرائیل غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دئے گئے تھے اُسی زمین پر ان کی سلطنت کا جھنڈا لہرایا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ فرعون چارسو برس زندہ رہا وہ چھوٹی قد کا بدصورت انسان تھا۔

## تاویل آیت

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علی وامام حسن وامام حسین علیہم السّلام کی طرف نگاہ کی اور فرمایا اَنْتُمُ الْمُسْتَضْعَفُونَ

بَعۡدِیۡ - یعنی تم وہ لوگ ہو جو میرے بعد کمزور سمجھے جاؤ گے یا ذلیل کئے جاؤ گے۔ مفضل راوی حدیث کہتا ہے۔ میں نے امام سے اس کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ میرے بعد عہدہ امامت پر فیض یاب ہو گے۔ اور آپ نے یہ آیت پڑھی۔ وَنُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ الخ۔

## ولادتِ قائمؑ

بروایت ابن بابویہ جناب حکیمہ خاتون سے مروی ہے کہ مجھے حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام نے طلب فرمایا اور شام کو اپنے ہاں کھانا کھانے کی دعوت دی اور فرمایا پھوپھی جان! آج پندرہ شعبان کی رات ہے اور اللہ اس رات میں حضرت حجّت کو پیدا کرے گا۔ میں نے دریافت کیا حجّتِ خدا کی ماں کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نرجس خاتون میں نے عرض کی میں تیرے صدقے جاؤں۔ اس میں تو ایسی کوئی علامت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے ہو کے رہے گا۔ جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ میں جناب نرجس خاتون کے کمرے میں چلی گئی اور سلام کہہ کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں نرجس خاتون آئیں اور کہنے لگیں، اے میری سردار: آپ کی تشریف آوری کس مقصد کے لئے ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں نہیں! بلکہ تو میری بھی سردار ہے۔ اور میرے خاندان کی بھی سردار ہے چنانچہ انہوں نے میری بات کو خلافِ توقع سمجھتے ہوئے دوبارہ استفسار کیا کہ پھوپھی جان یہ آپ نے کیا فرمایا؟ تو میں نے جواب میں عرض کیا اے بیٹی! اللہ تجھے آج رات وہ بچہ عطا فرمائے گا جو دنیا و آخرت کا سردار ہو گا چنانچہ یہ کلمہ سنتے ہی جناب نرجس خاتون شرم کے مارے بیٹھ گئیں اور خاموش ہو گئیں۔

میں نے نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر کھانا کھایا اور سو گئی پھر رات کے ایک حصہ میں جاگی اور نمازِ شب پڑھی لیکن نرجس خاتون کو سوئے ہوئے پایا۔ پھر کچھ تعقیبات پڑھنے کے بعد میں سو گئی اور اچانک جو آنکھ کھلی تو نرجس خاتون کو سوئے ہوئے محوِ استراحت دیکھا۔ اتنے میں وہ بھی بیدار ہوئیں اور نمازِ شب پڑھ کر سو گئیں۔ حکیمہ خاتون فرماتی ہیں میرے دل میں شک و شبہات پیدا ہونے شروع ہوئے تو امام حسن عسکری علیہ السّلام نے فوراً آواز دی! پھوپھی جان! جلد بازی نہ کیجئے۔ وہ وقت قریب ہے۔ چنانچہ میں نے سورۂ الم۔ سجدہ اور سورہ یٰس کی تلاوت کی کہ اچانک جناب نرجس خاتون گھبرا کر بیدار ہوئیں، میں جلدی سے ان کے قریب پہنچی اور دریافت کیا کہ کیا آپ کو کچھ محسوس ہوا ہے تو کہنے لگیں جی ہاں! میں نے کہا، گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات وہی ہے جو میں نے کہی تھی، حکیمہ خاتون فرماتی ہیں۔ اس کے بعد بیٹھے بیٹھے مجھے تھوڑی سی اونگھ آئی اور آنکھ کھلی تو کپڑے کے نیچے مجھے معمولی سی حرکت محسوس ہوئی۔ جب میں نے کپڑا اٹھایا تو حجتِ خدا کو حالتِ سجدہ میں دیکھا۔ میں نے خوشی سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور اُسے پاک و پاکیزہ پایا۔ اتنے میں امام حسن عسکری علیہ السّلام نے آواز دی کہ پھوپھی جان! اِدھر لائیے۔ چنانچہ میں نے لا کر دیا تو آپ نے ایک ہاتھ بچے کی پیٹھ کے نیچے رکھا کہ اس کے دونوں پاؤں آپ کے سینے پر تھے۔ پس اس کے منہ کو اپنے منہ کے قریب کیا اور اس کے منہ میں اپنی پاکیزہ زبان ڈالی اور ہاتھ مبارک بچے کی آنکھوں۔ کانوں اور باقی جوڑوں پر پھیرتے رہے اس کے بعد فرمایا بیٹا کلام کرو! چنانچہ آپ نے کلمہ شہادتین کو زبان پر جاری فرمایا اور اس کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر حضرت حسن عسکری علیہ السّلام تک تمام ائمہ کو نام بہ نام گن کر ان پر صلوات پڑھی اور خاموش ہو گئے پھر فرمایا اس بچے کو اپنی ماں کے پاس لے جاؤ تاکہ ماں کو سلام کر لے

پھر واپس لانا۔ چنانچہ میں اٹھا کر لائی تو اس نے اپنی ماں کا سلام کیا۔ پھر میں واپس لائی۔ جب صبح کو امام حسن عسکری علیہ السّلام کی زیارت کے لئے پلٹی تو بچے کو نہ پایا۔ پس آپ سے دریافت کیا تو فرمایا۔ پھوپھی جان ہم نے بچے کو اس کے حوالے کیا ہے جس کے حوالے موسیٰ کی ماں نے موسیٰ کو کیا تھا۔

پس آپ نے مجھے مرخص فرمایا اور ساتویں دن دوبارہ آنے کی دعوت دی حکیمہ خاتون فرماتی ہیں، جب میں ساتویں روز پہنچی تو سلام کر کے بیٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا میرے بیٹے کو اُٹھا لائیے۔ چنانچہ میں نے اس ناطق قرآن کو ایک پاکیزہ غلاف میں لپیٹ کر دیا تو آپ نے پہلے کی طرح اپنی زبان بچے کے منہ میں ڈالی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دودھ اور شہد کی نہر بچے کے منہ میں جاری ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ بیٹا کلام کرو۔ جناب حجت خدا نے کلمۂ شہادتین کو زبان پر جاری فرمایا اور یکے بعد دیگرے آئمہ کا نام لے کر اُن پر درود پڑھا۔ اور اپنے باپ کے نام تک پہنچ کر اس آیت مجیدہ کی تلاوت شروع کر دی۔ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ .... الخ

تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے حضرت محمد مصطفےٰ کو برحق بشیر و نذیر بنا کر بھیجا کہ ہم اور ہمارے شیعہ موسیٰ اور موسیٰ کے شیعوں کی طرح ہیں۔ اور ہمارے دشمن اور اُن کے اتباع فرعون اور اُن کے ساتھیوں کی طرح ہیں۔

**بارہ امام**

تفسیر برہان میں حضرت سلمان سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ہر نبی و رسول کے بارہ نقیب بنائے۔ سلمان کہتا ہے میں نے عرض کی کہ یہ بات تو میں اہل کتاب سے بھی سن چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تجھے میرے بارہ نقباء کا علم بھی ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے اپنے نورِ خاص سے پیدا کیا۔ اور پھر اپنی اطاعت کی طرف بلایا تو میں نے لبیک کہی پھر میرے نور سے علی کے نور کو پیدا کیا اور اس کو اطاعت کے لئے بلایا تو علیؑ نے اطاعت کی۔ پھر اسی نور سے فاطمہ و حسن و حسین علیہم السّلام کو پیدا کیا اور ان کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی تو انہوں نے قبول کی پس اللہ نے ہمارے نام اپنے ناموں سے تجویز فرمائے۔ چنانچہ اللہ محمود ہے اور میں محمد ہوں۔ اللہ اعلیٰ ہے اور یہ علی ہے۔ اللہ فاطر ہے۔ اور یہ فاطمہ ہے۔ اللہ قدیم الاحسان ہے اور یہ حسن ہے۔ اور اللہ محسن ہے اور یہ حسین ہے۔ پھر ہمارے اور حسین کے نور سے نو اماموں کے انوار کو پیدا فرمایا۔ اور ان کو اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ اور اُنہوں نے فرمانبرداری کی یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب آسمانی نیلگوں چھت نہ تھی اور نہ زمین کا ترابی فرش تھا۔ نہ ہوا تھی نہ اہل ہوا۔ اور نہ کوئی فرشتہ تھا نہ آسمان۔ بس ہمارے سوا کچھ نہ تھا۔ ہم ہی اللہ کے تسبیح گذار اور اس کے اطاعت شعار تھے۔ سلمان کہتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ ان کی معرفت رکھنے والوں کو کیا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا جو ان کی معرفت رکھے اور پیروی کرے نیز اُن کے دوستوں سے محبت اور دشمنوں سے بیزاری کرے وہ ہم سے ہوگا۔ جہاں ہم ٹھہریں گے وہ بھی ہمارے ہمراہ ٹھہرے گا۔ سلمان نے عرض

کی حسین تک تو میں نے پہچان لئے لیکن اس کے بعد والوں کا مجھے علم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے بعد (چوتھا) علی بن الحسین زین العابدین پھر (پانچواں) محمد بن علی باقر العلوم پھر (چھٹا) جعفر بن محمد اللہ کی سچی زبان (ساتواں) موسیٰ بن جعفر الکاظم (آٹھواں) علی بن موسیٰ الرضا (نواں) محمد بن علی (دسواں) علی بن محمد الہادی (گیارہواں) حسن بن علی (بارہواں) محمد بن الحسن الہادی المہدی الناطق القائم بحق اللہ علیہم السلام۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے سلمان! تو اس کی زیارت کرے گا اور تجھ جیسے جتنے لوگ ہوں گے۔ وہ بھی اس کا زمانہ دیکھیں گے۔ سلمان نے دریافت کیا کہ میری زندگی اس قدر دراز ہوگی کہ اس کا زمانہ دیکھوں گا؟ آپ نے ایک آیت پڑھی۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا ..... الخ۔ جس کا مطلب یہ تھا دوبارہ ایسے لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ سلمان کہتا ہے کہ خوشی کی زیادتی کی وجہ سے میرے آنسو نکل آئے۔ اور میں نے عرض کی کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے کیا یہ آپ کا میرے ساتھ وعدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اُس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میرا بھی وعدہ ہے اور علی و بتول و حسن و حسین اور باقی نو اماموں کی طرف سے بھی وعدہ ہے۔ خدا کی قسم اے سلمان اس وقت شیطان اور اس کا لشکر بھی حاضر ہوگا پس خالص مومن اور خالص کافر اُٹھائے جائیں گے۔ اور عدل کی بساط بچھے گی اور ظلم کسی پر نہ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ ..... الخ سلمان کہتا ہے، میں اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی کہ اب سلمان کو کچھ پروا نہیں، موت میری طرف آجائے یا میں موت کی طرف چلا جاؤں۔

کشف البیان شیبانی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السّلام سے وارد شدہ احادیث میں ہے کہ آیت مجیدہ حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کے لئے مخصوص ہے جو آخر زمانہ میں ظہور فرمائیں گے اور اپنے وقت کے جابر حکمرانوں اور فرعون مزاج بادشاہوں کو تہ تیغ کرکے مشرق سے مغرب تک پوری روئے زمین پر حکومت کریں گے۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر کریں گے جس طرح وہ اس سے پہلے ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔

بہرکیف آیت مجیدہ کے تنزیلی مصداق تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قوم بنی اسرائیل ہے اور نُرِيْدُ۔ نَمُنَّ نَجْعَلَ اور نُرِيَ کے مضارع کے صیغے اس کے ارادۂ ازلیہ کے ماتحت ہر زمانہ کو شامل ہیں۔ جس طرح بعض اوقات ماضی کے صیغے حتمی وقوع کو ظاہر کرنے کے لئے مستقبل میں ہونے والے واقعات پر اطلاق کئے جاتے ہیں اور آیتِ مذکورہ کی تاویل قیامت تک کے لئے جاری ہے۔ لہٰذا تمام وہ لوگ جو کسی زمانہ میں ظلم و استبداد کی چکی میں پستے رہے اور اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتے رہے پس اللہ نے ان کو ظلم سے نجات دے کر غلبہ عطا فرمایا۔ اور انقلاب کے ہاتھوں نے ظالموں کو نشانۂ انتقام بنایا۔ اور مظلوم لوگ کرسئ اقتدار کے مالک ہو گئے وہ بالعموم اس

کے تاویلی مصداق ہو سکتے ہیں لیکن آلِ محمد علیہم السّلام جو ہر دور میں حکومتِ جور کے ترکشِ ظلم کا نشانہ بنتے رہے وہ اس کے بالخصوص مصداق ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین رسالت مآبؐ کے پچیس برس بعد تک دینی لحاظ سے امام الخلق اور قائد الامّت رہے لیکن ظاہری اقتدار غیروں کے ہاتھوں میں رہا۔ اور مظلومانہ زندگی گزارنے پر

اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ

مادر موسٰی کے کہ اس کو دودھ پلاؤ پس جب ڈر ہو

فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ

اس کا تو ڈال دو اس کو دریا میں اور نہ ڈرو اور

وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ

نہ غم کرو تحقیق ہم اس کو تیری طرف پلٹانے والے اور

مجبور کئے گئے لیکن آخری پنجسالہ دور میں ظاہری اقتدار بھی ان کے قدموں میں خود بخود جھک گیا۔ اور ان کے بعد حضرت امام حسن علیہ السّلام چھ ماہ تک دینی و دنیاوی ہر دو لحاظ سے امام الخلق تھے اور بعد میں صرف دینی قیادت ان کے ہاتھوں میں رہی۔ اور ظاہری اقتدار کے سایہ میں مظلومانہ حیثیت کے مالک رہے اور آپ کے بعد حضرت امام حسینؑ سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام تک تمام آئمہ حکامِ وقت کی جانب سے گوناگوں مصائب و آلام کا نشانہ بنے رہے اور دینی لحاظ سے امام خلق اور مرجعِ اُمّت بنے رہے۔ اور آخری امام حضرت مہدی علیہ السّلام اس آیت مجیدہ کی تاویل کے مصداق خاص ہیں جو طویل غیبت کے بعد ظہور فرمائیں گے اور دینی و دنیاوی امامت و قیادت کے مالک ہوں گے۔ اس موضوع پر ہماری اچھوتے اور نرالے رنگ میں نو تصنیف کتاب "امامت و ملوکیت" کا مطالعہ کیجئے

وَاَوْحَيْنَا حضرت موسٰی علیہ السّلام کی والدہ کو جو وحی ہوئی اس کے متعلق تین قول ہیں۔

۱۔ یہ ایک الہام تھا کہ خدا نے اُن کے دل میں ایک بات ڈال دی۔ یہ وحیٔ نبوت نہ تھی۔ ۲۔ حضرت جبریل کے ذریعے سے وحی ہوئی۔ ۳۔ خواب کے ذریعہ سے ان کو جتلا یا گیا اور علمائے بنی اسرائیل نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اس کو دریا میں ڈالا جائے۔

## فصاحتِ قرآن

آیت مجیدہ میں اعجاز کا لطیف پہلو یہ ہے کہ اس میں چار جملے خبریہ اور چار جملے انشائیہ ہیں اور چار خبریہ جملوں میں سے دو خبر پر مشتمل ہیں۔ اور دو بشارت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ اور چار انشائیہ جملوں میں سے دو امر کے لئے ہیں اور دو نہی کے لئے ہیں۔ پہلی خبر: ہم نے موسٰی کی ماں کو خبر کی، اس میں ولادتِ موسٰی کے قصّے کی اہمیت اور موسٰی کی ماں کی عظمت کو ظاھر

کیا۔ دوسری خبر۔ جب تم کو اپنے بچے کے متعلق فرعونیوں سے ڈر محسوس ہو تو اُسے دریا میں ڈال دینا یعنی حالاتِ حاضرہ کا تقاضا یہی تھا کہ ماں کو ظالم بادشاہ کے ارادۂ فاسدہ کے ماتحت بچے کے قتل کا خطرہ تھا جس کو اللہ نے بذریعہ وحی جتلا دیا تیسری خبر میں بشارت ہے کہ ہم اِس بچے کو تیری طرف پلٹا دیں گے۔ اور چوتھی خبر جو بشارت پر مشتمل ہے کہ ہم اس کو عہدۂ رسالت عطا کریں گے۔

اچار انشائیہ جملوں میں سے پہلا جملہ جو امر ہے کہ اس کو دودھ پلاتی رہو۔ چنانچہ آپ اس پر عمل کرتی رہیں۔ دُوسرا جملہ کہ جب فرعونیوں کی تلاش وتفتیش کا خوف ہو تو اس کو دریا میں ڈال دو۔ تیسرا جملہ جس میں نہی ہے کہ بچے کو اللہ پر توکل کر کے دریا کے سپرد کرو۔ اور اُس کے تلف ہونے کا خوف نہ کرو کیونکہ خدا خود ہی اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اور چوتھا جملہ کہ اس کی جدائی کا غم نہ کرو کہ ہم عنقریب تجھے واپس کردیں گے اور اس کو عہدۂ رسالت بھی عطا کریں گے۔

دریا میں بچے کو ڈالنے سے فطری طور پر ماں کے دل میں خوف وغم کی لہروں کا اُٹھنا ضروری تھا۔ یعنی ایک طرف بچے کے ڈوب کر مرجانے کا خوف تھا۔ اور دُوسری طرف اگر زندہ بھی رہے تو اس کی جدائی کا غم تھا کیونکہ نہ معلوم دریا کی لہریں اس کو کہاں سے کہاں تک بہا کرلے جائیں گی۔ پھر خدا جانے ماں کے لئے اس کو دیکھنا نصیب بھی ہوگا یا ہمیشہ کی جدائی ہوگی جو موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ پس اللہ نے بی بی کو خوف اور غم دونوں سے روکا اور تسکین پیدا کرنے کے لئے بشارتیں سنا دیں۔ چونکہ دریا میں ڈالنے سے بچے کی موت کا خطرہ تھا، لہٰذا بشارت دے دی کہ ہم اس کو ضرور تجھے واپس پلٹا دیں گے اور چونکہ فراق کا غم تھا۔ لہٰذا اس کو دُور کرنے کے لئے اس کی رسالت کی خوش خبری سُنا دی۔ پس پہلی بشارت کا تعلق پہلی نہی سے اور دوسری بشارت کا تعلق دوسری نہی سے ہے (بطریق لف ونشر مرتب)

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک دفعہ ایک عرب عورت اشعار پڑھ رہی تھی کہ سُننے والے نے اس کی فصاحت پر داد دی تو وہ عورت کہنے لگی: میری فصاحت کیا معنی رکھتی ہے؛ فصاحت کلام خدا کو زیبا ہے۔ پس اس نے یہی آیتِ مجیدہ پڑھی۔

## صندوق دریائے نیل میں

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ نے صندوق میں اپنے لختِ جگر کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے رکھا، اور کششِ محبت کے باوجود امرِ پروردگار کے سامنے سرِتسلیم خم کرتے ہوئے راتوں رات صندوق کو اُٹھا کر دریا کے کنارے پر لے آئی۔ اور دل پر صبر و رضا کا پتھر رکھ کر صندوق کو پانی کی اُٹھتی ہوئی لہروں کے حوالے کر دیا، اور تھوڑا سا آگے دھکیل دیا۔ خدا کی قدرت سے وہ صندوق پھر کنارے کے قریب آیا تو بی بی نے اُسے دوبارہ گہرے اور تیز پانی میں دھکیل دیا لیکن وہ پھر ساحل کے قریب آگیا۔ غالبًا حضرت موسیٰ کی والدہ کی ممتا کا امتحان تھا جس میں وہ پُوری طرح کامیاب رہی۔ اور آخرکار بہتے ہوئے پانی کا تیز دھارا اسے چشم زدن میں ماں کی آنکھوں سے غائب کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دل سے محبت کا دھواں اٹھا جو پانی بن کر

آنکھوں کے راستے نکلتا ہوا دریا کی موجوں سے جا ملا لیکن اب صندوق دُور جا چکا تھا۔ مامتا کے آنسو دریا کی موجوں پر سوار ہو کر بھی موسیٰ تک پہنچ جانے سے قاصر تھے۔ زبان سے فریاد کرنے کو جی چاہا لیکن اللہ کی جانب سے تسکین نے دل کو ڈھارس دی۔ اور صبر و سکون کا دامن تھام کر واپس پلٹ کر آگئی۔

فرعون کی عورت آسیہ بنت مزاحم نیک دل اور پاکباز خاتون تھی۔ اور لمعۃ الانوار میں ہم نے رسالت مآبؐ کی متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں آپ نے آسیہ بنتِ مزاحم زنِ فرعون کو عالمین کی برگزیدہ خواتین میں سے چوتھی خاتون بیان فرمایا۔ تفسیر البرہان میں بروایت امام جعفر صادق علیہ السّلام یہ نیک عورت بنی اسرائیل سے تھی۔ اور مجمع البیان میں ہے کہ یہ نسل نبوّت سے تھی اور مومنوں کے لئے رحم دل ماں تھی کہ ان کو ہر قسم کی ممکن مراعات بہم پہنچاتی تھی۔

آسیہ نے فرعون سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ موسم بہار میں سیر و تفریح کے لئے دریائے نیل کے کنارے ایک سیرگاہ تعمیر کرائی جائے۔ جس کے ذریعے دریا کا نظارہ کر سکیں تاکہ ہمارے دل بہلاوے کا سامان پیدا ہو چنانچہ فرعون نے آسیہ کی خواہش کو پورا کیا۔ اب یہ بہار کا موسم تھا۔ اور شہنشاہ اور بیگم سیرگاہ میں تفریح طبع کے لئے موجود تھے نوکر اور کنیزیں خدمت کے لئے چاق و چوبند صف بہ صف شاہی احکام کی تعمیل کے لئے کمربستہ تھے کہ اچانک پانی کی موجوں پر سوار کوئی چیز دُور سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ اور آسیہ کی نظر اس پر ٹکٹکی باندھ کر رہ گئی۔ پس از راہِ استعجاب کہنے لگی، میں پانی کی لہروں پر کسی چیز کو سوار دیکھ رہی ہوں۔ کنیزوں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو بیک آواز جی ہاں کہتے ہوئے عرض گذار ہوئیں کہ واقعی پانی کی سطح پر کوئی چیز ضرور موجود ہے پس سب کی نظریں اس پر جم گئیں ادھر خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ ہوا کی ہلکی ہلکی لہریں صندوق کو گہرے پانی سے دھکیلتے ہوئے آہستہ آہستہ کنارے کے قریب لانے کا انتظام کر رہی تھیں۔ اور صندوق کنارے پر موجود پورے شاہی عملے کی توجہ کا مرکز بنا ہوا دھیمے دھیمے نزدیک آرہا تھا جب پتہ چلا کہ یہ تو صندوق ہے۔ نہ معلوم کون سی کشش تھی جس نے بے تحاشا بیگم کو آگے بڑھنے کے لئے پکارا۔ پس شاہی عملہ اور کنیزانِ حرم کو حکم دے کر صندوق حاصل کرنے کی دیر تک گوارا نہ کی بلکہ خود آسیہ اپنا لباس سمیٹ کر آگے بڑھی۔ اور ڈوب جانے کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر صندوق کی طرف لپکی اور اُسے کھینچ کر ساحل کے قریب لائی اور خود ہی اس کو کھولا۔

اللہ نے حضرت موسیٰ کے چہرہ پر اپنے جلال و جمال کا پرتو ڈال دیا تھا کہ ہر دیکھنے والا محبت پر مجبور ہو جاتا تھا۔ جوں ہی آسیہ نے صندوق کو کھولا تو کلیم اللہ کے حسین و جمیل باوقار چہرہ کا دیدار نصیب ہوا۔ اور دیکھتے ہی گرویدۂ محبت ہو گئی پس گود میں لیتے ہی کہنے لگی۔ اس کو تو میں اپنا متبنیٰ بناؤں گی۔ کنیزوں نے بھی یہی التجا کی کہ یہ بچہ متبنیٰ بننے کے لئے موزوں ہے۔

پس آسیہ نے حضرت موسیٰؑ کو پاکیزہ پارچات میں لپیٹ کر سینے سے لگایا اور اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی

اور خوشی خوشی فرعون کے پاس جا پہنچی۔ اور کہنے لگی کہ یہ بچہ مجھے ملا ہے اور میں اس کو اپنا متبنّٰی بنانا چاہتی ہوں۔ فرعون غصّہ سے بھر گیا۔ اور بروایت مجمع البیان کہنے لگا یہ بچہ قتل سے کیونکر بچ گیا ہے حالانکہ میں نے بنی اسرائیل کے بچّوں کے قتلِ عام کا حکم نافذ کیا تھا۔ آسیہ نے جواب دیا کہ تو نے اس سال میں پیدا ہونے والے بچوں کے متعلق حکم دیا تھا۔ اور بچہ ظاہر میں سال سے بھی زیادہ عمر کا معلوم ہوتا ہے۔ فرعون نے پوچھا کہ یہ بچہ کہاں سے ملا تو آسیہ نے جواب میں کہا، اس کو دریا کہیں سے بہا کر لایا ہے مجھے اس سے زیادہ کچھ خبر نہیں ہے۔ ادھر فرعونی جلاّد بھی بچّہ کو قتل کرنے کے لئے پہنچ چکے تھے تو آسیہ نے کہا میں اُمید رکھتی ہوں کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بنے گا تو فرعون نے جواب دیا کہ تیری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہو تو ہو میرے لئے نہیں ہے۔ اِدھر آسیہ نے مُوسٰی کے حسین و جمیل چہرے سے کپڑا ہٹایا۔ اور ساتھ ساتھ منتیں بھی کیں، آخر فرعون کا دل نرم ہو گیا۔ اور وہ مُوسٰی کو متبنّٰی بنانے پر رضامند ہو گیا چنانچہ جلاّد نامراد واپس چلے گئے۔ اور اہالیانِ مصر کو پتہ چل گیا کہ فرعون نے ایک نوزائیدہ بچے کو اپنا متبنّٰی بنا لیا ہے۔ فرعون کے درباری خوشامد پسند لوگوں نے اپنی اپنی عورتوں کو بھیجا تاکہ اس بچّہ کی رضاعت اُن کے حصہ میں آئے تاکہ اُن کو شاہی دربار میں مزید قرب حاصل ہو۔ لیکن حضرت موسےٰؑ نے کسی کو اپنی رضاعی ماں بنانا قبول نہ فرمایا، اسی اثناء میں حضرت موسٰی کی بہن جو ناظر میں تھی، نے بڑھ کر آسیہ سے کہا کہ ایک نیک و پاکیزہ عورت میں لاتی ہوں جو تمہاری خاطر تمہارے اِس بچہ کو دودھ پلائے گی (تفسیر کی جلد ۹ سورہ طٰہٰ کے بیان میں مفصّل واقعہ گزر چکا ہے) ادھر سے منظوری لے کر اپنی ماں کو اطّلاع دی جب حضرت موسٰی کی ماں شاہی محل سرا میں داخل ہُوئی تو آسیہ نے دریافت کیا تو کس خاندان سے ہے؟ تو بی بی نے جواب دیا، میں بنی اسرائیل سے ہُوں۔ آسیہ ایک سن رسیدہ عورت تھی۔ اور حضرت موسےٰ کی ماں نوجوان تھی، اس لئے آسیہ نے کہا: بیٹی! تم واپس چلی جاؤ۔ جب کنیزانِ حرم نے اصرار کیا تو آسیہ نے کہا کہ فرعون اس بات پر بگڑ جائے گا۔ کہ بچّہ بھی بنی اسرائیل سے ہو۔ اور مرضعہ بھی بنی اسرائیل سے ہو۔ چنانچہ دوسری عورتوں کے اصرار کے پیشِ نظر آسیہ نے جناب مُوسٰی کو اس کی ماں کے حوالے کیا تو انہوں نے ماں کا دودھ پینا شروع کر دیا، آسیہ یہ دیکھ کر خوش ہو گئی۔ لیکن فرعون سے منظوری حاصل کرنا مشکل تھا۔ جب فرعون سے ذکر کیا اور اپنی جانب سے سفارش کی تو وہ رضامند نہ ہوا۔ اور کہنے لگا میں بنی اسرائیل کی عورت کو اس بچّہ کی دایہ ہرگز مقرر نہیں کروں گا لیکن آسیہ نے کبھی گڑگڑا کر، کبھی چاپلوسی کر کے اور کبھی خوشامد کر کے آخر کار فرعون سے منظوری حاصل کر لی۔ پس موسٰیؑ فرعون کے محل سرا میں تربیت پاتا رہا۔ اور اس کی ماں بہن اور دایہ نے اس مخفی راز کو فاش نہ ہونے

جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧﴾ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ

اس کو رسول بنانے والے ہیں — پس اٹھا لیا اس کو آل فرعون نے

لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا

تاکہ (انجام کار) ہو ان کے لئے دشمن اور باعث پریشانی، تحقیق فرعون ہامان اور ان کے لشکر تھے

دیا۔ یہاں تک کہ موسےٰ کی ماں اور دایہ کا انتقال ہوگیا۔

فَالْتَقَطَهٗ ۔ لُقطہ سے ہے۔ اور لُقطہ اُسے کہتے ہیں جو طلب اور کوشش کے بغیر مل جائے۔

اٰلُ فِرْعَوْنَ ۔ یہاں آلِ فرعون سے وہ لوگ مراد ہیں جو فرعون کے مشن میں اس کے شریک کار تھے۔ اور مذہب میں اس کے پیروکار تھے جن کے لئے حضرت موسےٰ علیہ السّلام باعثِ پریشانی ہوئے۔ اور آل کے معنی کی تحقیق جلد ۷ صفحہ ۱۲ میں گذر چکی ہے۔ نیز جلد ۶ صفحہ پر بھی ملاحظہ ہو۔

لِيَكُوْنَ ۔ یہاں لام جارہ تعلیل کے لئے نہیں بلکہ عاقبت کے لئے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اس لئے نہیں اٹھایا تھا کہ وہ ان کا دشمن بنے بلکہ وہ تو اس کے برعکس ان کی دوستی کی توقع رکھتے تھے کہ یہ بھی ہمارے دین وملت میں ہمارا ہم نوا ہوگا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ان کا دشمن نکلا۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسا کوئی شخص مال و دولت کما لے۔ اور وہی دولت اس کی موت کا باعث بن جائے۔ تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے دولت اپنی موت کے لئے کمائی تھی۔

حُزْنًا ۔ حُزن اور حزن، دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ جس طرح بُخل اور بَخَل ۔ عُرب اور عَرب عُجم اور عَجم۔

عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَا ۔ آسیہ نے پہلے تو فرعون کی دل جوئی کے لئے کہہ دیا کہ اس بچے کو ہم پالیں گے اور جب یہ ہمارا پروردہ ہوگا تو ہماری خدمت کرے گا۔ اور ہمیں فائدہ پہنچائے گا لیکن جب فرعون کو اس فقرہ سے اپنی طرف مائل کرنے میں ناکام رہی تو دوسرا طریقہ اختیار کر لیا۔ اور وہ یہ کہ چونکہ فرعون بے اولاد تھا۔ اور اولاد کی خواہش سے اُس کا دل لبریز تھا پس اُس کے دل کی آواز بن کر یہ فقرہ پیش کر دیا کہ ہم اُس کو اپنا بیٹا بنا لیں گے اور یہ حسین و جمیل بچہ ہماری گود کی زینت بنے گا۔ جلال و جمال کے ساتھ اُس کا پُر وقار چہرہ شہزادگی کا مظہر تو تھا ہی اور اُس کی

خَاطِئِيْنَ ⑧ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ

خطا کار — اور کہا زوجہ فرعون نے (یہ) آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے اور

لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ

تیرے لئے بھی اسے قتل نہ کرو، شاید ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو متبنیٰ بنا لیں گے اور

هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ

وہ (انجام) اسے بے خبر تھے — اور ہو گیا دل مادرِ موسیٰ کا خالی — قریب تھا کہ اسے ظاہر کر

لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩

دے اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے — تاکہ وہ اہلِ یقین سے ہو جائے

حسین و شوخ آنکھیں جب فرعون کے چہرے پر پڑی تھیں تو وہ دل ہی دل میں تو موسیٰ کی زندگی کے حق میں تھا، لیکن اپنے شاہی حکم کو واپس لینے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ پس جوں ہی آسیہ نے اس کو متبنیٰ بنانے کا مشورہ دیا تو یکسر مزاج میں تبدیلی واقع ہوئی۔ اور ہاں میں ہاں ملانے پر قلبی کیفیت نے اُسے مجبور کر دیا۔ پس موسیٰ کو اپنی گود میں لے کر تسکینِ قلب کا خواہشمند ہوا لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ انجام کیا ہوگا؟

فَارِغًا ۔ اس میں مفسرین کے تین قول ہیں (۱) موسیٰ کو دریا میں ڈال کر ماں کا دل ہر بات سے خالی ہوگیا۔ بس اس کے دل میں موسےٰ کی فکر تھی۔ اور کسی چیز کی طرف اس کا دل لگتا ہی نہ تھا۔ ۲۔ اللہ کے وعدہ کے مطابق چونکہ اس کو بچہ کی زندگانی کی تسلی تھی۔ لہٰذا اس فکر سے اس کا دل خالی تھا۔ ۳۔ اس کا دل وحی سے خالی ہوگیا کیونکہ اسے فراموش ہوگئی لہٰذا وہ موسیٰ کے فراق میں غمزدہ ہوئی۔

اِنْ كَادَتْ ۔ یہاں اِنْ نافیہ نہیں ہے بلکہ اِنَّ ثقیلہ کا مخفف ہے۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا

اور کہا (ماں) نے موسیٰ کی (بہن کو) اس کے پیچھے چلو، پس اس بہن نے اس کو دور سے دیکھا حالانکہ وہ نہ

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ

سمجھتے تھے اور ہم نے حرام قرار دیا اس پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ پہلے سے (موسیٰ کی

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ

بہن نے) کہا کیا میں نشان دہی کر دوں۔ ایسے گھرانے کی جو اس (بچہ) کی کفالت کریں تمہارے

نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَ

خاطر اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں گے پس ہم نے اس کو پلٹا دیا اپنی ماں کی طرف تاکہ اس کی آنکھ

لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

ٹھنڈی ہو اور غمزدہ نہ رہے اور جان لے کہ تحقیق اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

لِتَكُوْنَ ۔ بِهٖ ۔ اس میں بھی تین قول ہیں۔
۱۔ بیٹے کی جدائی کے صدمے میں قریب تھا کہ واویلا اور فریاد کر کے اپنا راز ظاہر کر بیٹھتی۔ اگر ہم نے اپنی وحی کے ذریعے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا۔
۲۔ بچے کے ڈوب جانے کے خوف سے قریب تھا کہ ماتا کی محبت کو ظاہر کر دیتی اگر ہم نے تسکین ہم نہ پہنچائی ہوتی ۔ ۳۔ فرعون کے دربار میں جب رضاعت کیلئے طلب کی گئی تو قریب تھا کہ خوشی خوشی میں اپنا ماں ہونا ظاہر کر دیتی۔ اگر ہم نے اس کے دل کو تقویت کے ساتھ صبر و ضبط کی تلقین نہ کی ہوتی۔

قَالَتْ ۔ واقعہ کی تفصیل تفسیر کی جلد ۸ سورہ طٰہٰ کے بیان میں گزر چکی ہے۔ آیت مجیدہ میں اختصار ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ماں نے اپنی بیٹی یعنی موسیٰ کی بہن کو صندوق کے پیچھے ساتھ ساتھ جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ دریائے نیل سے نکلنے والی نہر کے پہلو میں بنے ہوئے نمائشی تالاب کے کنارے سیرگاہ میں صندوق سے موسیٰ کو نکال کر آسیہ و فرعون کے ہاتھوں تک بھائی کے حالات کا پورا جائزہ لیتی رہی۔

عَنْ جُنُبٍ ۔ یعنی دور سے کھڑے ہو کر بھائی کو دیکھا یا اجنبی صورت میں ترچھی نظر سے بھائی کو دیکھا تاکہ انہیں شک تک نہ گزرے۔ اور انہیں اس بات کا علم نہ ہو سکے کہ یہ لڑکی کیوں اور کیا دیکھ رہی ہے۔ جب دیکھا کہ فرعون و آسیہ موسیٰ کی محبت میں گرفتار ہیں اور اس کے لئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش میں ہیں جب کہ حضرت موسیٰ کسی دوسری عورت کے دودھ کو قبول بھی نہیں فرماتے، پس قریب جا کر کہنے لگی میں ایک ایسی نیک سیرت پاکباز خاتون کی نشان دہی کر سکتی ہوں جو تمہاری خاطر اس بچے کو دودھ پلانا قبول کرے گی۔

يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ ۔ یعنی تمہاری دلجوئی کے لئے وہ اس بچے کو دودھ دے گی۔ اس مقام پر نہ اپنا بہن ہونا ظاہر کیا اور نہ ماں کا ماں ہونا ظاہر کیا اور تقیہ سے کام لیتے ہوئے اپنے مطلب کو واضح کیا۔

فَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ۔ لَهُ میں ضمیر غائب کا مرجع حضرت موسیٰ تھا یعنی جس مرضعہ کی میں نشان دہی کر رہی ہوں وہ اس بچے کی خیر خواہ بھی ہوگی۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس وقت ہامان موجود تھا۔ جب اس نے حضرت موسیٰ کی بہن کی زبانی یہ کلمہ سنا تو اس کو شک گزرا کہ شاید یہ لڑکی اس بچے کے خاندان کو جانتی ہے کیونکہ اجنبی بچے کے حق میں کسی کا اپنی خیر خواہی پیش کرنا بعید از قیاس ہے۔ پس ہامان نے فوراً کہہ دیا کہ یہ لڑکی اس بچے کے حقیقی رشتہ داروں کو جانتی ہوگی تو بی بی نے جواب دیا لَهُ میں ضمیر غائب کا مرجع فرعون ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جس خاندان کا میں پتہ دینا چاہتی ہوں وہ بادشاہ کے اس معاملہ میں خیر خواہ ہیں کہ ان کے اس پیارے بچے کی تربیت میں وہ پورا حق ادا کریں گے۔ پس ہامان شرمسار ہو کر چپ ہو گیا۔

فَرَدَدْنَاهُ ۔ جب حضرت موسیٰ کی ماں پہنچی اور موسیٰ نے ماں کی گود محسوس کی تو گریہ ختم کر دیا اور دودھ قبول کر لیا۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَ
اور جب پہنچا اپنی توانائی کو اور کامل ہوا تو ہم نے عطا کیا اس کو حکم اور علم اور

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ
اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو اور داخل ہوا شہر میں

فرعون اور اس کے دوسرے خوشامدی افسر خوش ہوئے۔ پس فرعون نے پوچھا کہ اے بی بی یہ بچہ تجھ سے پہلے کسی

عورت کے دودھ کو قبول نہیں کرتا تھا لیکن تیرا دودھ اس نے خوشی سے قبول کر لیا ہے تو بی بی نے جواب دیا کہ چونکہ میں پاکباز اور پاک طینت عورت ہوں۔ اس لئے میرے دودھ سے کوئی بچہ بھی منہ نہیں پھیرتا۔

تفسیر برہان میں ہے کہ فرعون اور اس کے بہی خواہ سب خوش ہوئے اور کہنے لگے اس بچہ کی تربیت کرو یہ تمہارا ہم پر احسان ہوگا اور ہم اس کا اچھا بدلہ دیں گے۔ نیز تفسیر قمی سے منقول ہے کہ صندوق سے نکالتے ہی جب فرعون نے شکل دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ بچہ اسرائیلی ہے لیکن بچہ کی محبت پہلے سے ہی دل کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی۔

رکوع ۵۔ اَشُدَّهٗ :۔ تفسیر مجمع البیان میں اس سے مراد ۳۳ برس کی عمر ہے۔ اور وَ اسْتَوٰی سے مراد ۴۰ چالیس برس کی عمر ہے۔

اٰتَیْنَاہُ :۔ مقصد یہ ہے کہ استعدادِ نبوت تو پہلے ہی تھی۔ اور اللہ کے علم میں پہلے سے تھا کہ یہ نبی ہے لیکن اظہارِ نبوت اور اعلانِ رسالت کا حکم اس وقت ہوا جب جوانی اور توانائی کی آخری منزل میں قدم رکھ لیا۔ بنا بریں کسی نبی کا ایک عرصہ کے بعد اعلان کرنا اس کے ابتداءً نبی و رسول ہونے کے منافی نہیں جیسی طرح ایک سند یافتہ انسان کے پاس سند تو موجود ہوتی ہے لیکن ڈیوٹی کچھ عرصہ کے بعد عطا ہوتی ہے اور اس کی مزید وضاحت سورۂ یوسف کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ نبوت وہبی عہدہ ہے نہ کہ کسبی۔ لہٰذا نبی وہ ہوتا ہے جس کو اللہ نبی بنا کر بھیجے۔ کوئی آدمی کتنا ہی نیک کیوں نہ بن جائے نبی نہ بن سکے گا کیونکہ نبی بن کر آتے ہیں آکر نہیں بنتے۔

## فرعون کی ڈاڑھی میں موسیٰ کا ہاتھ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی تربیت فرعون کے شاہی محل میں ہوتی رہی دوسرے اسرائیلی بچوں کے قتلِ عام کے باوجود فرعون حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ کافی انس و پیار اور عزت و اکرام سے پیش آتا تھا۔ ایک دن فرعون کی موجودگی میں حضرت موسیٰ کو چھینک آئی تو فوراً زبان پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا کلمہ جاری فرمایا۔ فرعون یہ سن کر طیش میں آیا اور حضرت موسیٰ کے چہرہ پر ایک طمانچہ مارا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوابی طور پر فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی جو کافی لمبی تھی۔ اور پورے زور سے اسے کھینچا حتیٰ کہ کافی حد تک صفائی ہو گئی۔ فرعون کافی درد کی وجہ سے غصہ سے بھر پور ہو کر آمادۂ قتل ہوا تو جناب آسیہ نے کہا یہ نو عمر لڑکا بچہ ہے اسے شاہی آداب کا کیا پتہ ہے؟ تو نے پہلے طمانچہ مار کر اس کو تکلیف پہنچائی ہے پس اس نے بھی از راہِ بچپنہ جوابی طور پر یہ اقدام کر لیا ہے۔ فرعون نے کہا یہ بے سمجھی نہیں تھی اس نے سوچ سمجھ کر میری ڈاڑھی کو پکڑا تھا آسیہ نے کہا، اچھا پھر آزماتے ہیں۔ ایک طرف کھجوروں کا طشت اور دوسری طرف آگ کے انگاروں کا طشت رکھ کر اس کو درمیان میں بٹھاتے ہیں پھر دیکھیں گے کہ کس طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ چنانچہ جب کھجوروں اور انگاروں کے درمیان موسیٰؑ کو بٹھایا گیا تو موسیٰؑ نے کھجوروں کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حضرت جبریل نے رب جلیل کی جانب سے پیغامِ خصوصی کے ذریعے موسیٰ کا ہاتھ انگاروں کی طرف بڑھا دیا۔ چنانچہ ہاتھ کو تکلیف ہوئی۔ پھر اسی طشت میں سے

ایک انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا ۔ حتیٰ کہ زبان پر ورم آگیا ۔ پس آسیہ کو بات کرنے کا موقع مل گیا ۔ کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ یہ بھولا بھالا بچہ ہے اور اس کو ابھی تک ان باتوں کی خبر نہیں ہے ۔ چنانچہ فرعون نے درگزر کر لیا ۔

بروایت قمی راوی نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ ابتداء میں حضرت موسےٰ علیہ السّلام اپنی ماں سے کتنا عرصہ غائب رہے تو آپ نے فرمایا تین دن ۔ الحدیث ۔

## قبطی کا قتل

وَدَخَلَ الْمَدِیْنَۃَ ۔ تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جب عالم شباب میں قدم رکھا تو موضوع توحید پر وقتاً فوقتاً جب گفتگو ہوتی تو فرعون کو موسیٰ کے نظریہ سے اختلاف ہوتا تھا اور وہ دل ہی دل میں کڑھن سی محسوس کرتا تھا حتیٰ کہ اس نے پھر ایک دفعہ موسیٰ کے قتل کی تجویز ٹھان لی ۔ پس موسیٰ علیہ السّلام وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور اس شہر میں داخل ہوئے جس کا آیت مجیدہ میں ذکر ہے ۔ اور ابن بابویہ سے نقل شدہ سابقہ روایت کے مطابق جب حضرت موسیٰ کی ماں اور دایہ کا انتقال ہوگیا تو چونکہ بنی اسرائیل فرعونی مظالم سے تنگ آکر اقتدار میں انقلاب کے خواہش مند تو تھے ہی لیکن سابق پیشین گوئیوں کے ماتحت موسیٰ بن عمران کی آمد کے منتظر تھے پس ایک دوسرے سے اس بارے میں تبادلۂ خیالات کرتے تھے لیکن ان کو کہیں سراغ نہیں ملتا تھا ۔ اور فرعون کے کانوں تک جب ان کی باتیں پہنچتیں تو وہ آگ بگولا ہو کر زیادہ سے زیادہ ان پر سختی کے احکام جاری کر دیتا تھا ۔ حتیٰ کہ ان پر زبان بندی کے احکام نافذ کر دیے گئے کہ کوئی بھی موسیٰ کا نام تک نہ لے ۔

ایک دفعہ چاندنی رات میں بنی اسرائیل کے ارباب حل وعقد کا اپنے ایک سن رسیدہ وجہاں دیدہ بزرگ کے ہاں اجتماع ہوا ۔ پس فرعونی مظالم کے رُوح فرسا و ہوش ربا واقعات دُہرائے جاتے رہے ۔ اور ان سے بچنے کی کوئی معقول تجویز و تدبیر کسی کی سمجھ میں نہ آسکی تو اپنے بزرگ سے کہنے لگے کہ ہم موسیٰ کی آمد کی خبریں سُنتے ہیں تو دل کچھ بہل جاتا ہے ۔ اور مصائب کی انتہا کی آس لگ جاتی ہے لیکن یہ خبریں کب تک اور کہاں تک سننے میں آتی رہیں گی ۔ جب کہ مظالم و مصائب کی چکی ہمیں پیستی چلی جا رہی ہے تو اس بزرگ نے جواب دیا کہ یہ مصائب اس وقت تک رہیں گے جب تک خدا لاوی بن یعقوب کی اولاد سے موسیٰ بن عمران نامی شخص کو نہ بھیجے گا ۔ وہ لمبی قد کا جوان ہوگا ۔ اور اس کے بال گھنگرالے ہوں گے وغیرہ ۔ اور ابھی تک وہ حضرت موسیٰ کی صفات کو بیان کر ہی رہا تھا کہ ادھر سے ایک خچر پر سوار حضرت موسیٰ کا وہیں سے گزر ہوا ۔ اس بزرگ نے سر اُٹھا کر دیکھا تو علائم سے پہچان تو لیا لیکن مزید تسلّی کے لئے دریافت کیا کہ آپ کا نام کیا ہے ؟ آپ نے جواب دیا کہ میں موسیٰ بن عمران ہوں ۔ پس اس بزرگ نے اٹھ کر آپ کے ہاتھ چوم لئے اور باقی بنی اسرائیل آپ کے قدموں پر گر گئے اور قدموں کا بوسہ لیتے رہے ۔ پس انہوں نے آپ کو پہچان لیا اور آپ نے ان کو پہچان لیا ۔ اور آپ نے ان کو اپنا شیعہ قرار دے دیا ۔ گویا بنی اسرائیل کے اس خفیہ اجلاس میں ارباب حل وعقد کی طرف سے حضرت موسیٰ کو فرعون کا تختۂ اقتدار اُلٹنے کے لئے انقلابی تحریک کا قائد تسلیم کر لیا گیا ۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ جوان ہوئے تو فرعون کے خواص میں داخل تھے۔ اور جدھر وہ جاتا تھا آپ بھی اس کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ ایک دن فرعون سیر کے لئے باہر جا رہا تھا تو حضرت موسیٰ کو دیر سے اطلاع ہوئی پس

عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ

جبکہ اس کے باشندے غافل تھے پس دیکھا کہ اس میں دو آدمی آپس میں لڑ رہے تھے۔ ایک

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ

اس کے شیعوں میں سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا پس مدد کے لئے بلایا اس

مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى

نے جو اس کے شیعوں میں سے تھا اپنے دشمنوں کے خلاف تو مکا رسید کیا اس کو موسیٰ نے

عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

پس مار دیا اس کو۔ کہنے لگے یہ شیطانی عمل سے تھا تحقیق وہ ظاہر بظاہر گمراہ کن دشمن ہے

اس کے پیچھے آپ بھی روانہ ہوئے تو اس شہر میں داخل ہوئے جس کا آیت میں ذکر ہے۔ اس میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ شہر مصر تھا اور دوسرا یہ کہ مصر سے کافی دُور فاصلے پر تھا اور تیسرا قول یہ کہ مصر سے دو فرسخ یعنی چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔

عَلٰى غَفْلَةٍ۔ جس وقت حضرت موسیٰ شہر میں داخل ہوئے وہ شہر والوں کی غفلت کا وقت تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ دوپہر کا وقت تھا اور لوگ سو رہے تھے۔

دوسرا قول ہے کہ مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت تھا۔

تیسرا قول ہے کہ عید کا دن تھا اور لوگ اپنے لہو و لعب میں مشغول تھے۔ اور غفلت کے وقت میں وہاں جانے کی وجہ میں بھی اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں چونکہ آپ فرعونی لشکر کی تلاش میں چلتے چلتے کافی تھک چکے تھے۔ لہٰذا خود اس شہر میں آرام کی غرض سے داخل ہوئے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ساتھ موسیٰ کی ساز باز کا علم قبطیوں کو بھی ہو گیا تھا۔ اور اس شہر میں چونکہ بنی اسرائیل کی آبادی کافی تھی، پس بنی اسرائیل سے ملنے کے لئے تشریف لائے اور قبطی لوگوں سے خفیہ ملاقات کرنے کی غرض سے غفلت کے وقت میں داخل شہر ہوئے تھے۔ اور تیسرا قول یہ بھی ہے کہ چونکہ مسئلہ توحید میں فرعون کے ساتھ نظریاتی اختلاف پیدا ہو چکا تھا اور فرعون نے آپ کے قتل کی تجویز دل میں ٹھان لی تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ فرعون کے دارالسلطنت سے دُور دُور دیہاتوں میں بسر اوقات کرتے تھے۔ اور اب چونکہ بنی اسرائیل سے ملنے کے لئے شہر میں داخل ہوتے تھے۔ لہٰذا فرعون کے خوف سے غفلت کا وقت سمجھ کر داخل شہر ہوئے

تاکہ جماعت کا اجلاس طلب کر کے ملکی سیاسی حالات پر تبصرہ کرنے کے بعد کسی اہم انقلابی اقدام کی تجویز پر غور کیا جا سکے۔

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ۔ شہر میں داخل ہوتے ہی آپ نے دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مذہب اور دین کے متعلق جھگڑا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ دنیاوی جھگڑا تھا بہرصورت اسرائیلی مسلمان تھا۔ اور قبطی کافر تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ قبطی شخص اسرائیلی مسلمان کو بیگار کے طور پر فرعونی مطبخ کی ضرورت کے لئے ایندھن اٹھا کر لے جانے پر مجبور کرتا تھا۔ اور اسرائیلی اس کی اطاعت پر تیار نہ تھا۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا "تم کو یہ نام مبارک ہو۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے پوچھا کون سا نام؟ تو آپ نے فرمایا "شیعہ" دیکھو قرآن مجید میں اللہ فرماتا ہے کہ موسیٰ سے طلب نصرت اُس شخص نے کی جو اُس کا شیعہ تھا اس کے خلاف جو اُس کا دشمن تھا۔

فَوَكَزَهٗ۔ وکز کا معنی ہے مکا مارنا۔ اسی طرح نکز اور لھز بھی اس کے مترادف ہیں۔

مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔

ان میں سے دوسری توجیہ اُصولِ مذہب شیعہ کے مطابق ہے کہ انّہ میں ضمیر غائب کا مرجع قبطی کو قرار دیا جائے کہ قبطی کو مُکا مار کر ختم کر دینے کے بعد آپ نے فرمایا قبطی کا مسلمان اسرائیلی سے جھگڑا کرنا شیطانی عمل تھا۔ لہٰذا اس کی سزا یہی تھی جو اُس کو دی گئی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت موسیٰ کا فعل شیطانی فعل تھا ورنہ عصمتِ انبیاء ختم ہو جائے گی۔ بعد میں فرمایا کہ شیطان تو ہے ہی انسان کا کھلا ہوا دشمن۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کو حضرت موسیٰ نے قتل کیا تھا دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو وہ جائز تھا اور یا ناجائز تھا۔ اگر ناجائز تھا تو یہ شانِ نبوت کے منافی ہے کیونکہ کسی نبی سے اعلانِ نبوت سے پہلے یا بعد میں گناہ کا سرزد ہونا عصمت کے منافی ہے۔ اور اگر یہ قتل جائز تھا تو اگلی آیت میں حضرت موسیٰ کا استغفار کرنا اور پشیمان ہونا خالی از فائدہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قتل جائز تھا۔ اور ایک مومن کو کافر سے چھڑانے کے لئے حضرت موسیٰ نے یہ قدم اُٹھایا تھا ورنہ درحقیقت مارنا مقصود نہ تھا۔ اسی طرح اپنی ذات کے لئے دفاع کے طور پر انسان کوئی ایسا فعل کرے جس سے کوئی جانی نقصان ہو جائے تو حرام نہیں ہوتا لیکن جو غیر ارادی طور پر نقصان ہو جاتا ہے اس کے لئے پچھتانا بھی عین فطرت ہے۔ اور اس وقت کے سیاسی حالات کے تحت قبطی کا قتل قبل از وقت تھا

ظَلَمْتُ نَفْسِيْ۔ اس جگہ ظلم خسارے اور گھاٹے کے معنی میں ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تفسیر کی جلد ۲ ص ۱۹ اور ۲۰ میں گزر چکا ہے۔ سید علم الہدیٰ اعلی اللہ مقامہ نے اس کی دو توجیہیں کی ہیں ا۔ یہ اللہ کی طرف انقطاع اور خشوع کے طور پر مناجاتی فقرہ ہے کہ تیری نعمتوں کا جو میرے اوپر حق واجب ہے

ہیں اس کو ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ اور اس لحاظ سے میں نے اپنے نفس کو گھاٹے میں ڈالا ہوا ہے پس تو میری کوتاہی سے درگزر فرما۔ ۲۔ قبطی کا قتل جو ایک ترکِ اولیٰ تھا جو موسیٰؑ سے غیر ارادی طور پر سرزد ہوا تھا۔ اگر وہ اس وقت قتل نہ ہوتا تو اس میں زیادہ بہتری ہوتی پس اسی قبل از وقت قتل کی وجہ سے حضرت موسیٰ کو جلاوطن ہونا پڑا اور انقلابی تحریک کامیاب نہ ہو سکی جس کا حضرت موسیٰؑ کو کافی افسوس ہوا جس کا آپ اظہار فرما رہے ہیں۔

یَتَرَقَّبُ۔ یعنی دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السّلام کل والے قتل کی خبروں کے انتظار میں تھے کہ میرے متعلق کیا نظریہ قائم ہوتا ہے؟

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ

کہا اے رب تحقیق میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر پس معاف کر مجھے تو اللہ نے معاف کر دیا تحقیق وہ بخشنے

هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ

والا رحم کرنے والا ہے کہا اے رب میرے اوپر تیری نعمت کا حق یہ ہے کہ میں ہرگز نہ

اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ

ہوں گا مددگار مجرم لوگوں کا پس صبح کی شہر میں ڈرتے ہوئے (کہ کل کے قتل کے نتیجہ کی) انتظار کر

فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ

رہے تھے۔ دیکھا کہ وہی جس نے کل مدد کے لئے بلایا تھا پھر آپ سے فریاد کر رہا ہے تو اس کو موسیٰ نے فرمایا تحقیق تو

فَاِذَا الَّذِیْ ۔ چونکہ فرعون اور مومنین کے درمیان نظریہ توحید پر اختلاف جاری تھا حضرت موسیٰ جب شہر میں داخل ہوئے تو دو آدمیوں کو جھگڑتے دیکھا۔ ان میں سے ایک حضرت موسیٰ کے نظریہ کو اپناتا تھا۔ اور دوسرا فرعون کے ہم خیال تھا۔ پس آپ کے ہاتھوں فرعونی کی موت واقع ہو گئی تو دوسرے دن اس قتل کے انجام کی فکر میں ہی تھے کہ اس جیسا دوسرا واقعہ پیش آیا کہ اسی مومن کے ساتھ ایک دوسرا فرعونی جھگڑا کر رہا تھا پس اس نے آج بھی حضرت موسیٰ سے مدد کی خواہش کی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تو تو ایک غلط کار اور فسادی قسم کا آدمی ہے یہاں غوایت سے مراد دینی گمراہی نہیں بلکہ تمدنی غلط کاری مراد ہے پس قبطی کا قتل ایک لمبے عرصے تک تحریکِ آزادی میں التوا کا باعث بن گیا۔

اَنْ اَرَادَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ پہلے قبطی کے قتل کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنی قوم میں پوشیدہ ہو گئے اور فرعون کو رپورٹ دی گئی کہ ایک اسرائیلی نے شاہی خاندان کے ایک فرد قبطی کو قتل کر دیا ہے۔ فرعون نے پوچھا وہ کون تھا تو چونکہ شناخت کوئی نہ کر سکا تھا اس لئے قتل کا کیس ایک معمہ بنا ہوا تھا اور پولیس قاتل کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی

لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ⑱ فَلَمَّآ أَنْ أَرَادَ أَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ

بالکل غلط کار ہے پس جب اس کی گرفت کا ارادہ کیا جو دشمن تھا دونوں کا کہنے لگا

عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يٰمُوسٰىٓ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ

اے موسیٰ کیا تو مجھے بھی مارنا چاہتا ہے جس طرح کل تو نے ایک آدمی کو مار دیا تو نہیں چاہتا

نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِنْ تُرِيدُ إِلَّآ أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ

مگر یہ کہ تو سرکش ہو زمین میں اور

وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ⑲ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ

تو نہیں چاہتا کہ تیرا شمار اصلاح کرنے والوں میں ہو اور ایک شخص آیا شہر کے

أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوسٰىٓ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ

پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا کہنے لگا اے موسیٰ تحقیق حکومتی کارندے تیرے متعلق قتل کی تجویز کر

لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النّٰصِحِينَ ⑳ فَخَرَجَ مِنْهَا

رہے ہیں پس تو نکل جا تحقیق میں تیرے خیرخواہوں میں سے ہوں تو نکلے (موسیٰ) اس شہر سے

خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ㉑

تعاقب کا خوف کرتے ہوئے (اس وقت) یہ کہہ رہے تھے اے رب مجھے ظالم لوگوں سے نجات دلا

لیکن کہیں سے کوئی سراغ نہیں ملتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام صبح کو اُٹھے تو ان کے دل میں کھٹکا تھا کہ کہیں میرے خلاف رپورٹ درج نہ ہوچکی ہو پس اِدھر اُدھر کان لگا کر خبریں سُن رہے تھے جوں ہی گلی میں قدم رکھا تو پھر سابق جیسا معاملہ پیش آیا اس معاملہ میں ہاتھ بڑھانا نہ چاہتے تھے لیکن مومن کی کمزوری پر ترس کھا کر اس کی فریادرسی سے کوتاہی کرنا بھی ان کے ضمیر کی آواز کے خلاف تھا۔ لہٰذا پھر مومن کی نصرت کے لئے آگے بڑھ کر قبطی پر سختی کا ارادہ کیا تو قبطی فوراً یہ محسوس کر گیا کہ کل والے قتل کا ملزم بھی یہی شخص ہے چنانچہ اس نے کہہ دیا کہ کل کا قتل بھی تو نے ہی کیا ہے اور آج دوسرے قتل کا مرتکب ہونا چاہتا ہے۔ اور حضرت موسیٰ کی خاموشی سے اس کو مزید یقین ہو گیا۔ چنانچہ اسرائیلی اپنے مقابل کو چھوڑ کر فوراً عملۂ تفتیش کے پاس پہنچا اور حضرت موسیٰ کے خلاف رپورٹ درج کرا دی اور فوراً ہی آپ کی گرفتاری کا آرڈر جاری ہو گیا۔ اور پولیس کا خاص دستہ حضرت موسیٰ کی تلاش کے لئے روانہ کر دیا گیا۔

دَجَاءَ رَجُلٌ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مومن آلِ فرعون جس کا نام حزقیل تھا اور فرعون کا چچا زاد تھا ۔ اور بعضوں نے شمعون بھی بتایا ہے ۔ اتفاق سے یہ اُس وقت موجود تھا جب اُس کو موسیٰ کی گرفتاری کے حکم کا پتہ چلا تو خفیہ اور چھوٹے راستے سے دوڑتے ہوئے حضرت موسیٰ کے پاس پہنچا اور اطلاع دی کہ آپ کی گرفتاری کے لئے شاہی پولیس کے سپاہی روانہ ہو چکے ہیں لہٰذا آپ جلدی سے کہیں نکل جائیں ۔ پس آپ وہاں سے نکلے اور جنگل کی طرف منہ کر لیا نہ زادِ راہ نہ سواری ۔ حتیٰ کہ پاؤں میں جوتا بھی نہ تھا بہرکیف پولیس کی تگ و دو ناکام رہی اور آپ فرعونیوں کی گرفت میں نہ آسکے ۔ راستے میں درختوں کے پتے اور گھاس کھا کھا گزارہ کرتے رہے ۔ اور آخرکار مدین کی سرزمین میں آپہنچے ۔ جہاں حضرت شعیبؑ آباد تھے

## حضرت موسیٰؑ کی شعیبؑ سے ملاقات

رکوع ۶ ۔ وَلَمَّا تَوَجَّهَ ۔ یعنی حضرت موسیٰ جس رُخ اور جس راہ پر چل رہے تھے وہ سیدھا مدین کو جاتا تھا ۔ اور آپ اللہ سے پُرامید تھے کہ مجھے وہ سیدھے راہ کی خود ہی ہدایت فرمائے گا ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک جگہ آپ

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي

اور جب متوجہ ہوئے مدین کی طرف تو کہنے لگے شاید میرا رب مجھے سیدھے راستے کی ہدایت

سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٢٢﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً

فرمائے گا ۔ اور جب پہنچا مدین کے کنوئیں پر تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ

مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ

جو چوپاؤں کو سیراب کر رہے ہیں ۔ اور دیکھا ان کے علاوہ دو عورتوں کو جو روکے ہوئے تھیں اپنے

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ

مویشیوں کو ۔ کہا تمہارا کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگیں ہم نہیں ان کو سیراب کر سکتیں جب تک چرواہے نہ چلے جائیں اور ہمارا باپ بوڑھا

چوراہے پر پہنچے تو یہ کلمہ زبان پر جاری فرما کر ایک راستہ پر چل دیئے ۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ بشکل انسان گھوڑے پر سوار ہو کر پہنچا جس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا بھی تھا ۔ اور حضرت موسیٰؑ اس کی معیت میں مدین پہنچے بہرکیف طے منازل کے بعد آپ تھکے ماندے مدین کی سرزمین میں شہر سے باہر ایک کنوئیں پر پہنچے ۔ اور وہاں قریب ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مصر سے مدین کا فاصلہ آٹھ دن کی مسافت تھی گویا بصرہ اور کوفہ کے درمیانی فاصلہ کے برابر تھا ۔

آپ نے وہاں دیکھا کہ تمام چرواہے اپنے مال مویشی کنوئیں سے سیراب کر رہے ہیں اور دو پردہ دار عورتیں اپنے مویشیوں کو الگ روکے کھڑی ہیں۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم اپنے مویشیوں کو الگ کیوں روکے ہوئے ہو تو انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ ہم مردوں کے دائرہ میں داخل ہو کر کنوئیں سے پانی نہیں بھر سکتیں اور نہ اپنے مال کو ان کے مال کے ساتھ مخلوط کرنا مناسب سمجھتی ہیں۔ پس جب یہ سب لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں گے تو ہم اپنے مال کو سیراب کر لیں گی۔ اب چونکہ یہاں سوال کی گنجائش تھی کہ جوان سال لڑکیوں کو گھر والوں نے بھیجا کیوں ہے؟ تو اس کا جواب انہوں نے پہلے سے ہی دے دیا کہ ہمارا باپ ضعیف العمر آدمی ہے وہ خود یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔ اس لئے ہم اس کو اپنا فریضہ سمجھ کر یہاں آئی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ قوی ہیکل اور طاقتور نوجوان تھے۔ آپ نے تھکان اور کوفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ سے ڈول لے لیا۔ اور مجمع میں گھس کر کنوئیں سے پانی بھرنا شروع کر دیا۔ اور لڑکیوں سے کہا کہ تم پہلے آجاؤ اور اپنا مال سیراب کر لو اور گھر پلٹ جاؤ۔ کیونکہ اتنے مردوں میں دو عورتوں کا کھڑا ہونا معیوب ہے چنانچہ انہوں نے خوشی خوشی اپنے مویشیوں کو سیراب کر لیا اور سویرے سویرے واپس پلٹ گئیں۔ پس حضرت موسیٰؑ پھر درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي

بزرگ ہے پس (موسیٰ نے) سیراب کیا ان کے (چوپاؤں کو) پھر سائے کی طرف پلٹ گئے تو کہا اے رب میں اس

لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي

کا جو تو میرے اوپر خیر نازل فرمائے محتاج ہوں پس ان دونوں میں سے ایک واپس آئی جو چلنے میں

عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا

دامن شرم و حیا کو تھامے ہوئے تھی کہنے لگی تحقیق میرا باپ تجھے بلاتا ہے تاکہ تجھے اس کی اجرت دے جو تو نے

سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ

(ہمارے مویشیوں کو) سیراب کیا ہے پس جب پہنچے اور اپنا قصہ بیان کیا تو (شعیبؑ نے) کہا ڈرو مت

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے کنوئیں کے کنارے پر اژدہام کو اپنے زور بازو سے دھکیل کر ہٹایا اور خود آگے بڑھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کنوئیں کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا تھا جس کو دس آدمی مل کر اٹھا سکتے تھے۔ آپ نے اس کو تنہا دور کیا اور پھر اس سے ڈول لیا جس کو دس آدمی کھینچ سکتے تھے آپ نے پورا بھر کر اسے تنہا کھینچ لیا اور وہی ایک ڈول ان لڑکیوں کی تمام دنبیوں کے لئے کافی ہو گیا۔ اور یہ

حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں تھیں۔

نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ

بچ گئے ہو ظالم لوگوں سے ان دو میں سے ایک نے کہا اے ابا جان

اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ

اس کو اپنا مزدور بنالو تحقیق بہترین مزدور وہ ہے جو طاقتور اور امین ہو اور اس میں دونوں وصفیں موجود

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ

ہیں کہا میں چاہتا ہوں کہ تجھے نکاح میں دوں ان دو میں سے ایک اپنی لڑکی اس شرط پر کہ تو میری مزدوری کرے

ثَمٰنِیَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ

آٹھ سال پس اگر دس برس پورے کروگے تو وہ تمہاری طرف سے (مہربانی ہوگی) اور میں تیرے اوپر مشقت نہیں ڈالنا

اَشُقَّ عَلَیْكَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ

چاہتا امید ہے آپ مجھے اچھے لوگوں سے پائیں گے ان شاء اللہ! کہا موسیٰ نے یہ بات میرے آپ کے

بَیْنَكَ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾

درمیان (پکی ہے) جو مدت میں پوری کرونگا میرے اوپر زیادتی نہ ہوگی اور اللہ ہمارے قول و قرار پر گواہ ہے

رَبِّ اِنِّیْ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس دعا میں حضرت موسٰی نے اللہ سے روٹی کا ہی سوال کیا تھا کیونکہ جنگلی گھاس پتے کھا کھا کر نہایت کمزور ہو چکے تھے۔ جسم کا گوشت ختم ہو چکا تھا اور جو سبزی کھاتے تھے وہ باہر سے نظر آتی تھی بہرکیف جب حضرت شعیبؑ کی لڑکیاں جلد فارغ ہو کر قبل از وقت واپس گھر پہنچیں تو باپ نے ان سے جلدی واپس آجانے کی وجہ پوچھی تو ان دونوں نے حضرت موسےٰ کے ساتھ بیتا ہوا ماجرا سنایا تو آپ نے حکم دیا کہ ایک واپس چلی جاؤ۔ اور اس کو گھر میں بلا لاؤ۔ چنانچہ ان میں سے ایک شاہزادی واپس آئی۔

تَمْشِیْ :۔ یعنی دختر شعیب حیا و شرم کی رفتار چلتی ہوئی اور اپنے منہ پر آستین کا پردہ کئے ہوئے واپس آئی۔

لِیَجْزِیَكَ ۔ جب لڑکی نے حضرت موسٰی کو پانی پلانے کی اُجرت دینے کی غرض سے گھر آنے کی دعوت دی تو آپ کو یہ بات پسند نہ آئی ایک دفعہ خیال کیا کہ نہ جاؤں لیکن پھر سوچا کہ اس زمین میں درندے بہت زیادہ ہیں۔ اور آبادی سے دُور رہنا ویسے بھی ناموزوں سی بات ہے۔ اس جگہ رات بے چینی سے بسر کرنی پڑے گی۔ لہذا

دعوت کو قبول کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہ دیکھا ۔ پس اس کے ہمراہ روانہ ہوئے پہلے تو لڑکی آگے چل رہی تھی لیکن حضرت موسٰے نے اُسے پیچھے چلنے کی ہدایت فرمائی کہ ہم عورتوں پر نظر کرنا مناسب نہیں سمجھتے ۔ پس وہ پیچھے تھی اور کنکرہ آگے پھینک کر راستے کا اشارہ کرتی تھی یا بعض اوقات زبان سے راستہ بتا دیتی تھی ۔ القصہ حضرت موسٰی حضرت شعیب کے پاس عین اُس وقت پہنچے جب کہ وہ عشاء کا کھانا کھانے کے لئے تیار تھے ۔ پس انہوں نے حضرت موسٰی کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے انکار کیا ۔ حضرت شعیبؑ نے پوچھا کیا آپ کو بھوک نہیں ہے ؟ حضرت موسٰی نے جواب دیا کہ مجھے کھانے کی طلب تو ہے لیکن اس بات سے گھبراتا ہوں کہ مجھے اس کارِ خیر کا بدلہ نہ دیا جا رہا ہو جو میں نے کیا ہے ۔ کیونکہ ہم جو کام رضائے پروردگار کے لئے کرتے ہیں اس پر مزدوری نہیں لیا کرتے ۔ حضرت شعیب نے جواب دیا کہ یہ مزدوری نہیں بلکہ مہمان نوازی میرا آبائی طریقہ ہے ۔ پس موسٰے علیہ السلام نے حضرت شعیب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا ۔ اور اپنی سرگزشت بھی سنائی ۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا آپ بے فکر رہیں ہمارا علاقہ فرعونی سلطنت کی حدود سے باہر ہے ۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا ۔ حضرت شعیبؑ کی دو لڑکیاں تھیں ۔ بڑی صفورا اور چھوٹی لیّا تھی ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بڑی کا نام صفرا اور چھوٹی کا نام صفیرا تھا ۔ بہرکیف بڑی لڑکی موسٰے کو بلا کر لائی تھی ۔ اور روایت میں ہے کہ چھوٹی لڑکی نے باپ کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ ہمیں گھریلو کاروبار اور بالخصوص مویشیوں کو چرانے کے لئے ایک مزدور کی ضرورت تو ہے ہی کیونکہ آپ بزرگ اور بوڑھے ہیں ۔ اور یہ کام نہیں کر سکتے ۔ اور ہم پردہ داروں کے لئے مال چرانا اور جنگلوں میں سارا دن پھرنا مناسب نہیں ۔ پس بہتر یہ ہے کہ اس کو آپ مزدور رکھ لیں ، اور کسی اچھے مزدور میں جو وصفیں دیکھی جاتی ہیں وہ یہ کہ جسمانی لحاظ سے طاقتور ہو تاکہ کام کو اچھی طرح انجام دے سکتا ہو اور دوسرا یہ کہ وہ امین و دیانتدار ہو ۔ اور اس شخص میں وہ دونوں وصفیں پائی جاتی ہیں ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ لڑکی کی اس درخواست اور وضاحت کے بعد حضرت شعیبؑ نے دریافت کیا کہ اس کی ان دو وصفوں کا تجھے کس طرح پتہ ہے تو اُس نے بتایا کہ کنوئیں کے منہ سے پتھر کو ہٹانا یا اکیلے پانی کا ڈول کھینچنا جو دس دس آدمیوں کے بغیر ناممکن کام تھے ۔ اُس کی توانائی اور قوت کی دلیل ہے ۔ اور اس کا ہماری خدمت کے باوجود ہماری طرف نگاہ نہ اٹھانا اور گھر کی طرف آتے ہوئے میرے آگے چلنے کو گوارا نہ کرنا اس کی دیانت و امانت کی دلیل ہے ۔ حضرت شعیب علیہ السّلام کو لڑکی کا بیان پسند آیا اور حضرت موسٰےؑ کو اپنے ہاں رکھنے کی تجویز کو منظور فرمایا ۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ حضرت شعیب علیہ السّلام محبتِ خدا میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تو اللہ نے دوبارہ بینائی عطا فرمائی ۔ پھر اس قدر روئے کہ نابینا ہو گئے پھر اللہ نے بینا کر دیا حتی کہ جب چوتھی بار آنکھوں کی بصارت کثرتِ گریہ کی وجہ سے کھو بیٹھے تو ارشادِ قدرت

ہوا۔ اے شعیب! کہاں تک روتے رہوگے؟ اگر دوزخ کا ڈر ہے تو میں نے تجھے اس سے امان دے دی ہے۔ اور اگر جنّت کی شوق ہے تو اس کا تیرے ساتھ میرا وعدہ ہے۔ عرض کی اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ میں دوزخ کے ڈر یا جنّت کے لالچ میں گریہ نہیں کرتا بلکہ تیری محبّت اس قدر میرے دل میں راسخ ہے کہ ہر وقت تیری یاد میں روتا ہوں بس اللہ نے وحی کی کہ اگر تو اس قدر میری محبت میں رو کر آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھتا ہے تو اب میں اپنے کلیم موسٰی بن عمران کو تیری خدمت کے لئے بھیجوں گا۔

حضرت شعیب علیہ السّلام نے حضرت موسٰی علیہ السّلام کو اپنے ہاں مزدور رہنے کی پیش کش کی۔ اور وہ اس طرح کہ اپنی لڑکی کا حضرت موسٰیؑ سے عقد کر دیا اور یہ شرط رکھ لی کہ آٹھ سال آپ میرے پاس مزدور رہیں گے اور اگر دس سال پورے کر دیں تو یہ مزید مہربانی ہوگی اور حضرت موسٰےؑ نے شرط کو قبول کر کے شادی کر لی اور وہاں رہائش پذیر ہو گئے تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابوذر حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تم سے کوئی سوال کرے کہ موسٰی نے کون سی مدّت پوری کی تھی تو اس کو جواب دو کہ دونوں میں سے وہ جو زیادہ وفا شعاری اور بھلائی و خوبی کا پتہ دیتی ہے۔ یعنی دس سال اور اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ حضرت شعیبؑ کی کون سی لڑکی کے ساتھ حضرت موسٰی نے نکاح کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ چھوٹی لڑکی کے ساتھ عقد ہوا۔ بعض لوگ بڑی لڑکی کے ساتھ حضرت موسٰی کا نکاح بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بہرکیف قرآن مجید کے اس بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس طرح کا نکاح ہو سکتا ہے کیونکہ موسٰی علیہ السّلام کی مزدوری بطورِ حق مہر کے تھی جس طرح روایاتِ اہل بیتؑ میں صراحت سے مذکور ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت صفوان بن یحیٰی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے آپ سے پوچھا گیا کہ حضرت شعیبؑ کی کون سی لڑکی موسٰے کو بلانے آئی تھی؟ تو آپ نے فرمایا یہ وہی تھی جس کے ساتھ بعد میں شادی ہوئی۔ سائل نے پوچھا کہ شرط کی مدّت کے پورا ہونے کے بعد ہمبستری ہوئی یا پہلے؟ تو آپ نے فرمایا کہ پہلے، تو سائل نے پوچھا کہ لڑکی کے باپ کے ساتھ دو ماہ کی مثلاً مزدوری کی شرط رکھ کر شادی کی جا سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت موسٰے کو علم دیا گیا تھا کہ وہ اس شرط کو پورا کر لیں گے اور جانتے تھے کہ اس مدّت تک زندہ رہیں گے۔

شیخ ابوالحسن شعرانی نے تفسیر مجمع البیان کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ مذہب شیعہ میں آزاد انسان اگر اپنی مزدوری و منفعت کو عورت کا حق مہر قرار دے دے تو جائز ہے اور ظاہر آیت اس پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسٰے علیہ السّلام کا کام نکاح کے بدلہ میں تھا اور نکاح کا بدلہ حق مہر ہوا کرتا ہے لیکن اس بات پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حق مہر کی مالک عورت ہوتی ہے نہ کہ عورت کا باپ اور حضرت موسٰی علیہ السّلام کا عمل لڑکی کے باپ حضرت شعیب کے لئے تھا نہ کہ لڑکی کے لئے۔ تو اس کا جواب شعرانی نے کئی طریقوں سے دیا ہے۔ ۱۔ ممکن ہے بنی اسرائیل کی شریعت میں

لڑکی کا حق مہر لڑکی کے باپ کی ملکیت متصوّر ہوتا ہو (۲) ممکن ہے وہ دنبیاں اور مویشی حضرت شعیب کی اسی لڑکی کی ملکیت میں ہوں۔ اور حضرت شعیبؑ نکاح کو حق مہر میں بطور ولی شرعی کے بات کر رہے ہوں ۳۔ ممکن ہے لڑکی نے اپنے حق مہر کا مالک اپنے باپ کو قرار دے دیا ہو۔ بہرکیف قرآن مجید کا صاف اور واضح بیان اس طرح کے حق مہر کو جائز قرار دیتا ہے اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت شعیب نے اپنی لڑکی کا نکاح حضرت موسٰی سے الگ حق مہر مقرر کر کے کیا تھا اور اس رشتہ پر حضرت موسٰی سے اپنے ہاں آٹھ سال تک مزدور رہنے کی شرط مقرر کر لی تھی اور موسٰی سے اس کا عہد لے لیا تھا۔ اور اس آٹھ سالہ مزدوری کے لئے اُجرت الگ مقرر تھی جو حضرت موسٰی کو دی گئی یہ توجیہ بظاہر اچھی ہے لیکن ظاہر قرآن کے خلاف ہے اور اقوال اہل بیت میں اس کی تائید نہیں ملتی۔

## حضرت موسٰیؑ کی مدین سے واپسی

رکوع ۷۔ فَلَمَّا قَضٰی۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السّلام مقررہ مدت کے علاوہ دس برس اور بھی حضرت شعیب کے ہاں ٹھہرے رہے پس پورے بیس برس کے بعد واپس جانے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت شعیب نے بخوشی ان کو رخصت فرمایا

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

پس جب پورا کیا موسٰی نے مدّت کو اور چلے اپنی اہلیہ کے ساتھ تو دیکھی طُور کے پہلو سے

نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ

آگ، اپنی اہلیہ کو فرمایا تم ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے اُمید ہے کہ لاؤں میں

## عصائے موسٰیؑ

تفسیر مجمع البیان میں ہے اس کے متعلق چند اقوال درج ہیں۔ ۱۔ جب حضرت شعیبؑ نے حضرت موسٰی کی اپنی لڑکی سے شادی کی تھی تو یہ عصا ان کو دیا تھا تاکہ دنبیوں کی درندوں سے حفاظت کر سکیں۔ ۲۔ یہ عصا حضرت آدمؑ جنّت سے اپنے ہمراہ لائے تھے اور ان کی موت کے بعد جبرئیل نے اُسے اٹھا لیا تھا اور حضرت موسٰیؑ کو رات کے وقت جانی حفاظت کے لئے دیا تھا۔ ۳۔ یہ عصا نبیوں کی یکے بعد دیگرے وراثت میں چلا آرہا تھا اور شعیب نے حضرت موسٰی کو دیا تھا۔ ۴۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ عصا جنّت کی لکڑی سے تھا اور مدین کی طرف آتے ہوئے حضرت جبرئیل نے موسٰی کو لا کر دیا تھا۔ ۵۔ یہ عصا ایک فرشتہ نے (بشکل انسانی) حضرت شعیبؑ کے حوالہ کیا تھا اور آپ نے اپنی لڑکی کو موسٰی کے لئے ایک عصا اٹھا لانے کو کہا تو ان کا ہاتھ اسی عصا پر پڑا۔ متعدد مرتبہ اس کو تبدیل کرنے کو کہا لیکن بار بار اسی پر ہاتھ پڑتا رہا تو آخر کار وہی موسٰی کو دے دیا۔ سورۂ اعراف کی تفسیر میں اس کے متعلق بیان گزر چکا ہے۔ بہرکیف حضرت موسٰی اپنی اہلیہ اور دنبیوں کو لے کر شام

کے حکمرانوں کے خطرہ سے غیر معروف راستے پر روانہ ہوئے۔ سردی کا موسم تھا اور سرد علاقہ تھا۔ اس رات سردی زوروں کی پڑ رہی تھی۔ اور رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں آپ اصلی راستے سے بھی کہیں دُور ہٹ گئے تھے، پس کوہِ طور کے دامن میں آ پہنچے تو اسی اثناء میں اہلیہ کو دردِ زہ کی تکلیف بھی عارض ہو گئی۔ خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ ایک طرف سرد ہوا چل پڑی اور تھوڑی تھوڑی بارش بھی شروع ہو گئی۔ اس اثناء میں مویشیوں کا ریوڑ بھی منتشر ہو گیا۔ حضرت موسیٰ تنہا تھے۔ کوئی پاس مونس و غم خوار نہ تھا۔ اور ایسے کڑے اور سخت اوقات میں عام انسانوں کا ہوش ٹھکانے نہیں رہتا۔ یہ موسیٰ جیسے کلیم اللہ کا حوصلہ اور صبر و ضبط تھا کہ دامنِ توکل و رضا کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

اسی اثناء میں کوہِ طور کی دائیں جانب روشنی پر نظر پڑی تو یہ مایوسی کی تاریک رات میں صبحِ اُمید کی کرن سی معلوم ہوئی، دل کو یک گونہ ڈھارس مل گئی۔ پس اپنی بیوی سے فرمایا تم یہاں ٹھہرو۔ میں اس آگ کے پاس جاتا ہوں تاکہ راستے کی کوئی خبر لاؤں یا آگ تھوڑی سی اٹھا کر لاؤں تاکہ اُسے تاپ کر کم از کم سردی کی شدت سے بچ سکیں۔
اَلْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ کو جوتے اُتار کر آگے بڑھنے کا حکم ملا تھا اور مبارک اس لئے ہے کہ اسی جگہ سے حضرت موسیٰ کو کلیم اللہ بننے کا شرف ملا۔ اور رسالت و وحی و معجزہ و عصا اور یدِ بیضا اور تورات وغیرہ بھی اسی جگہ سے موسیٰ کو عطا کی گئی۔
مِنَ الشَّجَرَةِ۔ حضرت موسیٰ جب قریب پہنچے تو وہ آگ درخت سے روشن ہو رہی تھی۔ اس کی تفصیل تفسیر کی جلد ۹ صفحہ ۱۶۸ میں گزر چکی ہے۔

| | |
|---|---|
| مِنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ | |
| اس سے کوئی خبر (راستہ کی) یا چنگاری آگ کی، تاکہ تم اُسے تاپو پس جب | |
| اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ | |
| پہنچے وہاں تو وادی کے دائیں جانب زمین مبارک میں درخت | |
| مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ | |
| سے آواز آئی اے موسیٰ میں اللہ عالمین کا پروردگار ہوں | |

حضرت موسیٰ نے اپنی قدسی طاقت سے جان لیا کہ یہ کوئی راز ہے۔ پس درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں تو موسیٰ نے قدسی قوت سے یہ بھی پہچان لیا کہ یہ آوازِ قدرت ہے اور نبوت کے مقامات میں سے یہ بہت بلند مقام ہے کہ جبرئیل یا کسی دوسرے واسطے کے بغیر اللہ ان سے خود کلام کرے۔

کلام کی ابتدا۔ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ۔ جب حضرت موسیٰ متعدد پریشانیوں میں گھر کر اس طرف قدم

دُھار ہے تھے تو نہ جانے کیا کیا خیالات، جذبات و تفکرات دل و دماغ پر اضطرابی کیفیات میں اضافہ کے موجب بن رہے تھے لیکن جوں ہی پروردگارِ عالم کی جانب سے شیریں لہجہ میں سُنا کہ میں عالمین کا پروردگار ہوں پس دل کی توکل اور طبیعت کے

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى

اور یہ کہ ڈالو اپنا عصا پس جب دیکھا کہ وہ تو حرکت کر رہا ہے جیسے سانپ تو پیچھے کو

مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ٣١

دوڑا اور نہ پلٹا (اللہ نے کہا) اے موسیٰ آجاؤ اور ڈرو نہیں تم امن پانے والوں میں ہو

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ

داخل کرو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکالو اس کو روشن بغیر برائی کے اور ملا لو اپنی طرف اپنا پہلو

اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ

خوف کو دُور کرنے کے لئے پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے ربّ کی طرف سے فرعون کی

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ٣٢ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ

طرف اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف تحقیق وہ فاسق لوگ تھے کہا اے رب تحقیق میں نے

صبر و ضبط میں مزید حوصلہ کی لہر دوڑی کہ جب عالمین کا پروردگار میرے ساتھ ہے تو مجھے کسی فکر یا کسی خطرہ کے محسوس کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے پس ہر فکر لاحق سے بے نیاز ہو کر کلامِ خالق کی مزید چاشنی لینے کے لئے ہمہ تن گوش بن کر متوجہ ہوئے تو ارشاد ہوا اپنے ہاتھ کا عصا زمین پر پھینکو چنانچہ جب اُسے پھینکا تو اسے سانپ کی شکل میں پایا کہ وہ تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت بھی کرتا تھا پس اچانک اس واقعہ کے نمودار ہونے کے بعد ایک بار جلدی سے پیچھے کی طرف ہٹے۔ اور مڑ کر بھی نہ دیکھا تو فوراً ندا پہنچی۔ اے موسیٰ اس سے ڈرو نہیں تم امن میں ہو پس پیغامِ امن سُن کر طبیعت میں تسکین محسوس کی اور پھر توجہ کی تو دوسری آواز آئی کہ اپنے ہاتھ کو بغل میں ڈالو تو وہ بغیر عیب و ریب کے سفید و روشن نکلے گا۔ پس یہ دو خارق عادت امر دیکھنے کے بعد حضرت موسیٰ کا دل پوری طرح مطمئن ہو چکا تھا۔

وَاضْمُمْ اِلَيْكَ۔ جب حضرت موسیٰ اللہ کے حکم سے فیض یاب ہوئے اور دل میں تسکین نے جگہ لے لی، تو چونکہ مصر کی جانب مراجعت فرما تھے لہذا فرعون کے خوف کا فکر جو کسی نہ کسی وقت دامن گیر ہوتا تھا اس کے

متعلّق ارشاد ہوا ہے کہ اپنا پہلو اپنی طرف ملا لو خوفِ فرعون سے یعنی فرعون کے مظالم کے خوف کو بالکل دل سے الگ کر دو۔ وہ اب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بعضوں نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ لو تو خوف جاتا رہے گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے دامنِ عزم و استقلال کو مضبوط تھام رکھو اور جو حکم تمہیں ابھی دیا جاتا ہے اس کی تعمیل میں کسی خوف و خطر کو دل میں جگہ نہ دو۔ اِن کے علاوہ اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں۔

**تنبیہ:۔** حضرت موسٰے کا قصہ قرآن کی متعدّد سورتوں میں اس لئے دہرایا گیا ہے تاکہ قوم یہود کے علماء جو ہر وقت مسلمانوں کو چھیڑتے تھے اُن پر اُن کے نبی کے واقعات سے حجت تمام کی جا سکے۔

قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۳۳﴾ وَأَخِي

ان میں سے ایک آدمی کو قتل کیا ہے پس ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں        اور میرا بھائی

هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي

ہارون وہ فصیح تر ہے مجھ سے بولنے میں پس اُس کو میرے ساتھ بھیج معاون کے طور پر کہ میری

إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ

تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں مجھے جھٹلائیں گے (اللہ نے کہا) ہم مضبوط کرینگے تیرے بازو کو تیرے

بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ

بھائی کے ذریعے اور دیں گے تمہیں غلبہ        پس وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک بوجہ ہماری

إِلَيْكُمَا بِآيَاتِنَا أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ ﴿۳۵﴾

نشانیوں گے        تم اور جو تمہاری پیروی کریں گے غالب ہوں گے

اَفْصَحُ مِنِّیْ۔ حضرت موسٰی علیہ السّلام نے آگ کا جو انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا تھا اس سے جہاں ایک طرف آپ کے ہاتھ کو تکلیف پہنچی وہاں دوسری طرف آپ کی زبان میں تتلاہٹ پیدا ہو گئی تھی پس اللہ نے ان دونوں تکلیفوں کا موسٰیؑ کو خوب اجر دیا کہ زبان کو کلیم اللہ ہونے کا شرف بخشا اور ہاتھ کو ید بیضا کا معجزہ دیا جب پروردگار کی طرف سے پیغام رسالت پر مامور ہوئے تو حضرت ہارون کے لئے بھی درخواست پیش کر دی کہ وہ مجھ سے گویائی میں فصیح تر ہے کیونکہ اس کی زبان میں تتلاپن نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ میں ان میں سے ایک آدمی کو قتل بھی کر چکا ہوں لہذا بیان و احتجاج کے ساتھ ساتھ تصدیق و

تائید کے لئے اس کا میرے ہمراہ ہونا ضروری ہے۔ پس اللہ نے اس کی درخواست کو قبول فرمایا۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا کہ موسیٰ نے فرعونیوں کا ایک آدمی قتل کیا تھا لیکن وہاں جانے سے گھبراہٹ ظاہر کی۔ ادھر حضرت علیؑ نے مکہ کے اکابر چن چن کر قتل کئے ہوئے تھے لیکن جب سورہ برات کی تبلیغ کا حکم ہوا تو بلا جھجک روانہ ہوئے اور نہایت نڈر اور بے باک ہو کر بآواز بلند سورۂ برات کی تبلیغ فرمائی۔ اور ذرہ بھر ہچکچاہٹ نہ محسوس کی۔

بِاٰيٰتِنَآ۔ اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قریبی فعل سے متعلق ہے اور معنی وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔ اور دوسری یہ کہ نجعل سے متعلق ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ ہم تجھے اپنی آیات و معجزات کے ساتھ غلبہ دیں گے کہ وہ تمہاری طرف نہ پہنچ سکیں گے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

پس جب آیا ان کے پاس موسیٰ ہماری واضح نشانیوں کے ساتھ کہنے لگے یہ نہیں مگر جادو بناوٹی

مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

اور ہم نے نہیں سنیں ایسی باتیں اپنے بزرگوں میں اور کہا موسیٰ نے

رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

میرا رب جانتا ہے جو اس کی جانب سے پیغام لے کر آئے اور جس کے لئے نیک انجام ہے (اور وہ

الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا

ہم ہیں) تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے ظالم لوگ اور فرعون نے کہا اے سرداران قوم میں نہیں جانتا

عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ

تمہارے لئے کوئی خدا اپنے علاوہ پس آگ جلاؤ اے ہامان مٹی پر (یعنی پختہ اینٹیں تیار کرو)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام آگ لینے کے لئے گئے تھے اور رسالت و معجزات لے کر پلٹے تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ جس چیز کی تو توقع رکھتا ہے اس سے زیادہ اس چیز کی امید رکھ جس کی تجھے توقع نہیں ہے اور آپ نے پھر حضرت موسیٰؑ کی مثال پیش فرمائی۔ بہر کیف انسان کے حق میں اللہ کا فیصلہ بہت اچھا ہوتا ہے اور اسی پر رضامند رہنا ہی انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ بعض اوقات مٹی اٹھانے کے لئے زمین کھودی جاتی ہے لیکن خزانہ نکل آتا ہے اور بعض اوقات سونا و جواہرات اٹھانے کے لئے انسان ہاتھ بڑھاتا ہے اور سانپ و بچھو پر ہاتھ پڑتا ہے۔ غیر متوقع چیز کی

توقع رکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی حکومت اور اس کا فیصلہ ہماری توقعات سے بلند و بالا ہے اور ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کچھ دیر کے بعد واپس اپنی زوجہ کے پاس پلٹے تو زوجہ نے عرض کی آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ (آگ تو نزدیک دکھائی دے رہی تھی اور موسیٰ کو کافی دیر لگ گئی تھی اور جس مقصد کے لئے گئے تھے، وہ بھی ظاہراً پورا نہ ہوا تھا کیونکہ آگ نہ لائے اور نہ فوراً واپس آئے تو فطری طور پر یہ سوال ہونا چاہیے تھا کہ کہاں چلے گئے تھے اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟) تو آپ نے جواب دیا کہ میں اس آگ کے پروردگار کی جانب سے آیا ہوں پس وہ خاموش ہو گئیں، بہرکیف طے منازل کے بعد آپ مصر میں پہنچے اور حضرت ہارون کو جو آپ سے تین برس بڑے تھے ساتھ ملایا۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ میں اب بھی اُس کو دیکھ رہا ہوں۔ لمبی قد۔ گندمی شکل پشمینہ پہنے ہوئے۔ عصا ہاتھ میں کمر بستہ اور گدھے کے چمڑے کا جوتا پاؤں میں دربارِ فرعون کے دروازے پر جا پہنچے اور فرعون کی طرف جاتے ہی پیغام بھجوایا کہ میں عالمین کے پروردگار کا فرستادہ تیرے پاس آیا ہوں۔ فرعون کے پاس پالتو شیر رکھے ہوئے تھے پس نوکروں کو حکم دیا کہ شیروں کی زنجیریں کھول دیں اور یہ اس کی عادت تھی کہ جب بھی کسی کو سزا دیتا تھا تو اس کو شیروں کے آگے ڈال دیتا تھا تاکہ وہ اسے طرح طرح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ شاہی دربار تک پہنچنے کے لئے یکے بعد دیگرے کو دروازے آتے۔ اور ہر دو دروازوں کے درمیان شیر و درندے موجود تھے۔ پس جب پہلے دروازے پر ہاتھ مارا تو اس کی دھمک سے سارے دروازے کھل گئے۔ جب شیروں نے دیکھا تو وہ آپ کے قدموں پر گر کر دُم ہلانے لگے۔ فرعون جو اپنے ہم نشینوں کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا فوراً کہنے لگا کہ ہم نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا پس حضرت موسیٰ بے دھڑک اندر چلے گئے۔ فرعون نے حکم دیا کہ ایک آدمی اس کو پکڑے اور دوسرا آدمی اس کی گردن تلوار سے اُڑا دے تو جبریل نے تلوار سے یکے بعد دیگرے فرعونیوں میں سے چھ آدمیوں کی گردنیں کاٹ دیں۔ تب فرعون نے گھبرا کر کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کیا اور باہر نکالا تو اس قدر روشن تھا کہ اس کی شعاع سے فرعون کی آنکھیں چندھیا گئیں پس آپ نے اپنے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا اور اُس نے پورے فرعونی محل کو نگلنے کے لئے منہ کھولا تو فرعون نے فوراً طلب معافی اور سوچنے کے لئے مہلت مانگ لی۔ مفصل واقعہ اور اس کی وجہ پہلی جلدوں میں گزر چکی ہے۔

فَاَوْقِدْ لِیْ۔ فرعون نے ہامان کو اینٹیں پختہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور کہتے ہیں کہ پختہ اینٹوں سے مکان تیار کرنے والا پہلا شخص فرعون ہے۔ پس اُنہوں نے بہت بلند مکان تعمیر کیا لیکن اللہ نے تیز و تند آندھیوں کے ذریعے اسے مسمار کر دیا اس کے بعد فرعون نے ہامان کو ایک تابوت بنوانے کا حکم دیا کہ اس میں گدھیں پالی جائیں۔ اور اس تابوت کے چاروں کونوں پر بلند لکڑیاں باندھی جائیں جن کے سرے پر گوشت لٹکا دیا جائے اور ادھر اُدھر گدوں کو بھوکا رکھنے کے بعد ان کے پاؤں کو مضبوط تاگوں کے ذریعے تابوت سے باندھ دیا جائے جب وہ پوری طاقت سے گوشت حاصل کرنے کے لئے اڑیں گی تو تابوت کو

اُڑائے جائیں گی۔ چنانچہ اس تجویز کے بعد فرعون اور ہامان دونوں اس تابوت میں بیٹھ گئے اور گدھوں نے گوشت کی طرف پرواز کی کوشش کی چنانچہ تابوت زمین سے بلند ہوا اور جوں ہی گدھیں زور سے پرواز کرتی گئیں تابوت اٹھتا ہوا اُوپر کو بلند ہوتا گیا حتیٰ کہ کافی بلندی پر پہنچنے کے بعد فرعون نے ہامان سے کہا اب اُوپر کی طرف دیکھو کیا ہم آسمان کے قریب پہنچے ہیں یا نہیں؟ جب ہامان نے جھانک کر دیکھا تو کہا آسمان تو اتنا ہی دُور ہے جتنا زمین سے دکھائی دیتا تھا پس ناکام واپس زمین پر پلٹ آئے۔

فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ

پس بنا میرے لئے ایک محل تاکہ میں سراغ لگاؤں موسےٰ کے خدا کا اور یقیناً میں تو اسے جھوٹا

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳۸ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ

خیال کرتا ہوں اور تکبر کیا اس نے اور اس کے لشکر نے زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝۳۹ فَاَخَذْنٰهُ

ناحق اور خیال کیا کہ وہ ہماری طرف نہ پلٹیں گے تو ہم نے گرفت

وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

میں لیا اُسے اور اس کے لشکر کو اور ان کو پھینکا سمندر میں تو دیکھو کیسا انجام ہوا ظالم

الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَ

لوگوں کا اور کیا ہم نے ان کو ایسے امام جو بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۴۱ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ

کے دن ان کی مدد نہ کی جائے گی اور ان کے پیچھے لگائی ہم نے اس دنیا

الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝۴۲

میں لعنت اور وہ قیامت کے دن رسوا ہونے والوں میں ہوں گے

فرعون اپنے زمانے کا بدترین متکبر مزاج اور استبداد پسند حکمران تھا وہ اپنی رعایا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ایسے کرتب کرتا رہتا تھا پہلے تو کہا اونچا مکان بناؤ تاکہ وہاں جاکر میں دیکھوں موسےٰ کا خدا کہاں ہے؟ پھر تابوت بنا کر اس میں بیٹھ کر پرواز کی تاکہ لوگوں پر یہ تاثر قائم کیا جائے کہ اگر کہیں خدا ہوتا تو فرعون اور اس کا عملہ اس کو پکڑ لاتے یا اگر وہ طاقتور ہوتا تو فرعون اس کے سامنے جھک جاتا رعایا یہ سب کچھ دیکھتی رہی ان کے عقول اس قدر شستہ نہیں تھے کہ وہ اس سے زیادہ کچھ سوچ سکتے چنانچہ فرعون نے جب یہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ

اور تحقیق دی ہم نے موسٰی کو کتاب بعد اس کے کہ ہم نے ہلاک کیا پہلی اُمتوں کو (قرن بعد قرن)

الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

لوگوں کو بصیرت حاصل کرنے کے لئے اور ہدایت و رحمت تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوسَى الْاَمْرَ وَمَا

اور نہ تھا تو (کوہ طور کی) غربی جانب جب کہ جاری کیا ہم نے موسٰی کی طرف اپنا حکم اور نہ تھا تو

كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ

حاضرین میں سے لیکن ہم نے پیدا کیا اُمتوں کو (قرن بعد قرن) پس لمبی ہوگئی ان پر مدت

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

(درمیانی وقفہ کی)، اور تو نہیں ٹھہرا ہوا تھا اہل مدین میں جو پڑھتا ہماری آیات کو لیکن ہم ہیں (تم کو)

اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ

رسول بنا کر بھیجنے والے اور تو نہیں تھا کوہ طور کے پہلو میں جب ہم نے ندا دی تھی لیکن یہ

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ

تیرے رب کی (تیرے اوپر) رحمت ہے تاکہ تو قوم کو ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا

دعوے کیا کہ میں نے اپنی مقدور بھر کوشش کرنے کے بعد یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ تمہارے لئے میرے علاوہ اور کوئی دوسرا خدا نہیں ہے تو لوگ مان گئے۔ ایک دفعہ اس نے دعوی کیا تھا کہ میں تمہارا بڑا ربّ ہوں اور تفسیر برہان میں طبرسی سے منقول ہے کہ فرعون کے دو دعووں میں چالیس برس کا فاصلہ تھا۔

فِي الْيَمِّ ۔ بعضوں نے اس سے دریائے نیل مُراد لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سمندر مُراد ہے۔ کیوں کہ حضرت مُوسٰی علیہ السّلام مصر سے قوم بنی اسرائیل کو لے کر صحرائے سینا کی طرف آئے تھے اور اس راستہ میں دریائے نیل نہیں پڑتا بلکہ سمندر راستہ میں حائل تھا جسے مُوسٰی علیہ السّلام اعجازی طور پر اپنی قوم سمیت پار کر گئے اور فرعون لشکر سمیت غرق ہو گیا قصہ کی تفصیل سابق جلدوں میں گزر چکی ہے۔ جلد ۷ ۔ صفحہ ۱۶۹ و جلد ۲ صفحہ ۱۲۶

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے غلط راستہ ایجاد کیا ۔ اور دوسرے

لوگوں کو اس پر چلنے کی دعوت دی یا خود بخود لوگ شیطانی دعوت کی بنا پر اس راستہ پر گامزن ہو گئے تو وہ لوگ اپنے بعد میں آنے والے تمام ان لوگوں کے لئے امام باطل ہوں گے جو اُن کے پیچھے چلیں گے پس آیت مجیدہ کی تنزیل گذشتہ زمانے کے غلط کار پیشیرؤوں اور لیڈروں پر صادق آتی ہے لیکن اس کے تاویلی مصداق ہر زمانے کے باطل امام ہیں جنہوں نے آئمہ حق کے مقابلہ میں امامت و قیادت کا عَلَم بلند کیا۔ پس دنیا میں ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت برستی رہے گی۔ اور قیامت کا عذاب اُن کے لئے دائمی ہوگا اور ایسے امام و ماموم دونوں سزا میں برابر کے شریک ہوں گے۔

## شاہد ہونے کی نفی

رکوع ۶: اَلْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی: قرون جمع ہے قرن کی۔ اور قرن زمانہ کی ایک حد کا نام ہے۔ لیکن یہاں مُراد اہلِ زمانہ ہیں۔ اور ہم نے مُرادی ترجمہ اُمّتیں لی ہیں۔ یعنی پہلی اُمّتوں کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے مُوسٰی کو کتاب دے کر بھیجا۔

بَصَائِرَ۔ یعنی تورات کی آیتیں لوگوں کے لئے بصیرت حاصل کرنے کی دلیلیں ہیں۔ اور ہدایت اور رحمت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ ترکیب نحوی کے لحاظ سے بعض نے اسے فعلِ سابق سے حال بنایا ہے لیکن علّامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ چونکہ حج کے معنی میں ہے اور اسمِ جامد کے حکم میں ہے لہذا حال نہیں بن سکتا۔ بلکہ کتاب سے بدل ہے اور اسم نکرہ، معرفہ سے بدل ہو سکتا ہے۔

بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ۔ یعنی تو کوہ طور کی مغربی جانب موجود نہ تھا جب ہم نے موسٰی کو احکامِ رسالت دے کر فرعون کی طرف روانہ کیا اور اگرچہ تو خود حاضر و شاہد نہ تھا لیکن ہم نے تجھے بذریعہ وحی اطّلاع دے دی ہے تاکہ تیرے لئے معجزہ ہو اور قوم اِسے تیری نبوت کی دلیل سمجھے۔

اَنْشَاْنَا۔ یعنی ہم نے قرن بعد قرن قوموں کی طرف رسول بھیجے اور منکرین پر عذاب نازل کیا لیکن ایک کے بعد دوسری قوم چونکہ کافی عرصہ کے بعد انبیاء کی ہدایات سے بہرہ ور ہوئی۔ لہذا اُن کو گذشتگان کے عذاب کے قصّے فراموش ہو گئے پس وہ دین کا سرے سے انکار کرنے لگے تھے کہ اس سے پہلے کوئی نبی آیا ہی نہیں اِسی طرح کافی خلا کے بعد ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا۔ یعنی تو اہلِ مدین میں بھی موجود نہ تھا کہ ان لوگوں پر چشم دید واقعات بیان کرتا لیکن ہم نے اپنی رحمت سے تجھے علم نبوت عطا کر دیا۔ اِسی طرح آپ کوہِ طور پر موسٰے کی کلام کے وقت بھی موجود نہ تھے لیکن ہم نے تجھے علم دے دیا۔ اپنی رحمت سے تاکہ تو اس قوم کو میرے عذاب سے ڈرائے جن کی طرف تجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں بھیجا گیا۔

لَوْلَا اَنْ تُصِيْبَهُمْ۔ اس لَوْلَا کا جواب محذوف ہے یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ عذاب میں گرفتار

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۴۶ وَلَوْلَآ أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اگر نہ ہوتی یہ بات کہ ان کو ہماری گرفت کی مصیبت پہنچے بوجہ اپنے

قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا۟ رَبَّنَا لَوْلَآ أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ

کئے ہوئے اعمال کے تو کہنے لگ جائیں کہ تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ تیری آیات کا اتباع

ءَايَٰتِكَ وَنَكُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۴۷ فَلَمَّا جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ مِنْ عِندِنَا

کرتے اور مومن ہوتے (تو ہم رسول نہ بھیجتے یعنی رسولوں کا بھیجنا اتمام حجت کے لئے ہے) پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے

قَالُوا۟ لَوْلَآ أُوتِىَ مِثْلَ مَآ أُوتِىَ مُوسَىٰٓ ۚ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا۟ بِمَآ أُوتِىَ

حق پہنچا تو کہنے لگے اس کو کیوں نہیں دئے گئے (معجزات) جو موسیٰ کو دئے گئے تھے کیا وہ نہیں کفر کر چکے اس کا جو

مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۖ قَالُوا۟ سِحْرَانِ تَظَٰهَرَا وَقَالُوٓا۟ إِنَّا بِكُلٍّ

موسیٰ کو دیا گیا اس سے پہلے کہنے لگے دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کے مددگار اور کہنے لگے ہم ان سب کا

كَٰفِرُونَ ۴۸ قُلْ فَأْتُوا۟ بِكِتَٰبٍ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ

انکار کرنیوالے ہیں کہہ دو لاؤ کوئی کتاب اللہ کی طرف سے جو ان دونوں سے زیادہ موجب ہدایت ہو

مِنْهُمَآ أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۴۹ فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا۟ لَكَ

تاکہ میں اس کی اتباع کر سکوں اگر تم سچے ہو پس اگر تیری بات نہ مانیں تو جان لو کہ سوائے

فَٱعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ ٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ

اس کے نہیں کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو خواہش

ہونے کے بعد اپنا عذر پیش کرتے کہ ہمیں کسی نے راہِ حق بتایا ہوتا تو ہم گمراہ نہ ہوتے تو ہمیں نبی بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی لیکن ہم نے اپنے لطف و کرم سے ایسے لوگوں پر اتمامِ حجت کے لئے رسولوں اور نبیوں کو بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ سِحْرَانِ یعنی توراۃ اور قرآن دونوں ایک دوسرے کے بعد جادو کی شکل میں نمودار ہوئے اور ایک دوسرے کے یہ مددگار ہیں۔ شانِ نزول یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے یہودِ مدینہ کی طرف اپنے نمائندے بھیجے اور رسولِ اکرمؐ کے دعویٰ نبوت کے متعلق دریافت کیا تو جب یہ لوگ مدینہ میں پہنچے اس دن یہودیوں کی عید تھی۔ یہودی علماء نے حضرت محمد مصطفٰےؐ کی جو تعریفیں توراۃ میں موجود تھیں بیان کیں چنانچہ جب ان لوگوں نے واپس

بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۵۰

کی اتباع کرے بغیر ہدایت خداوندی کے تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۵۱ ؕ اَلَّذِيْنَ

اور تحقیق ہم نے کھول کھول کر ان کو بات بتا دی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں وہ لوگ جن کو ہم

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۵۲ وَاِذَا يُتْلٰى

نے دی کتاب اس سے پہلے وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور جب ان پر اس کی

عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۵۳

تلاوت کی جائے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے کہ یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے تحقیق ہم پہلے سے اسلام

اُولٰۗىِٕكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ

رکھتے ہیں وہ لوگ دیئے جائیں گے اپنا اجر دوبارہ بوجہ صبر کے اور دُور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۵۴ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ

بُرائی کو اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں اور جب سُنیں کوئی لغو بات تو اس سے

اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۵۵

منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل تم پر سلامتی ہو ہم جاہلوں سے نہیں

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ

الجھتے۔ تحقیق تو نہیں ہدایت کر سکتا جسے چاہے لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے اور وہ

آکر اہل مکہ کو خبر دی تو مشرکین مکہ کہنے لگے تورات اور قرآن دونو جادو ہیں۔ جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ ہم ان میں سے کسی کو نہیں مانتے۔

## رکوع نمبر ۹

وَصَّلْنَا۔ یعنی لگاتار آیت کے بعد آیت نصیحت کے بعد نصیحت اور سابق اُمتوں میں سے ایک کے بعد دوسری اُمتوں کے تذکرے تفصیل وار اُن کے سامنے بیان کئے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

## اہلِ کتاب سے ایمان لانے والے

اَلَّذِيْنَ: شانِ نزول بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام تمیم۔ جارود اور سلمان فارسی کے حق میں اُتری اور بعض کے نزدیک یہ آیتیں اُن چالیس آدمیوں کے حق میں ہیں جو عیسائی تھے اور بعثت سے پہلے آپ پر ایمان رکھتے تھے ان میں سے بتیس ۳۲ وہ ہیں جو

حضرت جعفر طیار کے ہمراہ حبشہ سے آئے تھے۔ اور آٹھ شام سے آئے تھے۔ بحیرا ابرہہ۔ اشرف۔ عامر۔ ایمن۔ ادریس نافع۔ تمیم۔ مَرَّتَيْنِ۔ ان کو دوگنا اجر ملے گا۔ ایک اجر تو اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر سابق پر ایمان لانے کا۔ اور دوسرا اجر قرآن مجید اور حضرت رسالت مآبؐ پر ایمان لانے کا۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ:۔ یعنی جب کفار خواہ مخواہ ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے تم کو امان و سلامتی ہے کہ ہم تمہیں نہیں چھیڑیں گے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ۔ یعنی اسلام کی تبلیغ کرنا آپ کا کام ہے لیکن دلوں میں حقیقتِ اسلام کا داخل کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔

## ایمان ابُوطالب

جن لوگوں کے دلوں میں حضرت علی علیہ السّلام سے بُغض تھا۔ اُنہوں نے حضرت ابوطالب کو بھی اپنی بدزبانی کا ہدف بنایا۔ اور حضرت علی کی تنقیص و توہین کے طور پر ان کے والد ماجد حضرت ابوطالب کے کفر کا پرچار کیا۔ چنانچہ اس آیت مجیدہ کے متعلّق بھی کہہ دیا کہ حضرت ابوطالب کے حق میں اُتری ہے کیونکہ حضورؐ اپنے چچا کے اسلام کے خواہش مند تھے اور اللہ کو اس کا اسلام پسند نہ تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کا مسلمان ہونا حضورؐ کو پسند نہ تھا لیکن اللہ کو اس کا اسلام پسند تھا۔ پس اللہ کا ارادہ پُورا ہوا کہ ابوطالب ایمان نہ لا سکا اور وحشی قاتلِ حمزہ مسلمان ہوگیا۔ علاّمہ طبرسی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جس طرح نبی پر اللہ کے اوامر و نواہی کی مخالفت کرنا حرام ہے اسی طرح اس پر اللہ کے ارادہ و منشاء کی خلاف ورزی کرنا بھی حرام ہے۔ اور اگر ان لوگوں کی بات کو صحیح مانا جائے کہ اللہ کو ابوطالب کا ایمان پسند نہ تھا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی پسند الگ الگ تھی اور منشا جدا جدا تھا تو اُن کے اعتقاد کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے رسولؐ تو اس کا ایمان چاہتا ہے اور میں اس کا ایمان نہیں چاہتا۔ اور نہ میں اس کو ایمان لانے کی توفیق دیتا ہوں حالانکہ وہ تیری تربیت کا کفیل ہے۔ کفار و مشرکین کے مقابلے میں اس نے تیری بھرپُور مدد کی ہے۔ تیرے ساتھ والہانہ محبّت رکھتا ہے اور تیرا محسن بھی ہے۔ اور تو وحشی کے ایمان کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اُس نے تیرے چچا حمزہ کو قتل کیا ہے لیکن میں اس کے ایمان کو چاہتا ہوں اور اس کے دل میں نُورِ ایمان کو پیدا کرتا ہوں۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس معنی میں رسولؐ کی بھی توہین ہے اور دینِ خدا بھی ایک ایسا نظریہ بن جاتا ہے جس کو کوئی عقلمند اپنانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

علاّمہ طبرسی فرماتے ہیں ہم نے سورۂ انعام کی تفسیر میں حضرت ابوطالب کے ایمان پر اہل بیت نبوی کا اجماع ذکر کیا ہے۔ اور وہاں حضرت ابوطالب کے بعض ان اشعار کا بھی ذکر کیا ہے جو اُس کی توحید و نبوت کے عقیدہ کی پختگی پر روزِ روشن کی طرح دلالت کرتے ہیں اور اُن کے پُورے قصائد کو اگر جمع کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان بن سکتا ہے۔ نیز کتب مغازی میں حضرت ابُوطالب کی خدمات، حضور کے دوستوں سے دوستی اور آپ کے دشمنوں سے بیزاری اور آپ کی ہر ممکن مدد اور دفاع نیز آپ کے دعوائے نبوّت کی تصدیق و اعلان کی روایات شمار سے

باہر ہیں۔ ملخصاً (مجمع البیان) ہم نے تفسیر کی جلد نمبر ۵ میں از صلہ تا صلہ حضرت ابوطالب کے ایمان پر مفصل بحث کی ہے
اِس جگہ بھی بعض احادیث کا ذکر کرنا خالی از فائدہ نہیں ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت امالی شیخ ابن عباس سے منقول
ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابُوطالب نے جناب رسالتمآبؐ سے سوال کیا کہ اگر آپ اللہ کی جانب سے برحق رسُول
ہیں تو کوئی معجزہ دکھا دیجئے؟ پس آپ نے فرمایا: چچا جان سامنے والے درخت سے کہہ دیجئے کہ وہ آپ کی خدمت
میں حاضر ہو، چنانچہ آپ کے ارشاد سے وہ درخت آپ کے قریب آگیا اور اپنی شاخیں قدموں میں رکھ دیں۔ اور
پھر واپس چلا گیا۔ حضرت ابوطالب نے یہ معجزہ دیکھتے ہی کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا اور اپنے فرزند حضرت علی کو
حکم دیا کہ حضورؐ کی خدمت کو ہرگز ترک نہ کرنا۔ اور بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ
جب جناب فاطمہ بنت اسد نے حضرت ابُوطالب کو پیغمبرؐ کی ولادت کی خبر دی تو حضرت ابوطالب نے فرمایا
کہ میں تجھے ایک بچےّ کی خوش خبری دیتا ہوں جو نبوّت کے علاوہ باقی تمام صفات میں اسی جیسا ہوگا۔ (برہان)

بروایت کافی عبید بن زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے نقل کرتا ہے کہ جب حضرت
ابُوطالب کی وفات ہوئی تو حضورؐ کو حکم ہوا...... کہ اب مکّہ میں تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں سے
ہجرت کر جاؤ۔

بروایت ابن بابویہ محمد بن مروان نے بھی آپ سے اسی معنی کی روایت نقل کی ہے۔

بروایت کافی حضرت امام مُوسیٰ کاظم علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت ابُوطالب نے جناب رسالتمآبؐ
کی رسالت کا اقرار کیا تھا اور آپ کی تمام دینی تبلیغ پر ایمان لایا تھا اور جس دن سابق وصیتیں اس نے آپ کے سپرد
کیں اسی دن انتقال فرما گئے۔

سیّد ابن طاؤس سے طرائف میں منقول ہے کہ دشمنانِ آلِ محمدؐ کے تعصب کی انتہا ہے کہ انھوں نے اِس جگہ
آیت مجیدہ کا شانِ نزول حضرت ابُوطالب کے حق میں ٹھہرایا ہے کہ حضورؐ اپنے چچا ابُوطالب کے ایمان کے خواہشمند
تھے۔ اور اللہ نے اُس کو ردّ فرما دیا۔ اِس کے بعد اُنہوں نے کتاب نزول القرآن کے حوالہ سے ابوالمجدین کے بیان
کا ذکر کیا کہ حسن بن فضل کا آیت مجیدہ کے متعلّق نظریہ یہ ہے کہ شانِ نزول حضرت ابوطالب کے حق میں کیسے قرار
دیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ سورہ مجیدہ مدینہ منورہ میں اُترنے والے سوروں میں سے سب سے آخر میں اُترا۔ اور حضرت
ابوطالب کا انتقال ابتدائے اسلام میں ہوا۔ جب کہ حضورؐ مکّہ میں ہی تشریف فرما تھے۔ البتہ یہ سورہ حارث بن
نعمان بن عبد مناف کے حق میں اُترا ہے۔ اُس نے ایک دن عرض کی تھی کہ ہم آپ کو برحق جانتے ہیں اور آپ کے
دین کو بھی صحیح اور برحق تسلیم کرتے ہیں لیکن عرب اقوام کے ڈر سے ہم تیری پیروی نہیں کر سکتے ان کی تعداد
بہت زیادہ ہے وہ طاقت میں ہم سے قوی تر ہیں۔ اگر وہ ناراض ہو گئے تو ہمیں اپنے گھروں سے بھی نکال

دیں گے پس یہ آیت نازل ہوئی۔

أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ

جانتا ہے ہدایت پانیوالوں کو اور کہنے لگے اگر ہم پیروی کریں ہدایت کی تیرے ساتھ تو اچک لئے

مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ

جائیں گے اپنے وطن سے تو کیا ہم نے ان کو تمکین نہیں دی امن والے حرم میں کہ جمع کئے جاتے ہیں اس کی

شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا

طرف ہر قسم کے پھل ہماری جانب سے رزق کے طور پر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور کس قدر ہلاک کیا ہم

مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ

نے ان بستیوں کے باشندوں کو جنہوں نے دین میں لاپرواہی کی بوجہ کھلی روزی کے تو یہ دیکھو ان کے اجڑے ہوئے

بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ

گھر کہ ان میں آباد نہ ہو سکے مگر تھوڑے اور ہم ہی ان کے وارث ہیں اور نہیں رب تیرا ہلاک کرتا بستیوں کو

الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ

یہاں تک کہ وہ بھیجتا ہے ان میں سے صدر شہر میں رسول جو تلاوت کرے ان پر ہماری آیات کی اور نہیں ہم ہلاک

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا أُوتِيتُمْ

کرتے بستیوں کو مگر اس وقت جب اس کے رہنے والے ظالم ہوتے ہیں اور تم جو کچھ دیئے جاؤ

سید ابن طاؤس فرماتے ہیں، علماء کی روایت میں موجود ہے کہ ابوطالب نے مرنے سے پہلے اپنے فرزند حضرت علی کو جناب رسالت مآبؐ کی خدمت کی وصیت کی تھی اور یہ اعتراف کیا تھا کہ حضورؐ نیکی و بھلائی کی ہی دعوت دیتے ہیں، اور حضورؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر بھی کی تھی۔ پس ان کے قول کے مطابق حضرت ابوطالب کا نظریہ حضورؐ کے متعلق خیر تھا اور حضورؐ نے بھی اس کو دعائے خیر دی تھی اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کو ابوطالب کے ایمان کا پتہ نہ ہوتا تو انہیں کبھی دعائے خیر نہ فرماتے؟ اور اگر دوسری کوئی دلیل نہ بھی ہو تو صرف خانوادہ عصمت و طہارت اور خاندانِ نبوت و رسالت کی تصدیق ہی حضرت ابوطالب کے ایمان کی ناقابلِ تردید برہان ہے کیونکہ حضورؐ نے ان کو قرآن کا ساتھی بتلایا ہے۔ اور گھر والے ہی اپنے خاندانی افراد کے باطنی حالات سے دوسروں کی

بہ نسبت واقف تر ہوتے ہیں۔ وَقَالُوْٓا (ص۴۷) تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حارث بن نوفل نے کہا تھا کہ آپ کا دین تو سچا ہے لیکن

مِنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ

وہ زندگی دنیا کا نفع ہے اور اس کی زینت ہے حالانکہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے

اَبْقٰی ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ

اور باقی رہنے والا ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے کیا جس کے ساتھ ہم وعدہ کریں اچھا وعدہ (جنت) پس وہ اسے پانے والا ہو

كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ

تو وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جس کو ہم دنیاوی زندگی کا عارضی نفع دیں پھر وہ بروز قیامت پیش

الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۶۱﴾ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ

(جوابدہی کے لئے) اور جس دن ان کو بلائے گا اور پوچھے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم نے سمجھے ہوئے

تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ

تھے کہیں گے وہ لوگ جن پر بات پوری اترے گی (بڑے پیشوا) اے پروردگار! ان لوگوں کو

اَغْوَیْنَا ۚ اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا ۚ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَیْكَ ۖ مَا كَانُوْۤا

ہم نے گمراہ کیا ہم نے ان کو اس طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ تھے ہم تیری طرف (ان سے) بیزار

اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِیْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ

ہیں یہ ہمارے پجاری نہ تھے اور کہا جائے گا بلاؤ اپنے شریکوں کو پس وہ

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ

انہیں بلائیں گے تو وہ ان کو جواب نہ دیں گے اور دیکھیں گے عذاب کو تو کہیں گے، کاش

اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو عرب لوگ ہمیں اپنے گھروں سے بھی اچک لیں گے تو اس کے جواب میں ہے کہ ہم نے ان کو اپنا حرم سکونت کے لئے دیا ہے اور اس میں کسی کی مجال نہیں کہ فاتح بن کر داخل ہو سکے اور اس کے ساکنین پہ قتل و غارت کا بازار گرم کر سکے اور ہم نے باوجود غیر آباد و غیر زرخیز ہونے کے اس میں بسنے والوں کے لئے رزق کا ایسا انتظام کیا ہے کہ اطراف عالم سے ہر قسم کے پھل و میوہ جات اور دیگر خورد و نوش کی اشیا کھنچ کر اس شہر کی طرف آ جاتی ہیں پھر ان لوگوں کو کسی دوسری قوم سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بَطِرَتْ یعنی ان سے پہلے جن لوگوں کو ہم نے فراوانی سے رزق دیا اور انہوں نے دین میں لاپرواہی کی یا بغاوت کی تو ہم نے ان کو اپنے عذاب سے ہلاک و برباد کر دیا اور ان کے اجڑے ہوئے برباد گھر اب بھی ان کے سامنے ہیں۔ قوم عاد کے شہر احقاف میں تھے۔ قوم ثمود وادی قریٰ میں تھی اور قوم لوط سدوم

ہیں تھی۔ اور یہ لوگ آتے جاتے اِن مقامات سے گزرتے تھے۔ پس ان کو ان سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اُمِّهَا۔ یعنی بستیوں کی ماں، اور یہ لفظ دارالخلافہ یا صدر مقام پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور مکہ کو بھی اسی لئے اُمّ القریٰ کہا جاتا ہے کہ پورے خطۂ عرب میں اس زمانے میں بڑا شہر تھا اور اسے عرب کے صدر مقام کی حیثیت حاصل تھی۔

## رکوع نمبر ۱

اَفَمَنْ وَعَدْنٰهُ۔ یعنی مومن جس کے ساتھ اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے اگرچہ وہ دنیا میں تنگ دست ہو۔ اس کا فیصلہ بہتر ہے جو دنیا میں عیش معاشرت کی خوش حال زندگی بسر کرے اور آخرت میں اُسے جواب دہی کے لئے پیش ہونا پڑے۔ اِسی بنا پر حدیث میں وارد ہے اَلدُّنْيَا سِجْنُ لِلْمُؤْمِنِ وَجَنَّةٌ لِلْكَافِرِ۔ یعنی دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک بدحال یہودی نے معصوم سے یہ سوال کیا تھا کہ میں بدحال ہوں اور آپ خوش حال ہیں۔ حالانکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے دنیا میں مجھے خوشحال ہونا چاہیئے تھا اور آپ کو بدحال تو آپ نے فرمایا تجھے انجام آخرت کی خبر نہیں ہے اس لئے یہ بات کہہ رہا ہے مومن کو جب جنت میں انعام و اکرام حاصل ہوگا اُس کے مقابلہ میں دنیا اُسے قید خانہ معلوم ہوگی خواہ وہ دنیا میں کتنا ہی خوش حال ہو۔ اور کافر جب عذاب جہنم میں جلے گا تو دنیاوی زندگی اُسے جنت معلوم ہوگی خواہ کتنی ہی مصیبت اور تکلیف میں گذری ہو۔ مَتَّعْنٰهُ۔ متعہ اور نفع میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ متعہ اس منفعت کو کہتے ہیں جس میں

كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ

وہ ہدایت یافتہ ہوتے — اور جس دن ان کو بلائے گا پس کہے گا کہ تم نے رسولوں

اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ

کو کیا جواب دیا تھا؟ — تو ان سے بات نہ بن آئے گی اس دن

يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

اور نہ ایک دوسرے سے پوچھنے کی فرصت ہوگی

فوری طور پر لذت ہو اور دکھ نہ ہو اور نفع میں بعض اوقات دکھ تکلیف جھیل کر فائدہ تک رسائی ہوتی ہے بنابریں نفع کا مفہوم متعہ کے مفہوم سے عام ہے پس جو متعہ ہوگا وہ نفع ضرور ہوگا لیکن جو نفع ہو اس کے لئے متعہ ہونا ضروری نہیں ہے تَزْعُمُوْنَ۔ زعم سے مراد وہ عقیدہ ہے جو ظن یا علم سے حاصل ہو کیونکہ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی ظنّی یا علمی طریق سے اس نظریہ تک پہنچتے ہیں اگرچہ اس کے مقدمات غلط ہوتے ہیں۔ شُرَكَآءَكُمْ۔ یہاں شرکاء کی نسبت کفار سے دی گئی ہے اس لئے کہ ان لوگوں نے ان کو شرکاء سمجھ رکھا تھا ورنہ درحقیقت اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ فَعَمِيَتْ۔ یعنی سوال کے جواب میں وہ اس طرح عاجز ہوں گے جس طرح

نابینا انسان صحیح راستہ پر چلنے سے عاجز ہوتا ہے اور ان کے دماغ سے جواب کا تصور مفقود ہو جائے گا جس طرح نابینا آدمی کے دماغ سے صحیح راستے کا تصور مفقود ہوتا ہے۔ البتہ نابینا آدمی کسی دوسرے سے دریافت کر کے راستہ پر گامزن ہو سکتا ہے لیکن ان لوگوں کے لئے یہ بات بھی نہ ہو گی کیونکہ ہیبت و جلالِ خداوندی کے سامنے اور عذابِ جہنم کی دہشتناک خبر سننے کے بعد اُن کے ہوش ٹھکانے نہ رہیں گے۔ پس ہر انسان اپنے عرق میں غرق ہوگا اور اپنی فکر میں کھویا ہوگا۔ کسی کو کسی سے بات کرنے کا ہوش تک نہ رہے گا۔

فَعَسٰی ۔ قرآن مجید میں اللہ کی طرف جہاں بھی اس قسم کی نسبت ہے تو اس کا معنی رجا اور اُمید نہیں بلکہ یقین اور وجوب اس کا معنی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ توبہ کرنے والے نیک مومن یقیناً چھٹکارا پانے والے ہوں گے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ

لیکن جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے تو یقیناً وہ ہوگا چھٹکارا پانے

الْمُفْلِحِيْنَ ۞ ۶۷ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ

والوں میں سے اور تیرا رب جو چاہے پیدا کرے اور جس کو چاہے چُن لے۔ نہیں ہے ان

لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ ۶۸

کو چننے کا حق پاکیزہ ہے اللہ اور بلند ہے اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۞ ۶۹ وَ

اور تیرا رب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور

هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ

وہ اللہ ہے نہیں کوئی معبود مگر وہ اس کے لئے حمد ہے دنیا اور

الْاٰخِرَةِ ؗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞ ۷۰ قُلْ

آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے کہہ دیجئے

## خلق و اختیار

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ آیت مجیدہ میں خدا نے خلق اور اختیار کر اپنا فعل قرار دیا ہے۔ اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو مشرک کہا ہے۔ پس جس طرح ہر چیز کا خالق وہ خدائے یکتا ہے۔ اسی طرح اپنی جانب سے نمایندہ چننے اور مقرر کرنے کا اختیار بھی صرف اسی کی ذات کو حاصل ہے۔ وہ جس کو چاہے رسول بنا دے یا نبوت کا عہدہ دیدے۔ اور اسی طرح نبی و رسول کا قائمقام بھی چونکہ اللہ کی جانب سے نمایندگی کا فریضہ ادا کرتا ہے لہذا اس کا انتخاب بھی وہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ بعد والی آیت میں صراحت سے فرماتا ہے کہ پروردگار ہی لوگوں کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اور چننے کا حق بھی اُسی کو ہے جو حقیقت کا علم رکھتا ہو۔ اور اللہ ہی وہ

ءَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ

کیا جانتے ہو اگر کر دے اللہ تم پر رات ہمیشہ روز

الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

قیامت تک تو کون الٰہ ہے اللہ کے سوا جو تمہارے لئے روشنی لے آئے کیا تم سنتے نہیں ہو

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ

کہہ دیجئے کیا جانتے ہو اگر کر دے اللہ تم پر دن کو ہمیشہ روز قیامت

الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ ؕ اَفَلَا

تک تو کون الٰہ ہے اللہ کے سوا جو تمہارے سکون کے لئے رات کو لے آئے کیا تم سمجھتے

تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ

نہیں ہو اور اس کی رحمت میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن کا

لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

انتظام کیا تاکہ سکون کرو (رات میں) اور تلاش کرو اس کا رزق (دن میں) اور تاکہ شکر کرو

وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور جس دن ان کو بلائے گا پس پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم سمجھتے تھے

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا

اور لائیں گے ہر اُمت سے گواہ (رسول) پس ہم کہیں گے لاؤ اپنی برہان کو پس جائیں گے کہ

اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

تحقیق حق اللہ کے لئے ہے اور دور ہو جائے گی ان سے وہ چیز جس کا افترا باندھتے تھے

پاک ذات ہے جو خلق و اختیار کے لحاظ سے بلکہ ہر لحاظ سے قابل حمد ہے۔ اس کے کسی فیصلے کو کسی وقت چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا دنیا و آخرت میں وہ حمد کا ہی سزاوار ہے۔ جب کوئی قوم کسی کا ظاہر و باطن نہ جاننے کی بدولت اپنا صحیح نمائندہ نہیں چن سکتی تو کسی قوم کو خدا کا نمائندہ چننے کا حق کیسے پہنچ سکتا ہے اور ان کا چنا ہوا آدمی خدائی نمائندہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ءَرَاَیْتُمْ ۔ ان آیات میں اللہ تعالے نے اپنی تدبیر اتم اور نظام اکمل میں سے صرف ایک جزی کو پیش فرما کر اپنی توحید کو واضح فرمایا ہے کہ اگر اللہ رات کو قیامت تک کے لئے تم پر مسلّط کر دے تو اس کے سوا کون ہے جو دن کی روشنی کا تمہارے لئے انتظام کر سکے اور اسی طرح اگر وہ دن کو قیامت تک کے لئے تم پر مسلّط کر دے تو اس کے سوا کون ہے جو تمہارے سکون کے لئے رات کا تبادل انتظام کر سکے؟ پس اس مصلحت میں غور

کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دن اور رات کا تبادل نظام انسانوں پر اللہ کی رحمت ہے کہ دن کی روشنی میں رزقِ حلال کی تلاش میں کاروباری فرائض انجام دو۔ اور رات کی پُرسکون فضا میں دن کی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے آرام کی نیند کرو۔ اور اپنے محسن کا شکر ادا کرو۔ پھر تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ بروزِ قیامت اللہ پوچھے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم میرا شریک قرار دیتے تھے اور رسولوں کو بطور گواہ پیش کرے گا اس وقت یہ لوگ جانیں گے کہ اللہ کا فیصلہ حق ہے۔

## رکوع ۱۱۔ قارون کا واقعہ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قارون حضرت موسیٰ کا چچازاد تھا۔ کیونکہ قارون کا باپ یصہر بن قاہث تھا اور حضرت موسیٰؑ کا والد عمران بن قاہث تھا۔ اور حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ آپ کا خالہ زاد تھا۔ اور ان دونوں روایتوں میں جمع ممکن ہے کیونکہ دو بھائیوں کے گھروں میں دو بہنیں ہوں تو اُن کی اولاد چچازاد بھی ہوتی ہے اور خالہ زاد بھی۔ البتہ یہاں ایک تیسری روایت بھی ہے کہ قارون حضرت عمران کا بھائی اور حضرت موسیٰؑ کا چچا تھا واللہ اعلم اور منقول ہے کہ وہ خوبصورت خوش آواز اور قاریٔ تورات تھا۔ حتیٰ کہ پوری قوم بنی اسرائیل میں قرائت میں اس کی نظیر کوئی نہ تھا جب خوش آوازی سے تورات کو پڑھتا تھا تو لوگ عش عش کر اُٹھتے جس طرح بنی اسرائیل میں سامری منافق ثابت ہوا۔ اسی طرح یہ شخص بھی نفاق کی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ

تحقیق قارون حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھا پس اس نے بغاوت کی ان پر اور ہم نے دئے اُس کو

مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي

اتنے خزانے کہ ان کی چابیاں بمشکل اٹھا سکتا تھا ایک طاقتور گروہ جب کہ اس کو

الْقُوَّةِ ۖ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

اپنی قوم نے کہا کہ اتراؤ نہیں تحقیق اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا

فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۔ بغاوت کا لغوی معنی ہے بلا استحقاق اُونچے مرتبہ کا طالب ہونا۔ اسی بنا پر حکومتِ جور کے نمائندوں کو باغی کہا جاتا ہے۔ دولت مندی اور روپیہ پیسہ کی فراوانی کی بدولت قارون نے اپنی ساری قوم پر سربلندی کی کوشش کی۔ اور اپنی بڑائی پر اترانا شروع کر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے اس کو بنی اسرائیل پر تحصیلدار مقرر کر دیا تھا چنانچہ یہ بدطینت انسان ان بیچاروں پر ناجائز طور پر زیادہ ٹیکس لگاتا اور ان سے جبراً وصول کرتا تھا۔

## انوارِ علمیہ

۱۔ کنوز جمع ہے کنز کی۔ لغت میں مال جمع کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اور عرفِ عام میں زمین کے نیچے دفن شدہ مال کو کنز کہا جاتا ہے۔ اور اصطلاحِ شرعیہ میں ہر اُس مال کو کنز کہا جاتا ہے جس سے واجباتِ شرعیہ ادا نہ ہوں۔ خواہ وہ مال گھر میں ہو یا بنک میں اور زمین کے اُوپر، ظاہر ہو یا زیرِ زمین پنہاں ہو اور قرآن مجید میں جہاں مال کے خزانہ کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ وہاں صاحبانِ کنز سے وہی لوگ مراد لئے گئے ہیں جو واجبات ادا نہ کریں۔

۲۔ مَفَاتِحَ۔ جمع ہے مفتاح کی جس طرح کہ مفاتیح بھی اس کی جمع آتی ہے۔ اصل اس کا معنی چابی ہے اور یہاں بھی بعض مفسرین کے نزدیک یہی مراد ہے کہ قارون کے خزانے کی چابیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ ایک طاقت ور جماعت ان کو بمشکل اٹھا سکتی تھی لیکن اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس جگہ مفاتیح سے مراد خود خزانہ ہے یعنی اس کے خزانہ (زروجواہر) اس قدر تھے کہ طاقتور جماعت سے اُن کا اٹھانا مشکل تھا اور اس کی نظیر قرآن میں موجود ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ یعنی اللہ کے پاس غیب کے خزانے ہیں۔

۳۔ لَتَنُوْٓءُ۔ نَوْءٌ سے مراد اس قدر بوجھ جس سے اٹھنا مشکل ہو اسی مناسبت سے عرب لوگ مشرق سے اُٹھنے والی ہواؤں کو انواء سے تعبیر کرتے ہیں جو بارش کا پیش خیمہ ہوتی ہیں اس کا تعدیہ باب افعال اور حرف جر دونوں سے کیا جا سکتا ہے

| |
|---|
| وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ |
| اور طلب کر بذریعہ اس کے جو اللہ نے تجھے عطا کیا ہے آخرت کے گھر کو اور نہ بھول جا اپنا حصہ |
| نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ |
| (نیکی و خیر کا) دنیا سے اور (لوگوں پر) احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور نہ طلب کر |
| وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ |
| (ایسا عمل جو موجب) فساد ہو زمین میں تحقیق اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا |

چنانچہ اَنَاءَهٗ اور نَاءَ بِهٖ دونوں مستعمل ہوتے ہیں۔ ۴۔ عصبہ۔ ایسی جماعت کو کہتے ہیں جو مل جل کر ایک کام کریں اس کی تعیین میں چند اقوال ہیں ۱۔ تین سے دس تک (۲) دس سے پندرہ تک، تیسرا قول دس سے چالیس تک کا ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ چالیس آدمیوں کی جماعت کو عصبہ کہا جاتا ہے۔

لَا تَفْرَحْ۔ فرح کا معنی خوش ہونا اور مرح کا معنی تکبّر کرنا اور اترانا یہاں فرح مرح کے معنی میں ہے۔

وَابْتَغِ۔ یعنی اللہ کی عطا کردہ دنیاوی نعمات مال و دولت اور صحت و تندرستی وغیرہ کے ذریعے آخرت کی بھلائی

کے لیے اعمال بجالاو اور دنیا سے جو آخرت کا حصّہ کمانا ہے اس کو لذاتِ دنیا میں منہمک ہو کر پس پشت نہ ڈال دے اور اسی قسم کا ایک نصیحت آمیز فقرہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے بھی منقول ہے کہ اپنی قوت ۔ صحت ۔ فراغت ۔ شباب ۔ فرصت اور دولت کو منفعتِ اخروی کے حصول کے لئے خرچ کرو ۔ اور یہ بات بھول نہ جاؤ ۔ اور مروی ہے کہ قارون باوجود دولت مند ہونے کے حد درجہ بخیل تھا ۔ حتٰے کہ اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بھی بخل کرتا تھا ۔ اس لئے اس کو کہا گیا کہ منافع دنیاوی میں سے جائز و درست حد تک خود بھی فائدہ اٹھاؤ ۔ اور فالتو مال سے اپنی قوم کے حاجت مند افراد کی دستگیری کرو ۔ اور صفتِ احسان کو اپنے اندر پیدا کرو ۔ جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے بہرکیف قارون بنی اسرائیل میں بہت بڑا مالدار بلکہ پوری قوم میں رئیس اعظم تھا ۔ کوٹھیاں ، بنگلے اور اس زمانہ کا تمام عیش و عشرت کا سامان اس کے پاس وافر موجود تھا ۔ بایں ہمہ راہ خدا میں خرچ کرنے میں پکّا بخیل تھا ۔ اس بنا پر روایات میں ہر بخیل دنیادار کو قارون سے تمثیل دی گئی ہے ۔ جس طرح عالم بے عمل کو ابلیس سے ۔ سلطان بے عدل کو فرعون سے اور فقیر بے صبر کو کتے سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔

## قارون کا ذریعہ آمدنی

قارون کی دولت مندی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ چونکہ اندرونی طور پہ حضرت موسیٰ کا مخالف تھا اور منافقانہ چال کا مالک تھا ۔ اس لئے فرعون کا مقرب تھا اور بنی اسرائیل سے ہر کاری ٹیکس وصول کرنے پر سرکاری ملازم تھا ۔ اس لئے پیسہ کمانے کا اچھا خاصہ ذریعہ اس کے پاس موجود تھا ۔ پس اس نے ظالمانہ رویّے کے ماتحت بنی اسرائیل سے ناجائز طور پر خوب روپیہ کمایا اور خزانے جمع کئے ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پڑھا لکھا آدمی تھا اور تجارت میں پوری مہارت رکھتا تھا ۔ نیز زمینداری کا کاروبار بھی جانتا تھا ۔ پس محنت و مشقت کرکے یا تجارتی کاروبار کرکے کافی دولت کمانے میں کامیاب ہو گیا اور تیسرا قول یہ ہے کہ کیمیا گر تھا اور اس فن میں کافی مہارت رکھتا تھا چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے کیمیا گری کے تین اجزا کرکے اپنے تین معتمدین میں سے ایک ایک جزو ہر ایک کو تعلیم فرمایا ۔ چنانچہ ایک جزو قارون کو ۔ دوسرا یوشع کو اور تیسرا جزو حضرت ہارون کے فرزند کو سکھایا قارون

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ

وہ کہنے لگا یقیناً مجھے یہ چیز عطا ہوئی ہے علم (کیمیا) کی بدولت جو میرے پاس ہے کیا وہ نہیں جانتا کہ تحقیق

اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ

اللہ نے ہلاک کیں اس سے پہلے کئی ایسی قومیں جو اس سے طاقت میں سخت تر اور جمعیت میں کثیر تر

اَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔـلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ (۷۸) فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ

تھیں اور یقینی مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا پس اپنی قوم کے پاس آیا

چونکہ طبعاً چالاک و ہوشیار قسم کا آدمی تھا۔ اُس نے منّت سماجت سے یا خوشامد وچاپلوسی سے اُن دونوں سے کیمیاگری کے دونوں باقی جزو حاصل کر لئے اور جو اُس کے پاس تھا وہ ان کو نہ بتایا پس اُس نے فنِ کیمیاگری میں کامیابی حاصل کر لی۔ اور چند دنوں میں بہت بڑا دولت مند ہوگیا۔ پس کوٹھیاں، بنگلے تعمیر کرا لئے۔ سنتری اور پہرہ دار ملازم بھی رکھ لئے اور خدمت گاری اور نوکری کے لئے غلام وکنیزیں بھی مہیا کر لیں۔ اِسی طرح سواری و تفریح کے لئے اچھے اچھے گھوڑے بھی خرید کر لئے۔ غرضیکہ تعیشِ دنیاوی کا ہر قسم کا انتظام اس کے پاس موجود تھا۔ جو اُس زمانہ میں دستیاب ہو سکتا تھا۔

زمانہ حاضرہ میں کافی لوگوں کو کیمیاگری کے شوق و شغف میں سرگردان پایا ہے۔ بعض مخفی طور پر اور بعض اعلانیہ طور پر اس دلربا جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہزاروں روپوں کا زیاں اور وقت کا ضیاع اِس لامتناہی عشق کا ادنیٰ نذرانہ ہے جس کو قلاش و کنگال عاشق بھی کہیں نہ کہیں سے تلاش کرکے طوعاً پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور لُطف یہ کہ مسلسل ناکامیوں کے بعد بھی نہ عاشق مایُوس ہوتا ہے نہ تھکتا ہے اور نہ بے تحاشا خرچ شدہ روپے کے احساس میں کڑھن محسوس کرتا ہے۔ بلکہ مسرّتوں سے دوچار ہونے والی دلہن کی طرح چہرہ ہشاش بشاش اور صورت میں ہر وقت مسکراہٹ جیسی شگفتگی نمودار رہتی ہے۔

مشہور ہے کہ جناب فضہ خادمۂ خاتونِ جنّت کو اس فن میں مہارت حاصل تھی۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کی طرف ایک نظمیہ نسخہ بھی منسوب ہے۔ خذا لفرار ... الخ کیمیاگری کے شائقین کو اب تک ان اشعار کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آسکا۔ اس میں شک نہیں کہ سیماب اور آملہ سار کی صحیح ملاوٹ اور پختگی یقیناً نتیجہ خیز ہے۔ اور ہمارے بعض قریبی احباب اس کا تجربہ بھی کر چکے ہیں۔

سنا ہے کہ بھارت کے علاقہ ہردوار میں ریلوے اسٹیشن شوو آشرم کے قریب ایک ہندو سادھو جسے گسائیں کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس کی رہائش دریائے جمنا کے کنارے کوہ ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے۔ جہاں آس پاس جڑی بوٹیاں بکثرت دستیاب ہو سکتی ہیں جن میں کیمیائی تاثیرات پروردگار نے تفویض کی ہیں وہ نسخۂ مذکورہ بالا کے اجزا کو مختلف طریقوں سے تیار کرتا ہے۔ عام طور پر جڑی بوٹیوں کے ذریعہ سے اور بعض اوقات جڑی بوٹیوں کے بغیر اکسیر خالص بنانے میں مہارت تامہ اس کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں بھی بعض لوگوں کے متعلق سُنا ہے نسخۂ مذکورہ کے بنانے میں عروسِ کامیابی سے ہمکنار ہیں۔ واللّٰہ اعلم۔ ہمیں جہاں سے یہ نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ اس کی اصل بھی وہی ہندو سادھو ہے۔ جس کا ذکر گزر چکا ہے اور معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ وہ ہندو سادھو جس کی عمر اس وقت تقریباً پونے چار سو برس بیان کی گئی ہے۔ جس نے مغلِ اعظم اکبر بادشاہ کا زمانہ اور اُس کا جاہ و جلال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اپنے فن کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی طرف منسوب کرتا ہے اور

کہتا ہے کہ میرا استاد جو تقریباً ایک ہزار سال کی عمر گزار کر فوت ہوا ہے وہ اپنے عنفوانِ شباب میں جڑی بوٹیوں کی تلاش اور سیر و تفریح کے عنوان سے ایک دفعہ مدینہ منورہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا اور طبّ کے موضوع پر آپ سے گفتگو کی تھی (شاید طبیب ہندی جس کا ذکر کتب احادیث میں آتا ہے یہی شخص ہو) چونکہ یہ شخص خواہش نفس کے خلاف کافی ریاضت کر چکا تھا تو اس نے کسی خارقِ عادت امر کا مظاہرہ کیا۔ پس امام نے فرمایا اگر خواہشِ نفس کی مخالفت تجھے اس مرتبہ تک لائی ہے تو اسلام کو قبول کر لو۔ تاکہ لذّاتِ آخرت سے محروم نہ ہو۔ اُس نے کہا کہ دل نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا کہ اِس مقام پر بھی اپنی دلی خواہش کی مخالفت کرو۔ چنانچہ اُس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اور امام نے اس کو کوہِ ہمالیہ کے دامن میں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں کے خواص تعلیم فرمائے اور اس کے علاوہ علمِ طبّ کے متعلّق کافی ہدایات دے کر اس کو مرخص فرمایا۔

وَلَا يُسْأَلُ :- یعنی بروزِ محشر مجرموں سے پُوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ بلاسوال و جواب جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔ البتہ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ خدا فرماتا ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ۔ یعنی ہم سب سے بازپُرس کریں گے۔ اور اس مقام پر فرماتا ہے کہ مجرموں سے بازپرس نہ کی جائے گی بلکہ پوچھ گچھ کے بغیر ان کو داخلِ جہنم کیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر بھی ارشاد ہے۔ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ کہ کسی جن و انس سے اس کے گناہ نہ پوچھے جائیں گے بلکہ فرشتے ان کو علامتوں سے پہچان کر سر اور پاؤں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوندِ کریم کو حساب لینے کی ضرورت تو ہے نہیں۔ کیونکہ وہ سب انسانوں کے حالات کو کلّی و جزوی طور پر جانتا ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ فیصلہ کرنے میں اُن سے جواب کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ فیصلہ تو اُس سے پہلے ہو چکا ہوگا۔ البتہ تنبیہ و توبیخ کے لئے اور اُن کو مزید شرمسار کرنے کے لئے ان سے پوچھے گا کہ تم نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟ پس جہاں وارد ہے کہ پُوچھا جائے گا۔ وہاں مقصد یہ ہے کہ فیصلہ کے لئے نہیں پوچھا جائے گا۔ کیونکہ بیانات پر فیصلہ اس لئے موقوف ہوتا ہے کہ مجسٹریٹ و جج لوگ صحیح واقعات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اور اللہ چونکہ دانا و بینا ہے لہذا اس کو اس امر کی احتیاج نہیں ہے۔ اور دنیاوی عدالتوں میں علمِ ظاہری کی بنا پر فیصلہ ہوتا ہے جو بغیر بیانات کے ناممکن ہے۔ لیکن اُخروی عدالت کا فیصلہ علمِ واقعی پر موقوف ہوگا۔ جو بیانات کا محتاج نہیں ہے۔ مجرم اور مذنب میں یہ فرق ہے کہ مجرم وہ گنہگار ہے جس کا گناہ قابلِ بخشش نہیں رہا یا توبہ پر موفق نہیں ہو سکا۔ اور مذنب وہ گنہگار ہے جس کا گناہ قابلِ بخشش ہے۔ اسی لئے پیغمبر شفیع المذنبین ہے۔ شفیع المجرمین نہیں ہے۔

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ - یعنی قارون ایک دن اپنی قوم بنی اسرائیل کے ہاں آیا تو اپنی پوری ٹھاٹھ کا اُس نے مظاہرہ کیا۔

ایک قول یہ ہے کہ چار ہزار گھوڑے سوار ملازم اس کے ہمرکاب تھے جو ارغوانی ریشمی لباس میں ملبوس

با قرینہ و باادب اُس کے سامنے اپنی نیازمندی کا اظہار کرنے والے تھے ۔ اور ایک روایت میں ہے خوب صورت کنیزیں دائیں بائیں اُس کی نوکری کے لئے حاضر تھیں جن کا ریشمی لباس تھا ۔ اور زیورات سے خوب آراستہ تھیں ۔ قارون نے اپنے منافقانہ رویّے کے ماتحت حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کے بھوکے قلّاش اور سادہ مزاج آدمیوں کے ایمان سے کھینے کے لئے اپنی دولت وحشمت اور جاہ و منزلت کا یہ مظاہرہ کیا تھا جو مستقبل قریب میں اس کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا ۔ چنانچہ اس کی ظاہری ٹھاٹھ کو دیکھ کر جن لوگوں کے ایمان غیر پختہ تھے ۔ ان کے قدم لڑکھڑا گئے ۔ اور جن لوگوں کی نظریں دنیاوی زندگی تک ہی محدود تھیں ۔ وہ اس کو بخت سمجھنے لگے ۔ اور اپنے لئے بھی اسی قسم کے بخت کی تمنائیں ظاہر کرنے لگے ۔ لیکن جو لوگ ایمان میں پختہ اور یقین میں راسخ تھے ۔ اور ان کے اندر علم و عرفان کی قندیلیں روشن تھیں فوراً کہنے لگے کہ یہ عارضی متاع عنقریب زائل ہونے والا بخت ہے ۔ تم اس فضول خواہش میں نہ پڑو ، بلکہ دنیاوی رنج و تکلیف پر صبر سے وقت گزار کر اُخروی زندگی اور اللہ سے عطا ہونے والے انعامات کی تمنائیں دل میں رکھو اور اللہ کی جانب سے عطا ہونے والی اُخروی زندگی کی نعمات جو اس چند روزہ عیش و عشرت سے بدرجہا بہتر ہیں کا صبر و تحمل اور ایمان و عمل سے انتظار کرو ۔

فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يَالَيْتَ

اپنی ٹھاٹھ کے ساتھ تو کہنے لگے وہ لوگ جو دنیاوی عیش کے متوالے تھے ۔ ہائے افسوس

لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ

ہمارا اتنا ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے تحقیق وہ بڑے بخت کا مالک ہے اور کہا ان لوگوں نے

الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ

جنہیں معرفت دی گئی تم پر وائے ہو اللہ کی طرف سے دیا جانے والا بدلہ بدرجہا بہتر ہے

صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ

ان کے لئے جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں اور نہیں موفق ہوتے ایسی باتوں کے لئے مگر صابر لوگ پس دھنسا دیا ہم

الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ

نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین سے پس نہ تھی اس کی کوئی ساتھی جماعت جو اس کی مدد کر سکتی بغیر اللہ کے

**قارون پر نزولِ عذاب** : اس واقعہ کی تفصیل میں اختلاف ہے ۔ قرآن مجید

میں صرف اتنا ہی ہے فَخَسَفْنَا بِہٖ الخ کہ ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنس دیا اور زمین اس کو نگل گئی اور تفسیر مجمع البیان میں روایاتِ عامہ سے منقول ہے کہ قارون نے بنی اسرائیل میں سے ایک بدکار عورت کو دو ہزار نقد کی پیش کش اس شرط پر کی کہ وہ بنی اسرائیل کے بھرے مجمع میں موسٰی پر زنا کی تہمت عائد کرے۔ چنانچہ عورت نے یہ شرط قبول کر لی اور قارون نے ہزار ہزار کی دو تھیلیاں پیش کر دیں جن پر اس کی مہر ثبت تھی جب گھر پہنچی تو دل میں سوچا کہ میں ہر قسم کی برائی سے آلودہ ہو چکی ہوں اور کیا اب اللہ کے برحق پیغمبر کو بدنام کرنے کا گناہ بھی اپنے سر لے لوں؟ پھر دل میں عہد کر لیا کہ یہ گناہ ہرگز نہ کروں گی۔ چنانچہ صبح سویرے وہ دونوں تھیلیاں بنی اسرائیل کے مجمع میں لائی اور صاف صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھے یہ دو مہر شدہ تھیلیاں اس شرط پر دی ہیں کہ میں بھرے مجمع میں موسٰی پر اپنے متعلق زنا کا الزام لگاؤں اور معاذ اللہ میں اللہ کے برحق پیغمبر پر یہ الزام ہرگز نہیں لگاتی۔ پس حضرت موسٰی سخت ناراض ہوئے اور قارون پر بددعا کی تو اللہ نے بذریعہ وحی اطلاع دی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کیا ہے۔ اس کو جو حکم کرے گا وہ تعمیل کرے گی۔ اور قارون کی اس سازش کی وجہ بحار الانوار میں یہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ہزار وال حصہ زکوٰۃ کا حکم سنایا تو قارون نے زکوٰۃ سے بچنے کے لئے یہ تجویز سوچی تھی اور بنی اسرائیل کے بعض دوسرے مالدار آدمیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اس میں یہ ہے کہ عورت مذکورہ جب بنی اسرائیل کے مجمع میں پہنچی تو بولنے کے لئے اٹھی پس فوراً اس کی زبان بند ہو گئی جب تین دفعہ اس کو یہ واقعہ پیش آیا تو توبہ کر لی اور حضرت موسٰی کے سوال کے جواب میں اس نے قارون کی ساری سازش کی قلعی کھول دی پس موسٰی نے بددعا کی اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ جب حضرت موسٰی بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر مصر سے نکل گئے تو ایک کھلی زمین میں پہنچے۔ پس خدا نے ان پر من و سلوٰی بھی نازل فرمایا اور پتھر سے بارہ پانی کے چشمے بھی اُبلے تو بنی اسرائیل کو اللہ کا یہ انعام و احسان راس نہ آیا۔ انہوں نے حضرت موسٰی سے زمین کی سبزیوں ترکاریوں اور دیگر اُگنے والی غذاؤں کا مطالبہ کیا۔ جب ان کو حکم ہوا کہ شہر میں داخل ہو جاؤ اور تمہارا مطالبہ پورا کیا جائے گا تو انہوں نے صاف انکار کیا کہ وہاں جابر و سرکش لوگ موجود ہیں۔ جب تک وہ نکل نہیں جائیں گے ہم نہیں داخل ہوں گے پس اُس کی سزا میں اللہ نے ان کو چالیس برس تک تیہ میں سرگردان رکھا جو آج کل صحرائے سینا کے نام سے مشہور ہے۔ اس دوران میں بنی اسرائیل کے باقی تمام لوگ تو دعائیں مناجاتیں اور قرأتِ تورات کو ہر وقت جاری رکھتے اور گڑگڑا کر اللہ سے معافی کی درخواستیں کرتے تھے لیکن قارون نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی حالانکہ قاری تورات اور خوش الحان بھی تھا۔ ایک دن حضرت موسٰی بنفسِ نفیس اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو توبہ کی تلقین فرمائی۔ وہ بدبخت اُلٹا حضرت موسٰی علیہ السلام کا منہ چڑانے لگ گیا حضرت موسٰی کے دل پر سخت چوٹ لگی لیکن غصہ کو پی کر واپس اپنے دولت سرا پر تشریف لائے۔ آپ اونی جبّہ زیبِ تن کئے ہوئے تھے اور گدھے کے چمڑے کا جوتا پاؤں میں تھا اور عصا ہاتھ میں تھا۔ قارون کیمیاگری کا فن چونکہ جانتا تھا۔ وہ اپنی دولت کے نشہ میں چور بدمست تھا۔ حضرت موسٰی کی نصیحت کو اس نے اپنی توہین سمجھا۔ پس چند نوکروں کو حکم دیا کہ راکھ کو پانی میں ملا کر حضرت موسٰی جہاں بھی تشریف فرما ہوں ان کے اوپر انڈیل دیں چنانچہ حضرت موسٰی کو اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا حتّٰی کہ آپ کے کندھے کے بال کھڑے ہو گئے اور ان سے خون ٹپکنے لگا اور یہ آپ کے غصّہ کی نشانی تھی۔ پس اللہ سے قارون کی اس حرکت کی رپورٹ کی اور استغاثہ کیا اور

اللہ نے بذریعہ وحی اطلاع دی کہ میں نے زمین کو تیرے لئے تابع فرمان کر دیا ہے۔ قارون نے اپنے محل کا دروازہ بند کرا دیا تھا لیکن حضرت موسیٰ کے اشارے سے سب دروازے کھل گئے۔ جب قارون نے حضرت موسےٰ کے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو وہ سمجھ گیا کہ اب عذاب آیا چاہتا ہے۔ اُس نے اپنی رشتہ داری کا واسطہ دیا تو آپ نے جواب دیا۔ یَا بْنَ لَاوِیْ لَا تَزِدْنِیْ مِنْ کَلَامِکَ یعنی اے لاوی کے بیٹے خاموش رہو (لاوی حضرت یوسفؑ کا بھائی تھا۔ حضرت موسیٰ خود بھی لاوی کی اولاد میں سے تھے) پس آپ نے زمین کو قارون کے نگلنے کا حکم دیا تو زمین اس کو محل اور خزانوں سمیت نگل گئی۔

خداوند کریم نے حضرت موسیٰ کو یہ بات جتلائی جب اللہ سے کلام کے شرف کا موقعہ ملا تو اللہ نے پوچھا کہ تُو نے قارون کو کیوں نہ معاف کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب میں عرض کی اُس نے مجھے تیرے غیر کا (اپنی رشتہ داری کا) واسطہ دیا۔ اگر وہ تیرا واسطہ دیتا تو میں معاف کر دیتا۔ پس ارشادِ خداوندی ہوا۔ یَا ابْنَ لَاوِیْ لَا تَزِدْنِیْ مِنْ کَلَامِکَ یعنی اے لاوی کے بیٹے خاموش رہو تو حضرت موسیٰؑ نے عرض کی اے پروردگار! اگر مجھے علم ہوتا کہ اس کو معاف کرنے میں تیری رضا ہے تو میں ضرور معاف کر دیتا۔ پس ارشاد ہوا اے موسیٰؑ مجھے اپنی عزت جلال جود و مجد اور بلندی کی قسم جس طرح اس نے تجھے پکارا تھا اگر اس وقت بھی وہ مجھے یاد کر لیتا تو میں اس کو عذاب کی گرفت سے بچا لیتا لیکن سابق مجمع البیان کی روایت میں اس طرح ہے کہ جب پہلی مرتبہ موسیٰؑ نے زمین کو نگلنے کا حکم دیا تو زمین نے صرف اس کے تخت کو نگلا جب قارون نے یہ دیکھا تو اس نے رحم کا واسطہ دے کر معافی مانگی لیکن حضرت موسیٰؑ نے دوبارہ زمین کو حکم دیا پس اُس نے قارون کے قدموں کو پکڑ لیا۔ پھر اُس کے گھٹنوں تک پہنچی پھر کمر تک پہنچی اور ہر بار رحم کا واسطہ دے کر معافی مانگتا رہا۔ حتیٰ کہ زمین اس کے سارے جسم کو نگل گئی تو اللہ نے فرمایا کہ اس نے قرابت کا واسطہ دے کر تجھ سے استغاثہ کیا تھا اور تُو نے منظور نہ کیا۔ اگر اسی حالت میں وہ مجھے پکارتا تو میں ضرور اس کو معاف کر دیتا۔ پس بنی اسرائیل کے بعض بدظن لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قارون کو غرق کر کے اُس کے خزانوں کا مالک خود ہی بنے گا تو تین دنوں کے اندر اندر زمین اس کے محلات و خزائن کو بھی نگل گئی۔ دیگر کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ روایت مذکورہ ملتی ہے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ

اور نہ اس کی مدد کی جا سکی — اور ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے خواہش کی تھی اس

بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

کی منزلت کی کل کہتے تھے۔ اوہو یقیناً اللہ وسیع رزق دیتا ہے جسے چاہے اپنے بندوں میں

مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ

سے اور تنگ بھی کر لیتا ہے اگر اللہ کا احسان نہ ہوتا تو ہم بھی دھنس جاتے

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ۔

جن لوگوں نے قارون کا جاہ و جلال دیکھ کر دولت مند ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اب جو قارون کا انجام دیکھا تو کہنے لگے خوشحالی و تنگدستی اللہ کی مصلحت کے ماتحت ہے اور اللہ انسان کو دو نو حالتوں میں آزماتا ہے۔ اگر ہم قارون کی طرح ہوتے تو ہمارا انجام بھی یہی ہوتا۔

## دنیا دارِ امتحان ہے

خداوندِ کریم نے دنیاداروں اور مالداروں کو اس لئے دولت مند و مالدار نہیں کیا کہ وہ اس کو دوسروں کی بہ نسبت عزیز تر ہیں اور غریبوں و ناداروں کو اس لئے نادار نہیں کیا کہ وہ اس کو ناپسند ہیں بلکہ یہ دونوں حالتیں اور بعض اوقات ان کا باہمی تبدل امتحان کے لئے ہیں۔ دولتمند کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنی دولت کو غلط راستہ پر نہ لگائے۔ حقوقِ خداوندی اور حقوقِ معاشرہ کی ادائیگی میں کمی نہ کرے بے جا صرف سے بچے اور ظلم کے بجائے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرے اور شکرِ پروردگار بجالائے اور نادار کی کامیابی یہ ہے کہ اپنے سے طاقت ور کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے سے کمتر مخلوق پر نگاہ ڈالے اور اللہ کے احسان کا شکریہ ادا کرے کہ اس نے اسے اشرف بنایا اور ہر آنے والی تکلیف و مصیبت کا ثباتِ قدم سے مقابلہ کرے اور صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ خداوندکریم نے انبیاء میں بھی بعض کو غربت و ناداری میں رکھا اور بعض کو امیر و دولت مند کیا چنانچہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قسمِ اوّل میں سے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو قسم قسم کی اذیتوں سے ستایا گیا۔ بُت شکنی کے بعد ظالم حکومت کی طرف سے ان پر سخت مقدمہ چلایا گیا اور سزائے موت سُنائی گئی کہ اس کو زندہ آگ میں جلایا جائے اور اس کے علاوہ خدا معلوم کیا کیا تکلیفیں پہنچائی گئیں لیکن نہ خلیل کی ہمت میں فرق آیا نہ حوصلہ پست ہوا نہ اللہ سے شکوہ کیا اور نہ تبلیغ میں سستی دکھائی۔ ہر سر پہ آنے والی مصیبت کا وسعتِ قلبی سے سامنا کرتے گئے اور اپنے موقفِ نبوت پر ڈٹ کر بالآخر کفر و شرک کی تیز تر آندھیوں کا منہ موڑ کر رہے اور گوناگوں کے امتحانات سے اوّل نمبر کامیابی حاصل کر کے امامت عامہ کے عہدہ جلیلہ کا سرٹیفکیٹ لے کے رہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے بھی انتہائی غربت و ناداری سے وقت گذارا فرعون جیسے سرکش ظالم حاکم کی رعایا بن کر رہنا ایک شریف النفس انسان کے لئے کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی ظالم حکومت میں ان کے خلاف قتل کا مقدمہ دائر ہوا وہاں سے بھاگ کر مدائن میں حضرت شعیب کے ہاں پناہ لی اور طویل مدت کی صبر آزما زندگی کے بعد جب مراجعت فرمائے وطن ہوئے تو کلیم اللہ ہونے کا شرف ملا جس نے گذشتہ تمام مصائب بُھلا دیئے۔

ان کے برعکس حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کو اللہ نے نبوت کے عہدہ کے ساتھ امیری مالداری بلکہ شاہانہ سطوت بھی عطا فرمائی۔ اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب نبیوں کے اوصاف عطا فرمائے اس لئے زندگی کا ایک حصّہ ناداری میں اور دوسرا حصّہ سرداری میں آپ کو بسر کرنا نصیب ہوا تاکہ آپ کی زندگی کے ہر دو پہلو تمام امت کے غرباء و امراء سب کے لئے باعثِ نصیحت ہوں اس کی مصلحت یہی ہے کہ معاشرہ انسانی کے غریب و نادار و بے کس افراد ان سابق انبیاء کی سیرت کو اپنائیں جنہوں نے ظالم حکومتوں کے دورانِ حکومت میں قسم و قسم کے مصائب و آلام جھیلے اور صبر و حوصلہ سے کام لے کر اپنے سفینۂ زندگی کو پُرامن طور پر ساحلِ مراد تک پہنچایا اور معاشرہ انسانی کے امراء و رؤساء اُن سابق انبیاء کے کردار کو اپنائیں جنہوں نے حکومت و سلطنت کے باوجود اپنے ہاتھ سے کمایا اور کھایا اور دولتِ ملکی کو غریب عوام کی سہولتوں کے لئے استعمال کیا نیز عدل و انصاف کی بساط بچھا کر ایک اسوۂ حسنہ کی تشکیل کر گئے اور ہمارے پیغمبرؐ کی زندگی کے دونوں حصّے بھی دونوں طبقوں کے لئے خضرِ راہ کا کام دیتے ہیں۔

اللہ نے جن نبیوں کو غربت و ناداری عطا کی اور حکومت جور کے مظالم کا نشانہ بننے کے باوجود انہوں نے رضائے خداوندی کو

ملحوظ رکھ خدا ان کی ناز برداری بھی کرتا رہا حتیٰ کہ موت کے وقت جب خلیل اللہ نے عزرائیل سے کہا کہ کیا کوئی دوست بھی دوست کی موت چاہتا ہے تو عزرائیل کو حکمِ پروردگار ہوا کہ میرے خلیل سے کہو کیا کوئی دوست بھی دوست کے وصال سے گھبراتا ہے بالآخر آپ نے موت کا محبت سے استقبال کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی عزرائیل سے گفتگو موجود ہے کہ میرا روح میرے جس عضو سے قبض کرے گا اس نے اللہ کی رضا کی خاطر قربانی دی ہوئی ہے تو تفسیر قمی کی سابقہ روایت کے آخر میں ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے تیرے لئے ایک ایسی قیام گاہ کا انتظام کیا ہے جس سے تیری آنکھوں کو ٹھنڈک ہو گی چنانچہ اپنے وصی کے ہمراہ طورِ سینا کی پہاڑی پر چڑھے تو ایک شخص ملا جس کے ہاتھ میں بیلچہ تھا آپ نے اس سے اپنا مقصد دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کے ایک دوست کی قبر کھودنی ہے آپ نے فرمایا میں بھی اس معاملہ میں تیری امداد کرتا ہوں۔ جب قبر تیار ہو چکی تو اس شخص نے قبر میں اُترنے کا ارادہ کیا، آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیوں کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ قبر درست تیار ہوئی ہے یا نہ تو آپ نے فرمایا یہ کام بھی میں خود انجام دوں گا چنانچہ جب قبر میں لیٹے تو ادھر سے جنت کے دروازے کھل گئے اور ملک الموت نے روح قبض کر لیا اور اس کے برعکس جب امیرِ دانا نبی کی موت کا وقت آیا تو حضرت سلیمان پیغمبر کو محل سے نیچے اترنے بلکہ لیٹنے اور بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دی گئی اور حالتِ قیام میں عصا کے سہارے کھڑے ہوئے اس کی روح کو قبض کر لیا گیا۔

حضور رسالتمآبؐ نے زندگی کا جو حصہ غربت و افلاس میں گذارا وہ غرباء کے لئے باعثِ رشک ہونے کے علاوہ ہر مسلمان کہلانے والے انسان کے لئے درسِ عبرت و نصیحت بھی ہے اور جب آپ کو مدینہ میں فتوحاتِ ظاہریہ کے بعد اور دشمنوں کے قلع قمع کے بعد دینی و روحانی سلطنت کے ساتھ ساتھ دنیاوی و ملکی حکومت بھی عطا کی گئی اور آپ کرسئ اقتدار کے مالک ہو گئے۔ تب بھی سابق مفلسی کی زندگی کو اپنا شعار رکھا نہ کبھی پیٹ بھر کر کھایا اور نہ قیمتی لباس زیبِ تن فرمایا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اپنے جسم کو مشقت میں رکھا حتیٰ کہ تا قیامت اُمتِ اسلامیہ کا غریب سے غریب ترین اور مفلس سے مفلس ترین انسان بھی آپ کی سی مشقت کا دم نہیں بھر سکتا اور باوجود اس کے صبر و سکون اس قدر کہ چہرہ ہر وقت ہشاش بشاش اور ذکر و شکرِ پروردگار ہر وقت وردِ زبان رہا اسی نہج پر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی کے دونوں پہلو ہو بہو حضرت رسالتمآبؐ کی زندگی سے مشابہت تامہ رکھتے ہیں۔ جب آپ کے پاس ملک الموت آیا تو بغیر اذن کے اندر آنے کی جرات نہ کر سکا اور اسی کے آمد سے قبل حضرت جبرائیل نے خزائن ارضیہ کی چابیاں پیش کر کے عرض کی کہ اللہ فرماتا ہے تو نے میری رضا کی خاطر ساری زندگی مشقت میں بسر کی ہے۔ اب اگر چاہو تو یہ خزائن ارضیہ کی کنجیاں ہیں۔ پوری ظاہری ٹھاٹھ کے ساتھ جس قدر چاہو زندگی گزارو اور آپ کے مراتبِ عالیہ و منازلِ رفیعہ میں بھی کوئی کمی نہ ہو گی اور اگر چاہو تو میرا وصال قبول کر لو۔ آپ نے جواب میں نہایت اطمینان و سکون سے فرمایا مجھے دنیاوی حکومتوں سے اللہ کی لقاء محبوب تر ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

وَيْ كَاَنَّ: مجمع البیان میں ہے کہ وَيْ کا کلمہ اپنی سابقہ خواہش سے ندامت و پشیمانی کے اظہار کے لئے ہے اور دراصل وَيْ اور كَاَنَّ جدا جدا لفظ ہیں ویسے قرآن کے رسم الخط میں ان کو ملا کر لکھا جاتا ہے۔

رکوع ۱۲ ۔۔۔ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ الخ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حفص بن غیاث سے فرمایا میں دُنیا کو ایک مُردار کی طرح جانتا ہوں کہ بوقتِ مجبوری بقدرِ ضرورت اس کا استعمال جائز ہوتا ہے۔ اے حفص اللہ کو بندوں کے اعمال اور ان کی بازگشت کی خبر ہے پس وہ اپنے علم کے پیشِ نظر ان کی بداعمالیوں کے باوجود حلیم ہے پس جرأت کر کسی کے بھاگ جانے کا فکر نہ ہو اس کے نرم برتاؤ سے دھوکا نہ کھاؤ۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ الخ اور بہت روئے اور فرمایا اس آیت کی تلاوت کے بعد ہر دنیاوی اُمنگ و امید پر خود بخود پانی پھر جاتا ہے۔ الحدیث۔ تفسیر مجمع البیان میں

زاذان سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تنہا بازاروں اور گلیوں میں گشت لگاتے تھے پس بھولے بھٹکے کو رستہ دکھاتے ناتوان و کمزور کی دست گیری کرتے اور جب سبزی فروشوں اور دیگر دوکانداروں کے پاس سے گزرتے تو قرآن مجید کو کھول کر اس آیتِ مجیدہ کی تلاوت کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ہر اُس شخص کے لئے ہے جو کرسی قضا و عدالت پر بیٹھا ہو یا جس کو عوام الناس پر قدرت و تسلط حاصل ہو اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا جس شخص کو اپنے جوتے کے تسمے پر بھی ناز ہو وہ بھی بمطابق مفہوم

وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝۸۲ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ

اور ہوا یقیناً کافر چھٹکارا نہیں پائیں گے ۔۔۔ آخرت کا گھر (جنت) ہم

نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

قرار دیں گے ان لوگوں کے لئے جو نہیں تکبر کرتے زمین میں اور نہ فساد کرتے ہیں اور

فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝۸۳ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ

نیک انجام متقی لوگوں کا ہوگا ۔۔۔ جو نیکی بجالائے گا اس کو

خَيْرٌ مِنْهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا

اس سے بہتر جزا ملے گی اور جو بُرائی کرے گا تو نہیں جزا دی جائے گی بُرائی کرنے والوں

السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۸۴ إِنَّ الَّذِي

کو مگر اتنی جتنا اُنہوں نے برائی کا عمل کیا ۔۔۔ تحقیق جس ذات نے

آیت کے تکبر و فساد کی زد میں آئے گا یعنی لوگوں پر اپنے لباس کے ذریعے تکبر کرنا بھی ممنوع ہے۔ خدا تمام مومنین کو اس قسم کی موذی امراضِ روحانیہ سے نجات بخشے۔

إِنَّ الَّذِي ۔ یعنی جس ذات نے تیرے اُوپر قرآن مجید کے احکام کی پیروی کو لازم و فرض قرار دیا اُس کا فیصلہ ہے کہ تُو اپنے وطن مکہ کی طرف پلٹے گا اور یہ آیت آپ کے دعوائے نبوت کی صحت کی دلیل ہے کیوں کہ عالم الغیب ذات ہی اس قسم کے زمانۂ

استقبال کے واقعات کو حتمی طور پر بیان کرسکتی ہے اور تاریخ نے ثابت کردیا کہ مستقبل قریب میں قرآن کی یہ پیش گوئی من وعن صحیح ثابت ہوئی۔ بعض لوگوں نے معاد سے موت۔ حیات اور جنت علی حسب الاقوال مراد لی ہے لیکن علامہ طبرسی نے پہلے قول کو

فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ

فرض کیا تیرے اوپر قرآن (کی پیروی کرنا)، ضرور پلٹائے گا تجھے بازگشت (مکہ) کی طرف کہہ دیجئے میرا رب

مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا

جانتا ہے جو ہدایت لایا اور جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے اور نہیں

كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ

تھی تجھے توقع اس بات کی کہ اتاری جائے گی تجھ پر کتاب مگر یہ رحمت ہے تیرے

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا یَصُدُّنَّكَ

رب کی طرف سے پس نہ ہو مددگار کافر لوگوں کا اور نہ وہ تجھے روکیں

عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ

اللہ کی آیات سے بعد اس کے کہ تجھ پر نازل ہو چکیں اور بلاؤ طرف اپنے رب کے اور

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

نہ ہو مشرکوں میں سے اور نہ پکارو اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں کوئی معبو

اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع ۲

مگر وہ ہر شے ہلاک ہوگی۔ مگر اس کا دین۔ اسی کا ہی حکم ہے اور اُسی

قوی قرار دیا ہے اور یہی حق ہے اور آیت مجیدہ کی تاویل میں زمان رجعت کا پلٹنا بیان کیا گیا ہے اور تفسیر برہان میں اس مضمون کی کافی روایات مذکور ہیں۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ کسی نبی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مجھے کس وقت اعلانِ نبوت کا حکم ملنے والا ہے یا کوئی آسمانی کتاب وصحیفہ میرے اوپر اترنے والا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ نبی ابتدائے زندگی سے ان تمام امور سے اجتناب کرتا ہے جو مرضئ خداوندی کے خلاف ہوں اور تمام ان امور کی بجا آوری کرتا ہے جو ناموسِ انسانیت کے لئے باعث کرامت اور رضائے پروردگار کے عین مطابق ہوں۔ اور ایسی تمام استعدادیں اس میں موجود ہوتی ہیں جو عہدۂ نبوت کے لئے ضروری ہیں صرف اعلانِ نبوت کے لئے ایک وقت مقررہ ہے جو صرف اللہ کو ہی معلوم ہے۔ پس وہ

جب چاہے حکم دے دے اور جب چاہے صحیفہ یا کتاب اتار دے۔ اسی بنا پر آیت مجیدہ میں ہے کہ تجھے تو توقع تک نہ تھی کہ مجھ پر کوئی کتاب بھی اتاری جائے گی لیکن اللہ نے اپنی رحمت سے تجھ پر یہ احسان عظیم و فضل جسیم فرمایا جس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے اور یہ آیت ان احادیث سے منافات نہیں رکھتی کہ نبی نبی ہوتا ہے اگرچہ عالم طفولیت میں ہی ہو کیونکہ ہر نبی پہلے سے بالقوہ نبی ہوتا ہے اور اعلان کے بعد بالفعل نبی کہلاتا ہے۔ اسی طرح كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کی منزلیں طے کر رہا تھا یعنی اللہ کے علم سابق میں اس وقت سے نبی ہوں جب سے اُس نے اپنی مصلحت کے ماتحت عالم کائنات کو زیورِ تخلیق سے آراستہ کر کے خلعت وجود عطا فرمائی۔ اگرچہ ظاہری طور پر اعلان نبوت و رسالت جسمانی پیدائش کے چالیس سال بعد ہوا اور قرآن بھی بعد میں نازل ہوا۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ ہلاکت اور موت ایک دوسرے کے مترادف استعمال ہوتے ہیں لیکن اصطلاح میں موت کا مفہوم ہلاکت سے عام ہے۔ ہلاکت اُس موت کو کہا جاتا ہے جو رضائے پروردگار کے ماتحت واقع نہ ہو اور ہلاک ہونے والا عذاب کا مستحق گردانا گیا ہو۔ اور ہلاکت کے مقابلہ میں شہادت استعمال ہوتا ہے۔ پس جہاں یہ لفظ مستعمل ہو کہ فلاں شہید ہوا تو اس کا معنی یہ ہے کہ رضائے پروردگار کے ماتحت اس کی موت واقع ہوئی اور جہاں یہ کہا جائے کہ فلاں ہلاک ہوا اس کا یہ معنی ہوتا ہے کہ اس کی موت میں ناراضگی خداوندی کا دخل ہے اور اتمامِ حجت کے بعد کہا گیا ہے لِيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ کہ جو زندگی کو پسند کرے تو بھی واضح دلیل کے بعد اور يَهْلِكُ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ اور جو ہلاکت کے گڑھے میں گرے وہ بھی واضح دلیل کے بعد آیت مجیدہ میں ہلاکت کا معنی وہ موت ہے کہ مرنے والے پر اللہ کا عتاب و عقاب ہو۔ بنا بریں شئی سے مراد بھی عام نہیں بلکہ خاص وہ افراد مخلوق مراد ہوں گے جو دائرۂ تکلیف کے اندر ہیں خواہ قوم جن سے ہوں یا انسان۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ کوئی مکلف عتاب پروردگار سے نہ بچ سکے گا۔ مگر وہ لوگ جو اس کے دین یا اس کے معیّن کردہ صراطِ حق پر چلنے والے ہوں گے۔ اسی بنا پر احادیث آئمہ میں وجہہ سے مراد دین، صراط اور ولائے آلِ محمدؐ ہے۔

۱۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی صفوانِ جمال نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آیت مجیدہ میں وجہ سے مراد اطاعت محمدؐ ہے۔ اور یہ وہ وجہ ہے جو ہلاک نہ ہوگا۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمیں اللہ نے پیدا کیا اور بہترین حالت میں پیدا کیا اور ہمیں اللہ نے صورت دی اور بہترین صورت دی اور ہمیں اپنے بندوں کی طرف اپنا نمائندہ نامزد کیا اور مخلوق میں اس کی جانب سے ہمیں اپنی لسانِ ناطق قرار دیا اور اپنے بندوں پر ہمیں اپنا دستِ رحمت بنایا۔ ہم اس کی وہ وجہ ہیں جس کے ذریعے اس تک پہنچا جا سکتا ہے ہم اس کا وہ دروازہ ہیں جو اس کی طرف رہبری کرتے ہیں ہم اس کی جانب سے آسمان و زمین میں خزانہ دار ہیں۔ ہماری وجہ سے درختوں کو پھل لگتا ہے اور پھلوں کو پختگی حاصل ہوتی ہے اور چشمے جاری ہوتے ہیں۔ آسمان سے بارش برستی ہے اور زمین سے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ہماری عبادت کی وجہ سے اللہ کی عبادت کی گئی اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔

(۳) آپ نے فرمایا ہم حجت اللہ باب اللہ اور لسان اللہ وجہ اللہ عین اللہ اور اس کے بندوں میں سے اس کی جانب سے ولاۃ الامر یعنی حکمران ہیں۔

۴۔ بروایت برقی آپ نے آیت مجیدہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے ہر شے ہلاک ہو گی مگر وہ لوگ ہلاک نہ ہوں گے جو ہمارے شیعوں کے طریق پر گامزن ہوں گے اور دوسری روایت میں ہے مگر وہ جو راہِ حق پر ہوں گے۔

۵۔ بروایت صدوق امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا آیتِ مجیدہ میں وجہ سے مراد اس کا دین ہے۔

۶۔ بروایت محاسن برقی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ کی بارگاہ میں اطاعتِ محمدؐ اور اطاعت آئمہؑ کے ساتھ پیش ہوگا وہ ہلاک نہ ہوگا اور یہی اس کی وجہ سے مراد ہے۔

۷۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیتِ مجیدہ میں اللہ نے جس وجہ کو ہلاکت سے مستثنیٰ قرار دیا خدا کی قسم اس سے مراد ہم ہیں اور قیامت کے دن ہرگز وہ شخص ہلاک نہ ہوگا جو اللہ کے حکم کے مطابق ہمارا اطاعت گزار اور ہماری ولایت کا پیروکار ہوگا۔ پس خدا کی وجہ سے یہی معنی مراد ہے اور ہم میں سے جو بھی مرتا ہے اپنا جانشین چھوڑ کر مرتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا

۸۔ مجمع البیان میں علامہ طبرسی نے بھی امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آیتِ مجیدہ میں وجہ خدا سے مراد اس کا دین ہے گویا جو اس پر عمل پیرا ہوگا وہ ہلاکتِ ابدی سے بچ جائے گا۔ اللہ نے دوسرے مقام پر فرمایا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ اس آیت میں اس نے اپنی ساری مخلوق اور اپنے وجہ کو الگ الگ بیان فرمایا ہے۔ پس وجہ سے مراد اس کا دین ہے اور محمد و آلِ محمدؐ کی ولایت و امامت کے اقرار کے بعد ان کی پیروی ہے پس آیتِ مجیدہ میں وجہ کا مضاف محذوف ہے یعنی اطاعت کرنے والے اور مضاف الیہ کو بطور مجازِ مرسل کے طریقے سے اس کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔

# سُورہ العنکبوت

اس سورہ کی پہلی گیارہ آیتیں مدنی ہیں باقی سورہ مکیہ ہے۔

اس سورہ کی آیات کی تعداد ستر ہے۔ جن لوگوں نے ۶۹ لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت بسم اللہ کو کثرت وتکرار کی وجہ سے انہوں نے شمار نہیں کیا حالانکہ علمائے شیعہ کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کی جزء ہے سوائے سورہ التوبہ کے اور سورہ النمل میں یہ آیت دو دفعہ اُتری ہے۔ ایک دفعہ ابتدائے سورہ میں اور دوسری دفعہ اثنائے سورہ میں۔ ہم نے اس سے پہلے علمائے مفسرین کے طریقہ پر کثرت وتکرار کی وجہ سے تعداد آیات میں بسم اللہ کو شمار نہیں کیا۔ لیکن چونکہ بعض شیعہ افراد کی غلط فہمی کا اندیشہ ہے کہ کہیں وہ بھی یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ شاید بسم اللہ سوائے سورہ فاتحہ کے اور کسی سورہ کے ابتدا میں جزء سورہ نہیں ہے ورنہ آیات کی تعداد میں شمار ہوتی اس لئے ہم نے تعداد آیات میں اس کا شمار لازمی قرار دیا ہے اور دوسرے ایڈیشن میں انشاء اللہ اس سے پہلے سوروں میں بھی اس لغزش کا تدارک کیا جائے گا۔

۱۔ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص سورہ عنکبوت کو ۲۳ ماہ رمضان کی رات تلاوت کرے گا۔ وہ بلا استثناء جنت میں داخل ہوگا الخبر (ابن بابویہ)

۲۔ حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ مبارکہ کی تلاوت کرے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں نیز تمام منافق مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور جو شخص اس کو لکھ کر دھو کر پی لے تو اس کی باذن اللہ تمام بیماریاں اور دُکھ ختم ہو جائیں گے۔

۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس کو دھو کر پیئے اس کی خوشی دائمی ہو گی دل مسرور اور سینہ صاف وکشادہ رہے گا۔ الخبر۔

۴۔ آپ نے فرمایا جو شخص سوتے وقت اپنی ناف پر انگلی رکھ کر اس کو پڑھے گا وہ بدخوابی سے محفوظ رہے گا۔ اوّل شب سے تا آخر آرام کی نیند سوئے گا۔ باذن اللہ۔

رکوع ۱۳

اَحَسِبَ النَّاسُ ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کا شانِ نزول ان مسلمانوں کے حق میں ہے جو مکہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے پس ان کی طرف مدینہ کے مسلمانوں نے ہجرت کر کے مدینہ میں آنے کی دعوت کا خط لکھا چنانچہ جب یہ لوگ مکہ سے روانہ ہوئے تو کفارِ مکہ کو اطلاع ہو گئی پس انہوں نے ان کا تعاقب کر کے پکڑ لیا اور اس قدر ظلم و ستم ڈھائے کہ بعض بے چارے تشدد کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے اور بعض نے تقیہ اختیار کر لیا اور حضرت عمار بن یاسر انہی میں سے تھے ۔ بہرکیف آیت مجیدہ کے تنزیلی مصداق اگرچہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں

الٓمّٓ ﴿۲﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ

الم کیا سمجھ رکھا ہے لوگوں نے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے گا کہ بس (صرف زبانی) کہہ دیں ہم ایمان لائے ہیں

لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ

ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ یقیناً ہم نے آزمایا ان کو جو ان سے پہلے تھے تاکہ جان لے اللہ

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ

ان کو جو (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں اور جان لے جھوٹوں کو کیا سمجھ لیا ہے ان لوگوں نے جو

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵﴾

عمل کرتے ہیں بُرے کہ ہم سے بھاگ جائیں گے؟ بُرا ہے وہ جو سوچتے ہیں۔

محدود ہوں گے لیکن تاویلی مصداق تا قیامت آتے رہیں گے اور جو بھی مومن کہلائے آیت مجیدہ کا عموم اس کے لئے آزمائش کی پیشکش کرتا ہے تاکہ پتہ چلے اپنے دعوائے ایمان میں ثابت قدم اور سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے ۔ آیت میں ثابت قدمی کو صدق اور بزدلی کو جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے بروایت کلینی حضرت امیر علیہ السلام نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ گوناگوں شدائد سے اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے اور قسم وقسم کی مشقتوں سے ان کی اطاعت گزاری کا جائزہ لیتا ہے اور مختلف طرح کے مصائب دے کر آزماتا ہے تاکہ ان کے دلوں سے تکبر نکل جائے اور فروتنی جگہ پکڑ لے اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس نے ان آزمائشوں کو اپنے فضل و کرم کا دروازہ بنایا ہے اور اپنے عفو و درگذر کا وسیلہ قرار دیا ہے ۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومنوں کو مصائب کی آگ میں جلا کر پرکھا جاتا ہے جس طرح سونے کو آگ میں پرکھتے ہیں اور آزمائش کے بعد مومن بھی اس طرح کھرا ہو کر نکلتا ہے جس طرح سونا آگ کی چاشنی کے بعد کھرا نکل آتا ہے ۔ اور خدا تو پہلے سے کھرے اور کھوٹے کو جانتا ہے ۔ آیت مجیدہ میں خدا کے جاننے کا مقصد یہ ہے کہ آزمائش دے کر وہ کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنا چاہتا ہے اور فرمایا کہ یہ امتحان و آزمائش صرف تمہارے لئے نہیں بلکہ گذشتہ انبیاء اور

ان کی اُمتوں کے حالات پڑھو ان کو بھی آزمایا گیا اور سخت سے سخت تر امتحان لے کر آزمایا گیا۔ پس ہر دور میں مومن ثابت قدم رہے اور اپنے مؤقف پر تادمِ آخر قائم رہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے جانی ومالی ہر قسم کی قربانی بسروچشم قبول کرلی۔ پس مسلمانوں کو بھی اسلام اور اس کی تعلیمات کے تحفظ کے لئے ہر قسم کی قربانیوں کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئیے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ

جو بھی بیم وامید رکھتا ہے اللہ کے سامنے پیشی کا تو اللہ کی (مقررہ) اجل آنے والی ہے اور وہ سننے

الْعَلِيْمُ ۝6 وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ

جاننے والا ہے اور جو بھی جہاد کرتا ہے وہ صرف اپنی ذات کے لئے ہی کرتا ہے تحقیق اللہ غنی

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝7 وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ

ہے عالمین سے اور جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح بجالائیں ضرور مٹادیں گے ہم ان

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝8

سے ان کی برائیاں اور ضرور جزادیں گے ان کو اس سے بدرجہا بہتر جو وہ عمل بجالایا کرتے تھے اور ہم

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ

نے حکم دیا انسان کو اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا۔ اور اگر وہ تیرے ساتھ کوشش کریں کہ اللہ

بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

کا شریک بناؤ ایسوں کو جن کا تمہیں پتہ نہیں تو اس بارے میں ان کی اطاعت نہ کرو میری طرف تمہاری بازگشت ہے

**یَرْجُوْا۔** رجا کا معنی امید اور خوف دونوں کئے گئے ہیں اس لئے ہم نے تحت اللفظ بیم وامید سے ترجمہ کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ سے ڈر ہے یا اللہ کی بخشش ومہربانی کی توقع رکھتا ہے تو وہ اعمال حسنہ کی بجاآوری میں سستی نہ کرے کیوں کہ موت کا کوئی وقت نہیں ہے۔

**مَنْ جَاهَدَ۔** یعنی اللہ کی راہ میں خواہشِ نفس سے یا ظاہری دشمن سے جہاد کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ میں اللہ پر احسان کر رہا ہوں بلکہ اس کا احسان اپنی ذات پر ہی ہے اور اللہ کسی کا حاجت مند نہیں ہے۔

## اطاعتِ والدین کی حد

**وَوَصَّيْنَا:** آیتِ مجیدہ میں والدین پر احسان کرنے کا حکم ہے اور ان کی اطاعت کو مطلقاً واجب نہیں کیا ہے بلکہ ایک حد لگادی کہ اگر وہ تجھ سے شرک کے خواہشمند ہوں اور تجھے مجبور کریں تو اس بارے میں ان کی اطاعت ساقط ہے بلکہ ان کی اس معاملہ میں اطاعت کرنا حرام ہے اور تنقیح مناط کے طور پر آیتِ مجیدہ کی دلالت اس امر پر واضح ہے کہ جہاں بھی والدین خلاف

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑨ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پس میں تم کو خبر (بدلہ) دوں گا اس کا جو تم عمل کرتے رہے اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے

الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ⑩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

رہے ضرور اُن کو ہم داخل کریں گے نیک لوگوں کے زمرے میں اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں

يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ

کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پس جب ان کو اللہ کی راہ میں ستایا جائے تو لوگوں کی آزمائش (عذاب)

كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ

کو اللہ کے عذاب کے برابر قرار دیتے ہیں اور اگر پروردگار کی طرف سے مدد پہنچ جائے تو کہتے ہیں

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑪ وَلَيَعْلَمَنَّ

یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں کیا اللہ نہیں جانتا جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے اور ضرور جانے گا (الگ کرے گا)

شرع بات کا حکم دیں اور دین کی مخالفت پر اصرار کریں تو ایسے مقامات پر اولاد کو ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔ البتہ دنیاوی معاملات میں ان کے احکام و اوامر کی فرمانبرداری واجب و لازم ہے۔ آیت مجیدہ کی تاویل میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے حضرت پیغمبرؐ سے سنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اَنَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ یعنی میں اور علیؑ اس اُمت کے باپ ہیں اور ہمارے حقوق ان پر ان کے نسبی والدین کے حقوق سے بہت زیادہ ہیں کیوں کہ اگر وہ ہماری اطاعت کریں گے تو ہم ان کو دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچائیں گے اور ان کی گردنوں سے غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزاد انسانوں کی صف میں کھڑا کریں گے جناب خاتون جنت سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ اس اُمت کے باپ محمدؐ و علیؑ ہیں جو ان کی کجی کو درست کرتے ہیں اور اطاعت گذاروں کو عذاب دائمی سے بچا کر جنت النعیم تک پہنچاتے ہیں (برہان)

وَمِنَ النَّاسِ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ آیت عیاش ابن ربیعہ مخزومی کے حق میں اُتری جو مکہ میں اسلام لایا اور قوم و قبیلہ کے خوف سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے بھاگ گیا۔ اس کی والدہ اسماء بنت مخرمہ تمیمی نے قسم کھالی کہ نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی نہ غسل کروں گی اور نہ کمرہ کے اندر داخل ہوں گی۔ جب تک میرا بیٹا واپس نہ آئے گا اس کے دو بیٹے ابوجہل اور حارث پسران ہشام مخزومی جو عیاش کے مادری بھائی تھے۔ اُنہوں نے جب اپنی ماں کی یہ حالت دیکھی تو اپنے بھائی کو واپس بلانے کے لئے مدینہ میں پہنچے اور عیاش سے مل کر اسے سارا ماجرا سُنایا اور کافی منت سماجت کر کے اُسے واپس آنے پر رضامند کر لیا بشرطیکہ وہ اس کو اسلام سے منحرف نہیں کریں گے۔ اس کی ماں تین دن سے زیادہ بھوک ہڑتال کو جاری نہ رکھ سکی اور کھانا پینا اُس نے شروع کر دیا۔ جب مدینہ سے کچھ فاصلہ پر پہنچے تو دونوں مشرک

بھائیوں نے عیاش کو باندھ کر مارنا شروع کردیا جب ایک ایک سو تازیانے تک پہنچے تو عیاش نے مارسے گھبرا کر دین محمدؐ سے بیزاری کا اعلان کردیا اور ناسزا الفاظ بھی زبان سے جاری کئے (اور اس نے تقیہ کے طور پر نہیں بلکہ دل وجان سے ہی دین محمدؐ سے بیزاری کا اعلان کیا تھا ورنہ اگر تقیہ کے طور پر بیزاری ظاہر کرتا تو اس کی مذمت میں آیت نہ اُترتی کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے دوسرے مقام پر قرآن مجید میں استثناء موجود ہے اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً یعنی کفار ومشرکین سے جب خوف ہو اور دین محمدی سے بیزاری پر اسے مجبور کیا جائے تو زبان سے بیزاری کا اعلان کرنا اور دل میں ثابت رہنا جائز بلکہ ممدوح ہے جیسا کہ عمار بن یاسر کے متعلق احادیث میں وارد ہے) بہرکیف یہ واقعہ ہجرت نبویہ سے پہلے کا ہے۔ عیاش پر ظلم ڈھانے میں حارث نہایت سخت اور سنگدل تھا اس لئے عیاش نے قسم کھائی تھی کہ حرم سے باہر جہاں بھی موقعہ ملا میں اس کو قتل کرڈالوں گا۔ جب حکم پروردگار کے ماتحت حضرت پیغمبرؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو عیاش دوبارہ مسلمان ہو کر مہاجر ہو گیا اور پکا وسچا مسلمان ثابت ہوا اس کے بعد اس کا مادری بھائی حارث بھی مسلمان ہو کر ہجرت کرکے مدینہ میں پہنچ گیا اور حضرت رسالتمآبؐ کی بیعت کرلی اس وقت عیاش موجود نہ تھا اور اس کو اس کے اسلام لانے کا علم نہ ہوا ایک دن مقام قبا پر عیاش کو حارث مل گیا تو اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً تلوار میان سے نکالی اور اس کو قتل کردیا جب اسے معلوم ہوا کہ میں ایک مسلمان کو قتل کرچکا ہوں تو نہایت پشیمان ہوا اور نالاں وگریاں خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر اپنی سرگذشت عرض کی تو آیت اُتری جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے لئے مومن کا قتل جائز نہیں مگر یہ کہ خطا سے ہو جائے الخ

فَاِذَآ اُوۡذِیَ ۔ یعنی ایسے لوگ جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوتا مخالف ہوا کے تیز وتند جھونکے نرم کونپلوں کی طرح ان کو راہِ حق سے موڑ دیتے ہیں اور جن کے ایمان راسخ ہوتے ہیں وہ چٹان اور کوہ گراں کی طرح ہر تیز وتند ہوا کا رُخ موڑ دیتے ہیں لیکن خود سر مو اپنی جگہ سے نہیں ہلتے تو متزلزل ایمان والے لوگ دشمنانِ دین کی اذیتوں کو عذابِ خداوندی کی مثل سمجھتے ہیں کیونکہ جس طرح عذابِ خداوندی کے یقین کے بعد بے دین لوگوں کو عذاب سے بچنے کے لئے عقل ایمان کی طرف راغب کرتی ہے اسی طرح یہ لوگ بھی دنیاوی اذیتوں سے بچنے کے لئے دینِ حق کو خیرباد کہنے میں اپنی بھلائی سمجھتے ہیں حالانکہ دنیاوی تکالیف عارضی اور ختم ہونے والی ہیں اور ان کے مقابلہ میں اللہ کا عذاب دائمی اور نہ ختم ہونے والا ہے لہٰذا تقاضائے عقل یہ ہے کہ اخروی دائمی عذاب سے بچنے کے لئے دنیاوی ہر بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کی جائے اور اس سلسلہ میں ہر بڑی سے بڑی جانی و مالی قربانی کے لئے انسان کو ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔

ان آزمائشوں میں سے کسی مومن کے والدین کا کافر یا بے دین ہونا بھی سخت ترین آزمائش ہے اور خداوندکریم نے ہر مقام پر والدین کی اطاعت کا حکم صادر فرمایا لیکن دین کی مخالفت کی صورت میں والدین کے اوامر کی اطاعت کو حرام کردیا اور اس آزمائش سے کامیابی حاصل کرنا بڑے گردے اور جگر کا کام ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ میں اپنی والدہ کا بہت اطاعت گذار تھا۔ جب میں اسلام لایا تو میری ماں کو یہ بات بُری لگی اور کہنے لگی تم دینِ محمدؐ کو چھوڑ دو ورنہ میں

کھانا پینا ترک کرکے خودکشی کر لوں گی۔ چنانچہ اس نے بھوک ہڑتال شروع کردی اور لوگوں نے کوسنا شروع کردیا کہ تم تو اپنی ماں کے قاتل ہو۔ پس میں نے اپنی ماں کی منتیں کیں کہ اس بھوک ہڑتال کو ترک کردیجئے کیونکہ میں کسی قیمت پر اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ دو دن رات گذر گئے۔ پھر میں نے عرض کی۔ اے امی جان خدا کی قسم اگر آپ کی زندگی ایک سو سانس پر تقسیم ہو اور ایک ایک سانس تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد نکلتی رہے میں یہ دین کبھی نہ چھوڑوں گا اب کھاؤ پیو تمہاری مرضی چنانچہ اس نے بھوک ہڑتال توڑ دی اور آیت سابقہ نازل ہوئی اور سعد کی ماں ابوسفیان کی بیٹی حمنہ بنت ابی سفیان تھی اور اسی سعد کا بیٹا عمر کربلا میں یزیدی فوج کا سالارِ اعظم تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

اللہ اُن کو جو مومن ہیں (پکے) اور الگ کرے گا منافقوں کو اور کہا ان لوگوں نے

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ

جو کافر تھے ان کو جو ایمان لائے تم پیروی کرو ہمارے راستہ کی اور ہم اٹھائیں گے تمہارے

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

گناہوں کو حالانکہ نہیں وہ اٹھانے والے ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی تحقیق وہ جھوٹے ہیں

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور البتہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھوں کے علاوہ بوجھ اور باز پرس ہو گی ان سے قیامت کے دن

حدیث نبوی میں ہے اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ یعنی جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ۔ اللہ کے علم میں تغیر نہیں کیونکہ وہ ہونے والی تمام اشیاء کو ازل سے کلی و جزوی طور پر کما حقہٗ جانتا ہے۔ البتہ معلوم میں چونکہ تغیر ہوتا ہے کہ پہلے نہ تھی پھر ہو گئی اور پھر نہ رہے گی ان ماضی و حال و استقبال کی تین صورتوں کا علم اللہ کو ابتدا سے ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ ازل میں علم کا متعلق یعنی معلوم کا زمانہ استقبال تھا اور جب شئے نے صفحہ ہستی میں قدم رکھا تو علم کا متعلق یعنی شئے معلوم زمانہ حال میں پہنچ گئی اور جب ہستی کے بعد فنا کی نوبت آئی اور علم خداوندی کے معلوم نے ماضی کا لباس پہن لیا۔ پس علم وہی ہے لیکن معلوم کے حالات میں تغیر زمانی پیدا ہوتا رہا اس لحاظ سے اللہ کا علم ازلی یہ تھا کہ فلاں چیز ہو گی اور شئے کے وجود کے بعد علم خداوندی یہ ہوا کہ فلاں چیز ہو گئی اور فنا کے بعد علم پروردگار یہ ہے کہ فلاں چیز تھی۔ پس مومنوں کی ثابت قدمی اور منافقوں کا تزلزل اللہ کو پہلے سے معلوم تھا لیکن وہ چاہتا ہے کہ میرا معلوم حال کا لباس پہن لے اور واضح ہو جائے کہ فلاں ثابت رہا اور فلاں مرتد ہو گیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ ۔ کافر لوگ جب ایمان والوں سے ملتے تھے تو تقاضا کرتے تھے کہ واپس اپنے سابق دین کی طرف لوٹ آؤ تو مومن کہتے تھے کہ ہم اس جرم و گناہ کی تاب نہیں لا سکتے تو کافر جواب میں کہا کرتے تھے کہ تمہارے گناہ ہم اپنے ذمہ لیتے ہیں، پس آیت مجیدہ

میں ان کے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ کوئی بھی کسی کے گناہ اپنے ذمہ میں نہیں لے سکتا بلکہ ہر ایک کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی پڑیگی
وَلَيَحْمِلُنَّ یعنی جو لوگ دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اگرچہ گناہوں کی سزا تو ہر ایک کو الگ الگ ہوگی لیکن گمراہ کرنے

عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (١٤) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ

اس کی جو وہ افترا پردازی کرتے تھے — اور تحقیق بھیجا ہم نے نوح کو اپنی قوم کی طرف پس وہ ان میں

فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَ

ٹھہرا ایک ہزار سال پچاس برس کم (تبلیغ کرنے کے لئے) پس اپنی گرفت میں لیا ان کو طوفان

هُمْ ظَالِمُونَ (١٥) فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً

نے کہ وہ ظالم تھے — تو ہم نے اس کو نجات دی اور کشتی والوں کو اور قرار دیا ہم نے اس

لِلْعَالَمِينَ (١٦) وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ

کو نشانی عالمین کے لئے (باعثِ عبرت) اور ابراہیم کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم کو کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور

ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (١٧) وَإِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ

اس سے ڈرو یہ خوب ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو — اور سوائے اس کے نہیں کہ تم تو پوج

دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ

رہے ہو اللہ کے سوا بتوں کو اور بہتان باندھتے ہو۔ تحقیق وہ جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا

دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَ

نہیں مالک تمہارے لئے رزق کے۔ پس مانگو اللہ کے پاس سے رزق اور

والوں کی سزائیں دوگنی ہوجائیں گی کیوں کہ ایک سزا تو ان کے اپنے گناہوں کی ہوگی اور دوسری سزا اس بات کی ہوگی کہ انہوں نے دوسروں کو گمراہ کیا اور جس قدر ان کی گمراہی کا دائرہ وسیع ہوگا۔ اسی قدر ان کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا ملے گی لیکن ہدایت کرنے والے کی جزا میں اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا جس قدر ان کی تبلیغ کا دائرہ اثر وسیع ہوگا۔

## رکوع ۱۴
## حضرت نوحؑ کا ذکر

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا، تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نوحؑ دو ہزار پانچسو برس زندہ رہے اس کے بعد جبرئیل نے آکر بتایا کہ تیری زندگی ختم ہوچکی ہے۔ پس اسم اکبر میراث علم و دیگر آثار نبوت جو تیرے پاس ہیں وہ اپنے فرزند سام کے سپرد کرو۔ اللہ فرماتا ہے۔ میں زمین کو ایسے عالم کے بغیر

نہیں چھوڑتا جس کے ذریعے سے میری معرفت ہو اور میرے احکام لوگوں تک پہنچیں اور وہی ایک نبی سے دوسری نبی کی آمد تک لوگوں کے لیئے باعث نجات ہوتا ہے اور میں لوگوں کو بغیر حجت کے نہیں چھوڑتا جو میری طرف دعوت دے اور میرے احکام کی تبلیغ کرے اور میرے امر کو جاننے والا ہو۔ میں نے ضروری قرار دیا ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہو جو نیک بختوں کے لئے باعث ہدایت اور بدبختوں کے اوپر اتمام حجت کا باعث ہو۔ پس حضرت نوحؑ نے بموجب فرمان پروردگار حضرت سام کو وصی قرار دیا اور حام و یافث محروم رہے اور اپنی اولاد کو ہود کی خوشخبری دی کہ جب وہ آئے اس کی اتباع کرنا الخبر بروایت ابن بابویہ آپ نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ نے ۸۵۰ برس تبلیغ نبوت سے پہلے گذارے اور ۹۵۰ برس زمانۂ تبلیغ تھا پھر ۲۰۰ برس کشتی بنانے میں صرف کئے اور ۵۰۰ برس بعد میں زندہ رہے کُل عمر ۲۵۰۰ برس تھی جب موت کا وقت آیا تو ملک الموت سے کہا کہ مجھے دھوپ سے سائے کی طرف منتقل ہونے کی اجازت دی جائے۔ جب سائے میں پہنچے تو فرمایا میں اپنی ساری زندگی کو اس طرح سمجھتا ہوں جس طرح دھوپ سے سائے میں منتقل ہونے کا وقفہ ہے۔ حضرت نوحؑ کا مفصل قصہ جلد ۷ ص۲۰۵ تا ۲۲۴ پر درج ہے اور حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جو بادشاہ تھا اس کا نام دوقیل بن عویل بن لامک بن حنخ بن قابیل تھا۔ (برہان)

اعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا

اس کی پوجا کرو اور اس کا شکر کرو اسی کی طرف تم نے پلٹنا ہے — اگر تم جھٹلاؤ گے

فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

(تو یہ کوئی بڑی بات نہیں) تحقیق تم سے پہلے بھی اُمتیں جھٹلا چکی ہیں اور نہیں رسولؐ پر فرض مگر پہنچا دینا

الْمُبِيْنُ ⑱ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ

واضح طور پر — کیا دیکھتے نہیں کس طرح پیدا کرتا ہے اللہ خلق کو پھر اس کو پلٹائے گا۔ تحقیق

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑲ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

یہ بات اللہ پر آسان ہے — کہہ دیجئے چلو پھرو زمین میں پس دیکھو

## توحید کا بیان

اعْبُدُوا اللّٰہَ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس لب و لہجہ میں اپنی قوم کو توحید کا پیغام دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ خدا کے منکر نہیں تھے بلکہ اللہ کو خدائے اعظم کہنے والے تھے اور جن اغیار کی پرستش میں وہ مصروف تھے۔ مثلاً چاند سورج ستارے یا دیگر بُت وغیرہ ان سب کو چھوٹا خدا سمجھے ہوئے تھے اور خدائے اعظم یعنی اللہ کی خوشنودی کا راز اسی میں مضمر سمجھتے تھے کہ ان کی پوجا کی جائے جس طرح مشرکین مکہ کا دستور تھا اور حاجت روائی و مشکل کشائی بھی انہی کی طرف منسوب کرتے تھے نیز رزق و اولاد بھی انہی سے طلب کرتے تھے گویا وہ ان کو تدبیر کائنات میں مؤثر سمجھتے تھے

اور ان کا خیال تھا کہ یہ ہماری سُنتے ہیں اور ہماری مرادوں کو پورا کرتے ہیں اور خدائے اعظم نے یہ امور ان کے حوالہ کئے ہوئے ہیں اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھلے لفظوں میں فرمایا کہ جسے تم لوگ اللہ کی عبادت سمجھ کر کرتے ہو سراسر غلط ہے۔ بجز اس کے نہیں کہ تم لوگ بتوں کی عبادت میں مصروف ہو اور تدبیر کائنات یا خلق و رزق جو تم نے ان کی طرف منسوب کئے ہوئے ہیں بالکل بے بنیاد ہے بلکہ بہتان ہے اور جن کی تم عبادت کر رہے ہو اور جن سے تم مرادیں مانگتے ہو تمہارے ہرگز مالک نہیں ہیں لہٰذا اللہ ہی کی طرف رجوع کرو اسی سے مرادیں مانگو اور اسی سے رزق طلب کرو اور اسی کی مخصوص عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو جس کی طرف تمہاری بازگشت ہے اور مجھے پتہ ہے کہ تم لوگ مجھے جھٹلاؤ گے لیکن یہ کوئی بڑی بات نہیں مجھ سے پہلے ہر نبی کی یہ حالت رہی ہے اور آج کل کی پیر پرستی کا مسلمانوں میں رواج عام غالباً اسی نہج پر ہے جس کے خلاف انبیاء نے احتجاج کیا اور اس سلسلہ میں بھاری سے بھاری قربانی دینے کی ہمت کی اور یہ ظاہر ہے کہ بیماری جس قدر پرانی اور سخت ہو علاج میں اتنی ہی دیر اور محنت خرچ ہوتی ہے۔ اس لئے توحید کا پرچم بلند کرنے والے مبلّغینِ اسلام کو لوگوں کی اکثریتی گمراہی سے نہ تعجب کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس سلسلہ میں ہمت ہارنے کی کوئی معقول وجہ ہے اس میں شک نہیں کہ باپ دادا سے حاصل ہونے والے غلط عقائد رسوم کا قلع قمع انتہائی مشکل ہوتا ہے اور اس کی اصلاح کافی دشوار ہوتی ہے لیکن بالآخر حق کی فتح اور باطل کی شکست لازمی امر ہے۔ مبلغین کو اس بارے میں ثبات قدم سے کام لینا ضروری ہے اور ہر سخت کلامی اور بہتان طرازی کا جواب حوصلہ اور متانت سے دینا فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کا پیش خیمہ ہے۔

كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

کس طرح اس نے پیدا کیا خلق کو پھر اللہ ایجاد کرے گا پیدائش دوسری تحقیق

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۱ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ

اللہ ہر شئے پر قدرت رکھنے والا ہے عذاب دے جسے چاہے اور رحم کرے جس پر

يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝۲۲ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي

چاہے اور اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے اور تم نہیں اس کو عاجز کرنے والے زمین میں

الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۲۳

اور نہ آسمان میں اور تمہارا کوئی اللہ کے سوا نہ ولی ہے اور نہ مددگار

**رکوع ۱۵**

فَمَا كَانَ: ہمیشہ توحید کا علم بلند کرنے والوں کا یہی حال رہا ہے کہ جب لوگ ان کی معقول باتوں کا اور استدلال کا جواب پیش نہیں کر سکتے اور یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ سنجیدہ طبقہ کہیں ان کے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ

اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ کی نشانیوں کا اور اس کے حضور میں پیش ہونے کا وہ لوگ مایوس ہیں میری

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ

رحمت سے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے پس اس کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا

اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ

مگر یہ کہ کہنے لگے اس کو مار دو یا جلا دو پس اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا تحقیق

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ

اس میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے اور کہا (ابراہیم نے) سوائے اس کے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ

نہیں کہ بنایا ہے تم نے اللہ کے سوا بتوں کو (معبود) اس (ظاہری) محبت کے لئے جو زندگی دنیا میں تمہارے درمیان

حلقہ بگوش نہ ہو جائے پس قوم کے بارسوخ اور ان کے آبائی مذہب کے ٹھیکہ دار فیصلہ کرتے ہیں کہ ان سے قطع تعلقی کر لو ان سے مکمل عدم تعاون کا عہد کر لو ان کو اپنے ہاں کی مجالس میں شرکت نہ کرنے دو ان کی بات نہ سنو اور علاوہ ازیں ان کو دیوانہ و پاگل کہنا اور دیگر برے برے القاب سے یاد کرنا اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں پھر ہر جلسہ ہر مجلس میں اور ہر اجتماع میں ہر ممکن ہتھکنڈے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے ان کے قول کی وقعت کو کم کرنے کی تدابیر اختیار کرتے ہیں اور ہر نامعقول انسان اپنے معقول حریف کو بدنام کرنے کے لئے ہر اوچھے حربے کا استعمال اپنی کامیابی کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کیا ہر نبی کے ساتھ تقریباً اہل قوم نے یہی سلوک کیا اور امیر شام نے حضرت علیؑ کے متعلق یا بنی امیہ نے آلِ محمدؐ کے متعلق کس بات کی کمی چھوڑی ہے اور آج تک حضرت علیؑ کے ماننے والوں کے خلاف جس قدر ہرزہ سرائیاں ہوتی ہیں وہ سب اُسی کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے ہیں بہر کیف داعیانِ توحید کے خلاف نظریاتی جنگ کا سلسلہ ہر دور میں رہا۔ اور اوچھے انداز سے اہل توحید کو ستانا ہر دور میں اس زمانہ کے مذہبی و آبائی رسوم کے پاسبانوں اور ان کے عقائدِ باطلہ کی حفاظت کے ٹھیکہ داروں کا عام وطیرہ رہا ہے لہٰذا مبلغین اسلام اور داعیانِ توحید کو قوم کے جہال کی ہاؤ ہو سے ہرگز نہیں گھبرانا چاہیے۔ حضرت ابراہیمؑ کے خلاف جب اس دور کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تو آپ کو سزائے موت سنائی گئی کہ یا تو ان کو قتل کیا جائے یا آگ کے ذریعے زندہ جلا دیا جائے اور آخر فیصلہ یہ ہوا کہ ان کو آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس اور حکومت کا رعب جگہ کر لے۔

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ: جب حضرت ابراہیمؑ کو حکومتِ وقت کی عدالت کی طرف سے آگ میں ڈال دیا گیا تو اللہ نے اپنے

خلیل کے لئے آگ کو گلزار ہونے کا حکم دیا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی عزم و استقلال تھا کہ آگ میں جل جانا منظور کیا لیکن پرچم توحید کو سرنگوں کرنا نامنظور کیا اور خون کا آخری قطرہ قربان کر دینا گوارا کیا لیکن دامنِ توحید کو ہاتھ سے دینا پسند نہ کیا پس یہ عزم تھا اور یہ ثبات قدم تھا جس نے حکومت وقت کے تشدد کے بے پناہ طوفان کا منہ موڑ دیا اور یہ توکل اور قوت ارادیہ کی پختگی تھی جس نے نمرود کی حکومت کے آسمان پیما وقار کو چشم زدن میں زمین کی گہرائیوں میں تا ابد موت کی نیند سلا دیا۔ یہ ہے حق و صداقت کی وہ فتح جس کے پرچم بردار نے آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر علم توحید ایسا نصب کیا جس کو نہ قیامت تک جھکایا جا سکتا ہے اور نہ اس پرچم بردار کا ذکر خیر مٹایا یا چھپایا جا سکتا ہے اور آپ کی یہ کامیابی ہر دور کے داعیانِ توحید کے لئے ایک کھلا ہوا سبق ہے کہ تم آگے بڑھتے چلو۔ خدا کی مدد تمہارے لئے چشم براہ ہوگی اور بالآخر حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو کے رہے گا۔ اسی بنا پر آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس واقعہ میں ایمان داروں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یعنی درس آموز عبرتیں ہیں۔

اِتَّخَذْتُمْ :- اس کا دوسرا مفعول اٰلِهَةً محذوف ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم جن بتوں کو اللہ کے علاوہ اپنا معبود ٹھہرا رہے ہو یہ زندگانی دنیا تک کی محبت کے لیے ہی ہے مَوَدَّةَ مفعول لہٗ واقع ہے۔ آخرت میں یہی محبت اور یہی عبادت تمہارے لئے وبال ہوگی۔ ہمیشہ سے جن کو خدا مان کر عبادت کی جاتی رہی ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو بے جان ہیں مثلاً چاند۔ سورج۔ ستارے۔ آگ۔ درخت اور پانی وغیرہ اور دوسرے جو بے جان نہیں اُن میں بعض تو وہ ہیں جو اللہ کے برگزیدہ ہیں مثلاً فرشتے حضرت عزیرؑ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت علی علیہم السلام اور بعض ایسے بھی جو نہ حق پہ ہیں اور نہ اللہ کے برگزیدہ ہیں بلکہ صرف لوگوں کے غلط رجحانات نے ان کو مسندِ الوہیت تک پہنچا دیا جیسے نمرود فرعون شداد یا ہر دور کے بے دین پیر و مرشد۔ یہ دونوں قسمیں خواہ خود ناحق ہیں یا برحق ہیں۔ ان کو معبود سمجھنا الٰہ سمجھنا اور ان کو اللہ کی ذات و صفات میں شریک جاننا ناحق ہے اور شرک ہے اور ان کی عبادت بروزِ قیامت سخت نقصان دہ ہوگی جو بے جان معبود ہیں وہ تو بروزِ محشر اپنے ماننے والوں کے لئے ارمانوں اور پشیمانیوں کے عذاب میں اضافہ کے سوا کچھ نہ کر سکیں گے اور ناحق پیر و مرید ایک دوسرے سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔ یہ دنیا کی محبتیں ختم ہوں گی اور ایک دوسرے پر لعنت کا بازار گرم ہوگا۔ جس طرح آیت مجیدہ میں اس کا صاف انکشاف کیا گیا ہے اور سب کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔ اور وہ پیر جو خود حق پر تھے اور برگزیدہ پروردگار تھے۔ اُن سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کو اس غلط روی کی دعوت دی تھی؟ تو وہ صاف ان کے خلاف شہادت دیں گے کہ ہم نے دنیا میں توحید کا پرچم بلند کیا تھا اور اس سلسلہ میں ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا جس طرح قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت عیسٰیؑ سے خدا پوچھے گا۔ کیا تُو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا مانو؟ تو حضرت عیسٰیؑ صاف جواب دیں گے کہ میں نے ہرگز ان کو یہ نہیں کہا تھا بلکہ میں نے تو صرف تیری توحید و عبادت کا پیغام دیا۔ باقی عقائد ان کے اپنے من گھڑت ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے صاف طور پر فرمایا ہے۔ جو لوگ ہمیں خالق و رازق مانتے ہیں ہم ان سے بروزِ محشر اس طرح بیزار ہوں گے جس طرح حضرت عیسٰیؑ نصرانیوں سے بیزار ہوں گے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۔ حضرت لوطؑ نے جو حضرت ابراہیمؑ کا چچازاد یا خالہ زاد یا بھانجا یا بھتیجا با ختلاف اقوال ذکر کیا گیا ہے سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔ مسلکِ شیعہ کے عقیدہ کی بنا پر چونکہ نبی یا وصیٔ نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ کسی زمانہ میں بھی عقیدہ و عمل کے لحاظ سے خطاکار نہیں ہوتے لہٰذا ان کا پہلے دن سے ہی مومن ہونا مسلّم ہے۔ اس مقام پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ جب بھرے مجمع میں حضرت ابراہیمؑ نے توحید کے متن کو واضح فرمایا تو حضرت لوطؑ ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے کھڑے ہو کر تصدیق کی جس طرح حضرت علیؑ نے دعوتِ عشیرہ کے موقعہ پر حضرت رسالتمآبؐ کی تصدیق کی تھی اور پہلے ایمان لانے والے کہلائے۔

اِنِّیْ مُهَاجِرٌ ۔ ممکن ہے کہ حضرت لوطؑ نے یہ فقرہ کہا ہو اور ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ہو بہر کیف ابتداءً آپ کوفہ کے نواح میں آباد تھے۔ اور دشمنانِ دین کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر شام کی طرف حضرت لوطؑ اور سارہ کی معیّت میں ہجرت کر کے چلے گئے۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا

بروزِ قیامت انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور لعنت کرو گے ایک دوسرے پر اور تم سب

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَ

کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا پس ایمان لایا اس پر لوطؑ اور

قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَوَهَبْنَا

کہا میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں وہ غالب حکمت والا ہے اور ہم نے بخشا اس کو

لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اسحٰق و یعقوب اور قرار دی ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور دیا ہم نے اس کو اس کا بدلہ دنیا میں اور تحقیق وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوگا۔

اٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ ۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہایت مشکل اور کٹھن مراحل سے گذر کر نہایت پامردی سے فرائضِ تبلیغ کو انجام دیا اور اس راہ میں بہت کافی تکلیفوں کا کھلے دل سے مقابلہ کیا پس اللہ نے دنیا میں بھی ان کو اس کا اجر عطا فرمایا کہ عہدہ امامت بخشا ملکوت سما کی سیر کرائی اور نسل میں نبوت و کتاب بخشی وغیرہ اور آخرت میں ان کا درجہ بلند قرار دیا۔

**حضرت لوطؑ کا ذکر**

تفسیر برہان میں کتاب تحفۃ الاخوان سے منقول ہے کہ (جس کو مختصر اور ملخص کر کے یہاں پیش کیا جا رہا ہے) اہلِ مؤتفکات جن کا ذکر قرآن میں ہے بالکل نکمّے لوگ تھے اور حُسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھے، ایک دفعہ ان پر قحط

نازل ہوا تو ابلیس نے مہمانوں اور رہگزروں سے نجات پانے کے لیے ان کو لواطہ کرنا تعلیم کیا۔ چنانچہ پہلے خود ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں آکر ان کو بدفعلی کی دعوت دی اور پھر ہر رہگذر سے اسی فعل شنیع کے ارتکاب پر ان کو اکسایا چنانچہ وہ اس کے عادی ہوگئے۔ مسافروں نے چاروناچار اپنا راستہ بدل لیا تو وہ لوگ آپس میں مشغول ہوگئے اور عورتوں کو قطعاً نظرانداز کردیا۔ خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ پر وحی کی کہ میں نے حضرت لوطؑ کو نبوت کے لیے چن لیا ہے لہٰذا ان کو اس قوم کی تبلیغ کے لئے روانہ کرو۔ ان کی چند ایک بستیاں تھیں اور سب سے بڑی بستی کا نام سدوم تھا اور اسی بستی میں ان کے فرمانروا کا دارالسلطنت بھی تھا۔ آپ اسی پایۂ تخت میں پہنچے اور کھلے مجمع میں ان کو پیغامِ حق سنایا اور ان کو مروجہ برائیوں سے باز آنے کی دعوت دی۔ ڈائری نویسوں نے آپ کی تقریر کے بعض اقتباسات بادشاہ تک پہنچائے تو حکومت کی طرف سے فوراً ان کی دربار میں حاضری کا نوٹس جاری کر دیا گیا۔ چنانچہ بلا جھجک اور بغیر کسی خوف و خطر کے داخل دربار ہوئے تو بادشاہ نے نہایت متکبرانہ انداز سے پوچھا تم کون ہو تجھے کس نے بھیجا اور کیوں آئے ہو؟ آپ نے نہایت متانت۔ سنجیدگی اور فراخدلی

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا

اور لوط کو (بھیجا) جب کہ کہا اس نے اپنی قوم کو تحقیق تم کرتے ہو ایسی برائی جو تم سے پہلے ایسی برائی

مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ

عالمین میں سے کسی نے نہیں کی کیا تم جماع کرتے ہو مردوں سے اور راہ زنی

السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ

کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں ناشائستہ حرکات کرتے ہو؟ پس اس کی قوم سے اور کوئی جواب نہ

إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣٠﴾

بن سکا مگر یہ کہا کہ لاؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو (حضرت

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣١﴾ ع ۱۵

لوط نے) کہا اے پروردگار ان فسادی لوگوں پر تو میری نصرت فرما

سے بات سنی اور پورے حوصلے و اطمینان نے جواب میں فرمایا میرا نام لوط ہے مجھے جس ذات نے بھیجا ہے وہ اللہ ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اور میں تمہیں اللہ کا پیغام سنانے آیا ہوں اور تمہاری ملکی مروجہ برائیوں سے تمہیں روکنے کے لئے آیا ہوں۔ لواطہ اور راہزنی کے علاوہ کبوتر اڑانا۔ مرغ لڑانا۔ گوززنی اور رنگ دار زنانہ لباس پہننا وغیرہ ان کی بد عادات تھیں جن کو منکر سے تعبیر کیا گیا ہے اور حضرت لوطؑ انہی عاداتِ فاسدہ سے روکنے کے لئے اُن پر حجت ہو کر آئے تھے۔ بادشاہِ وقت حضرت لوطؑ کی تقریر

سے مرعوب سا ہوگیا اور اس نے آپ کو کھلی تبلیغ کی اجازت دے دی اور کہا کہ میری حکومت کا استحکام چونکہ رعایا کی وفا شعاری پر منحصر ہے لہذا میں عوام کی رائے کے خلاف اپنے مذہب کو تبدیل نہیں کروں گا اور میرا آپ سے تعاون یہ ہے کہ میری حکومت آپ کی تبلیغی سرگرمیوں پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرے گی۔ چنانچہ اس یقین دہانی کے بعد آپ نے دن رات ایک کر کے پورے بیس برس تبلیغی فرائض انجام دیئے۔ اسی اثنا میں آپ کی پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا جو مومنہ تھی پھر ایک دوسری عورت سے دوبارہ شادی کی جس کا نام قرابہ تھا اور وہ بھی آپ پر اور آپ کے ایمان لاچکی تھی پھر کئی برس آپ کو تبلیغ میں گذرے لیکن وہ قطعاً ایمان نہ لائے۔ آخر کار روئے زمین کا ہر جاندار و غیر جاندار ان کے افعالِ شنیعہ سے تنگ آکر بارگاہِ رب العزت میں پکار اٹھا تو اللہ نے بذریعہ وحی کے اطلاع دی کہ میں اپنے کسی نافرمان کو عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ ان لوگوں کے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے ان کو مہلت دی گئی ہے۔ جو چاہیں کریں۔

رکوع ۱۶/۱

تذکرہ حضرت ابراھیمؑ۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہ سے شادی بحکم پروردگار کی تھی اور اس نے اس وقت اپنے ایمان کا اعلان کیا تھا جب آپ پر آگ گلزار ہوئی تھی اللہ نے چار فرشتے جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل اور دردائیل بھیج کر ابراہیم کو سارہ کے بطن سے اولاد کی خوشخبری سنائی وہ بشکلِ انسانی یہاں پہنچے۔ حضرت ابراہیمؑ کا چونکہ عام دستور تھا کہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اتفاق سے تین روز متواتر جب کوئی مہمان نہ آیا تو خود گھر سے مہمان کی تلاش میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بیوی کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا کہ ابھی کوئی نہ کوئی مہمان تلاش کر کے لاؤں گا اور جب باوجود تلاش کے بھی کوئی مہمان نہ ملا تو گھر میں بیٹھ کر آسمانی صحیفوں کے مطالعہ میں مصروف ہوگئے کہ اچانک چار انسانی شکلیں سامنے آئیں۔ یہ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت ابراہیمؑ پہلے تو گھبرائے لیکن جب انہوں نے سلام کیا تو آپ نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔ آپ نے فوراً سارہ کو خبر دی کہ میرے چار معزز مہمان وارد ہوئے ہیں جو نہایت خوبصورت خوش پوش اور سلام کر کے وارد ہوئے ہیں۔ پس ان کی خدمت شایانِ شان ہم پر ضروری ہے۔ حضرت سارہ نے کہا میں چونکہ پردہ نشین ہوں اور غیرت و حمیت یہ اجازت نہیں دیتی کہ میں ان کی خدمت کے لئے ان کے روبرو کام کروں۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے گائے کا ایک موٹا تازہ بچہ ذبح کر دیا اور صاف کر کے اسے بھون کر تیار کرایا۔ جب دستر خوان چنا گیا تو انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ حضرت ابراہیمؑ نے متعجب ہو کر وجہ دریافت کی اور فرمایا اگر تم لوگوں کو کھانے کی ضرورت نہ تھی تو ہم اپنی شیر دار گائے سے اس کا بچھڑا کیوں جدا کرتے تو جبرئیل نے فوراً اس بھونے ہوئے بچھڑے کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا قُم باذن اللہ کہا اور وہ باذن پروردگار دوبارہ زندہ ہو کر ماں کے پہلو میں جا کھڑا ہوا حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے ان سے آنے کا مطلب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو فرزند ارجمند کی بشارت دینے کے لئے آئے ہیں حضرت سارہ نے سنتے ہی منہ پیٹ لیا اور از راہِ تعجب کہنے لگی کہ میں بڑھیا ہو چکی ہوں اب بچہ کیونکر ہوگا تو جبرئیل نے کہا کہ اللہ کے فیصلے پر نہ تعجب کی ضرورت ہے اور نہ مایوسی کا مقام ہے بہرکیف حضرت سارہ کے بطن مبارک سے حضرت اسحٰق پیدا ہوئے اور حضرت اسحٰق کی عمر جب اسی سال کو پہنچی تو آنکھوں کی بینائی ختم ہوگئی پس عموماً مصلائے عبادت پر رہتے تھے آپ کی بیوی کا نام ربابہ بنت لوط تھا اور بعض کے نزدیک تدرہ بنت لوط ہے) اسی سال کی عمر میں اپنی بیوی سے

مقاربت کی تو اسے حمل ہوا اور دو بچے توام پیدا ہوئے پہلے پیدا ہونے والے کا نام عیص اور بعد میں پیدا ہونے والے کا نام یعقوب رکھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ضیافت اور فرزند کی بشارت کا ذکر تفسیر کی جلد ۷ صفحہ ۲۳ پر بھی مذکور ہو چکی ہے۔

جب حضرت ابراہیمؑ کے ہاں اسحٰق پیدا ہوئے تھے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۹۸ برس اور حضرت سارہ کی عمر ۹۹ برس تھی گویا بیوی اپنے شوہر سے ایک برس بڑی تھی اور حضرت اسحٰق بعینہ اسی رات پیدا ہوئے جس رات حضرت لوط کی امت پر عذاب نازل ہوا حضرت اسحٰق نے پیدا ہوتے ہی سجدہ پروردگار میں سر رکھ دیا پھر صبح اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے رہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو لڑکے کی بشارت دینے کے بعد قوم لوط کے عذاب کے فیصلے سے آگاہ کیا کہ ہم ان پر پتھر برسائیں گے اور مروی ہے کہ ہر پتھر پر اس سرکش کا نام لکھا ہوا تھا جس کے لیے وہ پیغام عذاب تھا پس جبرئیل اپنے اصلی رنگ میں آ گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے پہچانا اور جبرئیلؑ نے دوسرے فرشتوں کا تعارف کرایا حضرت ابراہیمؑ نے قوم لوط کے عذاب کی خبر سن کر گھبراہٹ کا اظہار کیا تو جبرئیلؑ نے کہا ہم مومنوں کو ضرور بچائیں گے اور مومن گھرانہ سوائے حضرت لوط اور اس کی دو شہزادیوں کے اور کوئی نہ تھا پھر جب یہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے مرخص ہو کر پہنچے تو حضرت لوط کی بڑی شہزادی رباب جنت لوط نے پہلے پہل ان کو دیکھ لیا۔ یہ شام کا وقت تھا اور شہزادی اس وقت کنویں سے پانی کھینچ رہی تھی فرشتے چونکہ عمدہ لباس میں ملبوس تھے اور خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں تھے، شہزادی نے خیال کیا کہ یہ لوگ نو وارد مہمان ہیں۔ ان کی خیر خواہی کے طور پر کہنے لگی کہ تم ان فاسق لوگوں کے پاس کیوں جاتے ہو، اس بزرگ کے پاس جاؤ کہ تمہاری مہمانی کے فرائض بخوبی انجام دے گا پس فرشتے پلٹ کر حضرت لوط کے پاس آئے جبکہ آپ اس وقت کھیتی باڑی کے کام سے فراغت حاصل کر چکے تھے مہمانوں کو دیکھتے ہی اپنی قوم کی بدچلنی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سخت گھبرائے۔

فرشتوں کو خداوند کریم کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ قوم لوط کو اس وقت عذاب کرنا ہے جب چار مرتبہ حضرت لوط کی زبانی ان کے فسق اور مستحق لعنت ہونے کی شہادت مل جائے۔

پس فرشتوں نے آپ کے ہاں ٹھہرنے کا خیال ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا مجھے کوئی انکار نہیں البتہ میری قوم فاسق و بدکردار ہے اور لواطہ کی عادی ہے خدا ان پر لعنت کرے اس وقت جبریل نے اسرافیل سے کہا یہ پہلی شہادت ہے پھر فرشتوں نے اپنا سوال دہرایا کہ اب شام ہو چکی ہے ہمارے ٹھہرانے کا انتظام فرمائیے پھر حضرت لوط نے اپنی بات دہرائی کہ میری قوم نہایت بدکردار ہے جو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت کو پورا کرتی ہے۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو، فرشتوں نے ایک دوسرے سے کہا اب دوسری شہادت ہو گئی۔ آپ نے فرمایا گھوڑوں سے اترو ذرا تاریکی ہو لینے دو تاکہ ہمیں جاتے ہوئے کوئی دیکھ نہ پائے یہ بہت بدکردار اور فاسق لوگ ہیں ان پر خدا کی لعنت ہو۔ فرشتوں نے کہا یہ تیسری شہادت مکمل ہو گئی۔

حضرت لوط کی عورت واہلہ جو بظاہر مسلمان تھی دل سے منافقانہ چال کی مالک تھی وہ بالعموم حضرت لوط کے پاس آنے

والے مہمانوں کی کسی نہ کسی طریقہ سے قوم کو اطلاع دے دیتی تھی دن کو اگر مہمان آتے تو دھواں بلند کرتی اور رات کو آتے تو چراغ جلا دیتی تھی
اب بھی اس نے حضرت لوط کی کافی ہدایت اور انتہائی منت وسماجت کے باوجود اپنی بدباطنی اور خباثت ذاتی کا ثبوت دیا
چنانچہ حضرت لوط کو بھی پتہ چل گیا۔ لہٰذا گھر کے دروازے مضبوطی سے بند کر لئے لیکن تھوڑی دیر نہ گذرنے پائی تھی کہ شہر کے سب
اوباش جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ کے گھر کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور مہمانوں کا مطالبہ شروع کر دیا۔ حضرت لوط خود دروازہ
کے اندر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے زور سے دروازہ توڑا اور اندر گھسنے کے لئے بڑھے لیکن حضرت لوط نے پوری قوت سے ان کی
مزاحمت کی پس ایک خبیث النفس نے آپ کی جانب بے ادبی کا ہاتھ بڑھایا اور داڑھی سے پکڑ کر طمانچہ بھی مارا۔ پھر آپ کو
اپنے سامنے سے دھکیل دیا اس ہاتھا پائی میں جب حضرت لوط نے دیکھا کہ بدمعاشوں کے بے پناہ ہجوم کا سیل رواں اب میری
کوششوں سے نہیں رکتا تو مایوس ہو کر سرد آہ کھینچی اور فرمایا ہائے آج میرے پاس طاقت ہوتی اور کچھ مددگار ہوتے تو میرے
مہمانوں کی توہین کوئی نہ کر سکتا۔ پس آسمان کی طرف سر اٹھایا اور عرض کی اے میرے الٰہ و پروردگار تو ان لوگوں سے میرا بدلہ لے اور ان پر
لعنت بھیج پس چوتھی شہادت سنتے ہی جبریل نے کہا اے لوط اب کوئی فکر نہ کرو ہم تیرے رب کے فرستادہ فرشتے ہیں۔ ادھر
فرشتوں نے جب دیکھا کہ خدا کے نبی کی امداد کا وقت آن پہنچا ہے تو تعمیل حکم پروردگار کی خوشی میں ان کے چہرے تمتما اٹھے اور حسن میں
اضافہ ہوا اور دوسری طرف حضرت لوط کی جانب سے حرف مخالفت ختم ہو گئی تو وہ لوگ بے تحاشا اندر گھسے اور فرشتوں کی طرف لپکے اور
قریب پہنچے ہی تھے کہ خدا نے ان کی آنکھوں سے بصارت سلب کر لی اور ان کے چہروں کو تارکول کی طرح سیاہ کر دیا پس وہ سرگرداں ہو کر ادھر
ادھر چکر لگاتے رہے اور ان کے سر ہر طرف دیواروں سے ٹکراتے رہے باہر والے انتے میں ایک دوسرا غنڈوں کا گروہ آ گیا اور انہوں
نے دروازہ پر صدا دی کہ تم فارغ ہو چکے ہو تو باہر نکل آؤ کیونکہ اب ہماری باری ہے اندر والوں نے جواب دیا کہ لوط کے پاس تو جادوگر
تھے۔ کہ انہوں نے جادو کے ذریعے سے ہمیں نابینا کر دیا ہے۔ تم اندر چلے آؤ اور ہمارے ہاتھ پکڑ کر ہمیں باہر لے جاؤ چنانچہ انہوں نے
اندر آ کر اندھوں کو باہر نکالا اور خود دست درازی کی جرأت کرنے سے گھبرا گئے البتہ یہ دھونس دے کر گئے کہ ہم صبح کو پلٹ کر آئیں
گے۔ حضرت لوط ان کی بکواسیں سنتے رہے اور خاموش رہے۔ اب حضرت لوط نے دریافت کیا کہ تم لوگ کیوں کر آئے؟ تو فرشتوں نے
جواب دیا ہم تیری قوم کو عذاب کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت لوط نے پوچھا کہ کب؟ تو جبریل نے جواب دیا کہ صبح سویرے حضرت
لوط اس قدر گھبرائے ہوئے تھے کہ اب ان کو شام اور صبح کے درمیان کا فاصلہ بھی طویل معلوم ہو رہا تھا اور کہتے تھے کیا ابھی صبح نزدیک
نہیں ہے۔

حضرت جبریل نے حضرت لوط کو بمعہ اپنے اہل و عیال اور ساز و سامان کے اوّل شب میں گھر سے باہر چلے جانے کا حکم پروردگار
پہنچا دیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ تمہاری بیوی اس گرفت سے نہ بچ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آپ اپنی بیوی بیٹیوں اور مال مویشی
کو ساتھ لے کر روانہ ہونے لگے تو چلتے ہی بیوی نے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی کہ کیوں جاتے ہو۔ آپ نے فرمایا خداوند جبار کا حکم ہے
اور اس کا اٹل فیصلہ ہے کہ وہ ان بستیوں کو عذاب کرے گا۔ وہ کہنے لگی کہ ایسا قطعاً نہیں ہو سکتا۔ بس اتنا کہنا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر

گرا اور وہ سیاہ پتھر کی شکل میں مسخ ہو گئی چنانچہ پورے بیت المقدس کا وہ پتھر لوگوں کے لئے باعث عبرت و نصیحت رہا یہ حکم پروردگار سے اس کو زمین نے نگل لیا ...

حضرت لوط کی قوم کی سات بستیاں تھیں۔ پس فرشتوں نے ان ساری زمین کو اٹھا کر اتنا بلند کیا کہ آسمان تک ان کی آوازیں پہنچ رہی تھیں اور جبرئیل کے پروں پر ان بستیوں کی زمین کے ساتوں طبق اس طرح زور زور سے کانپ رہے تھے جس طرح درختوں کے پتے تیز آندھیوں کی وجہ سے کانپتے یا جھومتے ہیں پس اُلٹا کر کے گرا دیا گیا کہ اُن کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا پہلے ان پر پتھروں کی بارش فرشتوں نے برسائی اور پھر تختہ زمین کو اُلٹا یا جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کی مختلف تعبیریں موجود ہیں۔ اور مروی ہے کہ اس رات کو ان بستیوں کے باشندوں میں جو گھروں سے باہر گئے ہوئے تھے ان پر وہیں ایک ایک پتھر گرا اور وہیں کے وہیں ڈھیر

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ

اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لیکر تو انہوں نے کہا ہم ہلاک کرنے والے ہیں

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا

اس بستی کے باشندوں کو تحقیق اس کے باشندے ظالم ہیں (ابراہیم نے) کہا تحقیق اس میں تو لوط بھی ہے تو

لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ

کہنے لگے ہم خوب جانتے ہیں جو اس میں ہیں ہم ضرور بچائیں گے اس کو اور اس کے گھرانے کو سوائے اس کی عورت کے

ہو کر رہ گئے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ راہ گذر لوگوں کے لوٹنے کا ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مسافر گذرتا تو لوگ انگوٹھے اور انگلی میں ایک سنگریزہ رکھ کر اس کی طرف پھینکتے تھے جس کا نشانہ درست بیٹھتا تھا وہ اُس کے لٹے ہوئے مال کا حقدار سمجھا جاتا تھا اور اس سے بدکرداری کرنے کا بھی حق اسی کو دیا جاتا تھا اور اگر کوئی شخص جرأت کر کے اُن کی رسمی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے جاتا تو مجسٹریٹ کی طرف سے اس پر صرف تین درہم جرمانہ کی سزا دی جاتی اور یہی ان کی حکومت کا رائج الوقت قانون تھا اور اپنی مجالس میں جن منکرات و فواحش کا ارتکاب کرتے تھے اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے لوگوں کے سامنے بھرے مجمع میں بغیر شرم و حیا کے گوز زنی کرتے تھے۔

(۲) ایک دوسرے کے سامنے لواطت کا ارتکاب کرتے تھے۔

(۳) گالی گلوچ بے ہودہ کلمات جابازی آلات لہو و لعب مثلاً مزمار و سارنگی بجانا ایک دوسرے کے سامنے ننگا ہونا ان میں عام رائج تھا اور ذرہ بھر حیا نہ کرتے تھے۔ خداوند کریم ایسی بیہودگیوں سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے جلد ۷ ص۲۲۴ پر حضرت لوط کا ذکر گذر چکا ہے نیز جلد ۶ ص۵۶ پر بھی ہے۔ اِلَّا امْرَاَتَهٗ انبیاء میں سے حضرت نوحؑ اور حضرت لوط کی بیویاں اس لئے ضرب المثل

بن گئیں کہ انہوں نے اپنے نبی شوہروں کے ساتھ دینی امور میں وفاشعاری کا ثبوت فراہم نہ کیا اور قرآن مجید میں جس مقام پہ ان دونوں کی خیانت کا تذکرہ ہے اس سے یہی دینی خیانت مراد ہے اور خیانت کا اطلاق تب درست ہو سکتا ہے جب کہ نبی کو ان پر اعتماد ہو اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ظاہری لحاظ سے وہ نبی کا دین قبول کر چکی ہوں اور اندرونی طور پر مخالفت کرتی ہوں اور حضرت لوط کی بیوی تراب کے متعلق گذشتہ واقعہ میں ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ وہ حضرت لوط پر ایمان لا چکی تھیں اور ان کا ظاہری طور پر اعتماد حاصل کر چکی تھیں پس اس کا افشائے راز اس کی خیانت کہلایا اسی طرح حضرت نوح کی بیوی کی خیانت بھی یہ تھی کہ ظاہری طور پہ آپ کو نبی سمجھتی تھی اور اندرونی طور پہ چونکہ کفار کے ہم خیال تھی اس لئے آپ کو دیوانہ اور پاگل سمجھتی تھی چنانچہ تفسیر برہان میں ہے کہ جب لوگ حضرت نوح پر تشدد کرتے تھے تو یہ کہا کرتی تھی کہ اس بیچارے کو کچھ نہ کہو کیوں کہ یہ پاگل ہے پس ایک کی خیانت یہ ہے کہ نبی کا افشائے راز کرتی تھی اور دوسری کی خیانت یہ کہ نبی کو دیوانہ سمجھتی تھی۔ ورنہ انبیاء کی بیویاں ایسی خیانت میں ملوث نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے ان کے شوہر نبی کی ناموس تباہ ہو اور وقار مجروح ہو۔ خدا انبیاء کے ناموس و وقار کا خود محافظ ہے۔

كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا

جس کا انجام پیچھے رہ جانے والوں میں ہے ۔ اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس تو وہ ان کے

سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا

آنے سے ناخوش ہوئے اور تنگ دل ہوئے اور فرشتوں نے کہا خوف و ملال نہ کرو ہم بچالیں گے تجھے اور

مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۳۳﴾

تیرے گھر والوں کو سوائے تیری عورت کے (جس کا انجام) پیچھے رہ جانے والوں میں ہے

إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ

تحقیق ہم نازل کرنے والے ہیں اوپر اس بستی کے باشندوں کے عذاب آسمان سے بوجہ

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۳۵﴾

اس کے جو وہ فسق کرتے رہے ہیں ۔ اور تحقیق چھوڑ دی ہم نے اس بستی کے عذاب کی وجہ سے

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا

ایک نشانی عقلمندوں کے لئے ۔ اور بھیجا ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی

اہل کی تفسیر جلد ۲ ص ۲۱ پر گزر چکی ہے ۔ نیز جلد ۲ ص ۲۹ پر بھی ہے ۔ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ ۔ حضرت شعیب اور اہل مدین کا ذکر تفسیر کی جلد ۲ ص ۲۳ اور جلد ۶ ص ۵۸ پر گزر چکا ہے ۔

وَعَادًا۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے اور ان کا ذکر تفسیر کی جلد ۷ صہ ۲۲۵ اور جلد ۶ صہ ۴۷ پر مفصل گذر چکا ہے۔
وَثَمُودَا۔ یہ حضرت صالحؑ کی قوم ہے اور ان کا مفصل ذکر تفسیر کی جلد ۷ صہ ۲۲۵ پر اور جلد ۶ صہ ۴۹ پر بیان ہو چکا ہے۔
قَارُونَ۔ اس کا ذکر اس جلد میں صہ ۶۲ پر گذر چکا ہے۔
حَاصِبًا۔ حضرت لوط کی قوم پر پتھر برسائے گئے تھے۔

اَلْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۷﴾ فَكَذَّبُوْهُ

ڈرو روزِ آخر سے اور نہ پھرو زمین میں فسادی بن کر پس انہوں نے اسے جھٹلایا

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَعَادًا

تو پکڑ لیا ان کو ایک زلزلے نے پس اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور قوم عاد

وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

ثمود (کو ہم نے ہلاک کیا) اور تمہیں پتہ ہے (اے اہلِ مکہ) ان کی رہائش گاہوں کا اور مزین کیا تھا ان کے لئے

اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَقَارُوْنَ

شیطان نے ان کے اعمال کو پس روک لیا تھا ان کو سیدھے راستے سے حالانکہ وہ سمجھدار تھے اور قارون

وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا

و فرعون وہامان کو (ہم نے ہلاک کیا) اور تحقیق ان کے پاس موسیٰ واضح دلیلیں لیکر آئے تو انہوں نے زمین

فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ

میں تکبر کیا اور ہم سے بھاگ کر جا نہ سکے پس ہم نے سب کو گرفتار کر لیا ان کے

الصَّيْحَة۔ اس عذاب سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہلاک کی گئی اور بعض روایات میں زلزلہ کا ذکر بھی ہے چنانچہ سورہ اعراف میں صیحہ کے بجائے رجفہ مذکور ہے تفسیر کی جلد ۶ صہ ۵۱ پر ملاحظہ ہو۔
خَسَفْنَا۔ قوم لوط کے عذاب کی طرف اشارہ ہے۔
اَغْرَقْنَا۔ یہ فرعون کے عذاب کی طرف اشارہ ہے۔ تفسیر کی جلد ۷ صہ ۱۷۹ سے اور جلد ۲ صہ ۱۲۶ سے ملاحظہ ہو۔
اَوْلِيَاء۔ یہ ولی کی جمع ہے اور مجمع البیان میں ہے کہ ولی کی لفظ ناصر کی لفظ سے بلیغ تر ہے کیوں کہ ناصر بعض اوقات اپنے غیر کو بھی نصرت پر مامور کر دیا کرتا ہے لیکن ولی وہ ناصر ہے جو بذاتِ خود نصرت کا کارنامہ انجام دے۔
اَلْعَنْكَبُوْت۔ یعنی جسطرح مکڑی کا بنایا ہوا گھر خود مکڑی کے لئے بھی فائدہ مند نہیں ہوتا اسی طرح جن لوگوں نے اللہ کے سوا کسی کو بھی اپنا کارساز

اور نفع و نقصان کا مالک سمجھا ہے وہ نہ ان کے لئے نفع رسان ہے نہ نقصان دہ ہے پس وہ دنیا میں مکڑی کے گھر کی
طرح فضول و واہیات خیال ہے اور آخرت میں ان کے لئے سخت نقصان دہ ہے اور جو بھی جس کسی کو اللہ کے علاوہ

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ

جرم کی وجہ سے پس بعضوں پر ہم نے پتھر نازل کئے اور بعض کو لے لیا ایک سخت

الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ

دھماکے نے اور بعضوں کو زمین سے نگلوا دیا اور بعضوں کو ہم نے غرق کر

مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

دیا اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا ولیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم

يَظْلِمُوْنَ ﴿٤١﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کرتے تھے مثال ان کی جنہوں نے اللہ کے علاوہ کارساز بنا رکھے ہیں مکڑی

اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ

کی سی ہے جس نے گھر بنایا ہو اور یقیناً گھروں میں کمزور ترین

الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے کاش وہ جانتے تحقیق اللہ جانتا ہے

مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٣﴾

جو پکارتے ہیں اس کے سوا کسی شے کو اور وہ غالب دانا ہے۔

پکارتا ہے۔ وہ سب اللہ کے
علم میں ہے۔ وہ جب بھی
گرفت کرنا چاہے کر سکتا
ہے کیوں کہ وہ عزیز و غالب
ہے لیکن لوگوں کو سوچنے
اور سمجھنے کی دعوت فکر
دیتا ہے۔ اس لئے جلدی
نہیں پکڑتا کیونکہ وہ حکیم و
دانا ہے اس کے بعد فرماتا
ہے کہ ہم لوگوں کو اس قسم
کی مثالیں پیش کر کے سمجھاتے
ہیں۔ لیکن سمجھدار ہی اس
حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں صرف
زمین و آسمان کا پراز حکمت و
تدبیر تخلیقی کارنامہ ہی ایماندار
لوگوں کے لئے سمجھنے کو کافی
ہے کہ اللہ و معبود کارساز و
خالق و رازق وہی ذات ہے
اور اسی کو کائنات کے ذرہ
ذرہ میں کلی و جزوی تصرفات
کا پورا حق حاصل ہے اور سب
پر اسی کا ہی اقتدار قائم
ہے۔ پس ان امور میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا دعا و پکار صرف اسی کی ذات کے لئے مخصوص ہونی چاہیئے۔ البتہ

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا

اور اسی قسم کی مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے اور ان کو نہیں سمجھتے

الْعَالِمُونَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

مگر علم رکھنے والے لوگ اللہ نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾ ع

تحقیق اس میں نشانی ہے ایمانداروں کے لئے

محمد وآلِ محمد علیہم السلام کائنات میں بہترین وسیلہ ہیں اور ان کے وسیلہ سے دعا جلد مستجاب ہوتی ہے۔ حدیث قدسی میں ارشادِ پروردگار ہے۔ كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔ یعنی میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اور مقربین و واعظین اس جگہ مخلوق سے مراد محمدؐ وآلِ محمدؐ لیتے ہیں جن کے انوار کو سب سے پہلے خلق کیا گیا۔ جیساکہ حضورؐ کا فرمان ہے اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کہ سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا۔ پس باقی مخلوق ان کے بعد میں پیدا ہوئی اور بعد میں پیدا ہونے والی مخلوق کے لئے معرفتِ پروردگار کا وسیلہ محمدؐ وآلِ محمدؐ ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر معصوم کا ارشاد ہے کہ ہم نے اللہ کی تسبیح کی تو ملائکہ نے بھی ہماری تسبیح کی بدولت اللہ کی تسبیح کی الخ تو جس طرح یہ ذواتِ مقدسہ باقی مخلوق کے لئے معرفتِ خدا کا وسیلہ ہیں اسی طرح اللہ سے کسبِ فیض کرنے میں بھی وہ وسیلہ ہیں چنانچہ احادیثِ متواترہ کے مضمون سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی بھی باکمال مخلوق کو کمال نہیں ملا سوائے ان کے وسیلہ کے تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک کا داتا اور محسن اگرچہ خود پروردگارِ عالمین ہے لیکن چونکہ یہ مخلوق خاص باقی مخلوق کے لئے اس کی معرفت کا وسیلہ ہیں پس دعا و مناجات میں بھی انہی کی ذواتِ مقدسہ کو وسیلہ بنانا ضروری ہے کیونکہ انہی کے وسیلہ سے ہی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب دعا کے اوّل و آخر میں درود پڑھا جائے تو وہ ضرور مقامِ استجابت تک پہنچتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ۔

پارہ
۲۱

## رکوع ۵ نماز برائی و بے حیائی سے روکتی ہے

نماز خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان وہ رابطہ وصال ہے جس سے قریب تر اور قوی تر کوئی دوسری عبادت نہیں ہے۔ اس میں بندہ اپنے بندہ پرور اور مخلوق اپنے خالق کے حضور میں ایسی منزل پر فائز ہوتا ہے کہ اس کی چشم بصیرت کے سامنے ایمان و ایقان اور علم و عرفان کی روشنی میں جلال و جمالِ توحید کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور کسی ظاہر بین عاشق کو معشوق کے دیدار میں یا کسی دنیاوی محب کو محبوب کی ملاقات میں جس قدر فوری طور پر زائل ہو جانے والا اور بہت جلدی مضمحل و ناپید ہونے والا عارضی سرور و لطف محسوس ہوتا ہے اُس سے کہیں زیادہ لطف نماز میں اُس نمازی کو حاصل ہوتا ہے جو جمال و جلال پروردگار اور لطف و رحمت کردگار کا ایقان و عرفان کے آئینے میں بصیرت کی حق بین حق جو اور حق طلب نگاہوں سے دیدار کر چکا ہو۔ اُسے نماز میں بے مثال خالق اور بے عیب محسن کے جلوۂ حسنِ ذات و صفات کے پرتو میں وہ سکون محسوس ہوتا ہے جو کسی دوست و عزیز کی ملاقات میں نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر دنیاوی محبوب کا دیدار ساکن دل میں اضطراب اور تڑپ کی ایک مسلسل اور دیرپا لہر پیدا کر دیتا ہے اور ایسی گرمی پیدا کرتا ہے جو آگ سے زیادہ دل کو بلکہ پورے جسم کو جلا دینے والی ہوتی ہے اور بخلاف اس کے جب مومن ایمان و عرفان کے دریچوں سے جھانک کر مناظر قدرت کا دیدار کرتا ہے یا حالت نماز میں اپنے آپ کو بارگاہ قدس

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ

تلاوت کرو جو وحی کی گئی ہے تم پر کتاب سے اور قائم کرو نماز کو یقیناً نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی

تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۶

سے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو

ربوبیت میں حاضر پاتا ہے اور ذکرِ پروردگار کرتے ہوئے اپنے آپ کو معراجِ ارتقاء کی منزل پر اپنے خالق محسن کے ساتھ ہم کلام پاتا ہے تو اس کی آنکھوں سے دنیا و مافیہا کے جملہ مناظر ہٹ جاتے ہیں اور اُس کے حسنِ ذاتی کے مقابلہ میں دنیا کا ہر حسن اُسے سراپا عیب نظر آتا ہے۔ پس اس وقفہ میں اس کو سرورِ نفس کے ساتھ ساتھ وہ سکون قلب اور اطمینانِ دل نصیب ہوتا ہے جس کا صیغہ روح افزا سے مٹنا ناممکن ہے گویا تڑپتے ہوئے دل کو سکون قلب مضطرب کو اطمینان مصائب و شدائد میں گھرے ہوئے بے چین و پریشان انسان کو راحت و چین دنیاوی علائق و اسباب میں قیدی بندے کو آزادی اور آتشِ مظالم میں جلتے ہوئے مظلوم و بے کس کو سہارا اور ٹھنڈک اسی نماز میں میسر ہوتی ہے۔ بشرطیکہ ایمان و عرفان کی آنکھیں اندھی نہ ہوں اسی بنا پر حضرت رسالتمآب کا ارشادِ گرامی ہے کہ دنیاوی لذات میں سے میرے لئے ایک نماز بھی ہے اور فرمایا باقی لذائذ کے علاوہ نماز ایک ایسی لذت ہے جس میں طبیعت کو سکون نصیب ہوتا ہے۔ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ یعنی نماز میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب سے رخصت ہونے کے بعد جب کہ شب خنک و تاریک میں اپنی اہلیہ صفورا بنت شعیب کے ساتھ جنگل بیابان سے

بلکہ جب بالکل ہی قریب پہنچے [illegible] سردی زوروں پر تھی۔ آگ جلانے کا چقماق بے کار ہو چکا تھا اور اہل
خانہ کو [illegible] کی بھی تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ اب جو اچانک وادی طور میں [illegible] ہوا تو حضرت موسیٰ
[illegible] قریب پہنچے [illegible] درخت کے پیچھے سے [illegible] پریشان و مضطرب
[illegible] نہایت [illegible] اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ [illegible] میں ہی تیرا پروردگار ہوں فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ
اپنی جوتیاں اتار دو [illegible] خیالات [illegible] وسوسوں [illegible] پوری طرح میری طرف متوجہ ہو جاؤ
اور [illegible] مصیبت زدہ [illegible] کیفیت [illegible]
[illegible] قرآن مجید میں [illegible] کلام اللہ [illegible] قرار دیا گیا ہے
[illegible] الفاظ کے معنی و
مفہوم کے سمندر سے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جس طرح اس مقام پر اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ کہہ کر موسیٰ کی توجہ کو اپنی ذات کی طرف
مبذول کیا ہے اسی طرح اس مقام پر اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ سے اپنا تعارف کرا کے حضرت موسیٰ کو متوجہ کیا ہے
رب العالمین اللہ کی صفت [illegible]
حضرت موسیٰ جو [illegible] اللہ کے لفظ سے سمجھ سکتے تھے اسی معنی کی ادائیگی دوسرے مقام پر رب کا لفظ کر رہا ہے۔
پس کہ حضرت موسیٰ انتہائی تھکان و خستگی اور حد درجہ کی کوفت و ذہنی پریشانی کے باوجود اس یقین کے بعد کہ کائنات
[illegible] رب العالمین [illegible] مجھے [illegible]
بالکل بے نیاز ہو کر ہمہ تن گوش ہو گئے اور پورے سکون نفس اور اطمینان قلب کی دولت لازوال سے مالا مال ہو کر واپس پلٹے اور اس کے بعد
ساری زندگی میں امت کی غلط کاریوں یا ایذا رسانیوں سے جب بھی طبیعت پریشان ہوتی تو کوہ طور کے دامن میں سکون نفس اور اطمینان
قلب حاصل کرتے۔ اور یہی حضرت موسیٰ کی معراج تھی اور رسالتمآب نے نماز کو ہر مومن کے لئے معراج قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طبیعت
انسانیہ تو خوشی اور غم کے دونوں پہلوؤں سے متاثر ہوتی ہے اگر انسان غمزدہ ہو اور اسی دوران میں کوئی خوشی کی بات سامنے آ جائے پس اگر
خوشی کا وزن غم کے وزن سے کم ہو تو غم طبیعت پر غالب رہتا ہے اور اگر خوشی کا وزن غم کے وزن کے برابر ہو تو طبیعت میں اضطراب
رہتا ہے لیکن اگر خوشی کا وزن زیادہ ہو جائے تو غم کافور ہو جاتا ہے اور چہرے سے غمی کے آثار قطعی طور پر ختم ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ
بشاشت و سرور کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں حضرت موسیٰ کے لئے لقاء پروردگار اور دیدار جلوہ طور ایسی خوشی کا وزن ان کی سابق کوفت
و تکلیف کے وزن سے کہیں زیادہ تھا اس لئے تھکان و غم بالکل کافور ہوا اور طبیعت نہایت ہشاش و بشاش ہو گئی۔ اسی طرح وہ
آگ جو نمرود کے لئے جلانے کا کام کر رہی تھی بعینہ اسی وقت خلیل خدا کے لئے لطف و سرور اور عیش و لذت کی بساط بن چکی تھی
اور انبیاء سابقین کے مجموعی مصائب سے بھی بڑھ کر مصائب و آلام میں گھر جانے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو جلوۂ جمال
پروردگار کے دیدار کا کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پر تمازت آفتاب کی پوری تیزی کے دوران میں تیروں تلواروں نیزوں اور پتھروں کی

موسلا دھار بارش میں لطف اٹھایا اس کی نظیر اس فلک نیلگوں کے سایہ میں تا قیامت ناممکن ہے۔ چنانچہ آپ نماز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انتہائی دلجمعی اور سکون کے ساتھ محب و محبوب کے باہمی مکالمہ کے انداز سے محوِ مناجات تھے تَرَكْتُ الْخَلْقَ طُرًّا فِي هَوَاكَا وَ اَيْتَمْتُ عِيَالِي كَيْ اَرَاكَ یعنی تیرے وصال کی شوق میں میں نے ساری مخلوق سے رشتۂ محبت کاٹ دیا ہے اور تیرے جلوۂ جلال کے دیدار کی خاطر میں نے بچوں کی یتیمی گوارا کر لی ہے۔ اسی طرح باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے زندگی بھر نماز سکونِ نفس کی آخری منزل رہی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے زندان کی تیرہ و تاریک کوٹھڑیوں میں ان پیارے لفظوں میں اللہ سے مناجات کی۔ میں چاہتا تھا کہ تیری عبادت کرنے کے لئے کوئی ایسا مقام ملے جہاں علائق دنیاویہ سے قطعی طور پر الگ تھلگ ہو کر تیری بندگی کروں اور تیرے ساتھ محوِ مناجات رہوں۔ اے پروردگار تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے تنہائی کا ایسا مقام عطا فرمایا ہے جس میں تمام افکار سے بے نیاز ہو کر تیرے ساتھ خلوت میں مناجات کا لطف اٹھاتا ہوں۔ جب نماز کی حقیقی منزل اس قدر بلند ہے تو اس کا ہر برائی اور بے حیائی سے روکنا واضح ہے۔ کیوں کہ جو لوگ نماز کی لذات سے بہرہ ور ہوتے ہیں اپنے محبوب خالق اور پیارے پروردگار کی مخالفت کا چشم زدن میں تصور ہی نہیں کر سکتے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ نماز کا بے حیائی و بدکرداری سے منع کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی کسی کو زبان کے ذریعے سے منع کرے کیوں کہ نماز میں اللہ کی کبریائی کی گواہی دیتے ہوئے اللہ اکبر کہنا اس کی تسبیح کا زبان پر جاری کرنا اس کی الوہیت کا اعتراف کرنا قرارت کرنا اور پھر رکوع سجود قیام اور تشہد کے حالات میں تبدیل ہونا ایسے حالات ہیں جن سے کشف کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص اٹھتے بیٹھتے اور جھکتے اور سیدھا ہوتے میں اللہ کے امر کا مکمل پابند ہے اور اس کا ہر عضو محو ذکر پروردگار ہے اور روزمرہ کم از کم پانچ اوقات میں اس حالت کا بار بار عود کر آنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ جلوہ جمالِ توحید کا پروانہ ہے اور لقائے خداوندی کے لئے اس قدر بے تاب نماز کی انتظار کرتا ہے جس طرح کوئی محب اپنے پیارے محبوب کا منتظر ہو اور ایسی یکسوئی سے اس کے ساتھ محو مناجات ہوتا ہے جس طرح مدت کا بچھڑا ہوا دوست دوست سے مل کر پیار و محبت کے لہجہ میں بات کرتا اور سنتا ہو۔ اگر نماز کی ظاہری کیفیت جو اعضاء پر طاری ہوتی ہے نمازی کے دل پر طاری رہے تو وہ کسی وقت بھی غلط کاری کی طرف اقدام نہیں کر سکتا جس طرح کوئی محب بھی خلوت و جلوت میں کبھی اپنے محبوب کی رضا کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا کرتا۔

ابنِ عباس سے منقول ہے کہ جو نماز نمازی کو گناہوں سے نہ روکے وہ قرب کے بجائے اللہ سے دوری کی موجب ہوتی ہے چنانچہ انس بن مالک نے جناب پیغمبرؐ سے روایت کی ہے جو نماز نمازی کو فحشاء و منکر سے نہیں روکتی وہ اللہ سے دوری کا سبب ہوتی ہے۔ اور ابنِ مسعود سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نماز نہیں جو نماز کی اطاعت نہ کرے اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی و برائی سے بچ جائے۔ یعنی نماز کی حالات اور اس کے اذکار جو زبانِ حال سے عبد کی معبود کے ساتھ وصال کی خبر دیتے ہیں۔ وہ زبانِ حال سے نمازی کو مخالفتِ پروردگار سے باز رہنے کی دعوت بھی دیتے ہیں پس جو شخص نماز پڑھتا رہے اور گناہوں سے نہ رکے اس کی نماز وہ نماز نہیں جس کی اللہ نے صفت بیان کی ہے۔ پس اگر کسی وقت تائب ہو جائے اور گناہوں کو چھوڑ دے تو اس سے پتہ چلے گا کہ نمازی کو

نماز نے فائدہ پہنچایا اور بالآخر اپنا مطالبہ اس تے نمازی سے منوا لیا خواہ کافی عرصہ کے بعد ہی توبہ کیوں نہ کرے۔ چنانچہ انس سے مروی ہے کہ انصاری نوجوان جو ہمیشہ نماز مسجد نبوی میں حضورؐ کے پیچھے جماعت سے ادا کرتا تھا اور باوجود اس کے وہ بدکردار بھی تھا۔ جب حضورؐ سے اس کی شکایت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا ایک دن نماز اُسے غلط کاریوں سے روک لے گی۔ اسی طرح بروایت جابر مروی ہے کہ ایک شخص دن کا نمازی اور رات کا چور تھا جب اس کی شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا ایک دن نماز اس کو اس غلطی سے روک دے گی۔ ان روایات کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جوانی میں انسان ہر قسم کی غلطی کرتا رہے اور توبہ کو ٹالتا رہے۔ مقصد یہ ہے بعض سرکش طبیعت کے انسانوں پر واعظ کی بات کا فوری طور پر اثر نہیں ہوتا تو جلد باز واعظین اس سے فوری طور پر توبہ کا مطالبہ کرتے کرتے اس کو گناہوں پر جری کر بیٹھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ضد میں آکر وہ اعلانیہ احکام شرعیہ کا مخالف بن جاتا ہے۔ لیکن اگر واعظ موقع و محل کی مناسبت کا لحاظ رکھے اور نوجوانوں کے مزاج کو پہچان کر سرکش مزاجوں پر جلد بازی نہ کرے تو وہ ایک مدت کے بعد خود بخود توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور شرافت انسانیہ اسے خود بخود واعظ کے قدموں پر جھکا دیتی ہے۔ جن نوجوانوں کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ بالآخر ان کو نماز ان برائیوں سے روک لے گی اُن کے لئے یہی کلمہ ہی مؤثر وعظ تھا۔ اگر بخلاف اس کے ان کو ڈانٹتے تو ان کے جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا جس کی وجہ سے ان کے دین سے منحرف ہونے کا خطرہ تھا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میری نماز مقبول ہے یا نہیں وہ اپنے نفس کا جائزہ لے کہ نماز نے اسے بدکرداری اور بے حیائی سے روکا ہے یا نہیں اور جس قدر وہ غلط کاریوں سے رُک گیا ہو وہ سمجھ لے کہ اتنی مقدار میں میری نمازیں مقبول ہوئی ہیں۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ تم میرا ذکر کرو اور میں تمہارا ذکر کروں گا یعنی بندے کا ذکر کرنا اس کی عبادت و اطاعت کرنا ہے اور اللہ کا ذکر کرنا بندہ پر رحم و کرم کی بارش کرنا ہے۔ اب اسی کے پیش نظر اس فقرہ کی یہ توجیہہ کی گئی ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرتے ہوئے نماز کو قائم کرو اور ذکرِ خدا کو زبان پر جاری کرو اور اللہ تم پر رحمت کی بارش برسائے گا لیکن یہ یاد رہے کہ تمہارے ذکر یعنی عبادت سے اُس کا ذکر یعنی اس کا تم پر رحمت نازل کرنا بہت زیادہ ہے۔ بعض لوگوں نے یہ معنی کیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنا باقی تمام عبادتوں سے اکبر ہے۔ اور یہ توجیہہ کی گئی ہے کہ فحشا اور منکر سے روکنے کے لئے اللہ کے ذکر سے زیادہ مؤثر اور کوئی شے نہیں ہے۔ یعنی انسان اللہ کے انعام و احسان کو یاد کرے اس کے اوامر و نواہی کا مطالعہ کرے اور پھر اس کے ثواب و عقاب پر نظر کرے تو یقیناً ایک دن وہ ہر قسم کی برائیوں کو خیرباد کہنے پر قادر ہو جائے گا اور یہ سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے چار غلام آزاد کئے اور دوسرے شخص نے تسبیحاتِ اربعہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کو زبان پر جاری کیا اور مسجد میں چلا آیا چنانچہ حبیب بن اوفی اور اس وقت کے دوسرے فقہا کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ ایک شخص نے چار غلام آزاد کئے اور میں نے تسبیحاتِ اربعہ کو زبان پر جاری کیا ہے۔ ان دونوں عبادتوں میں سے کونسی افضل ہے تو فقہا نے کچھ سوچنے کے بعد کہہ دیا کہ ہم ذکرِ خدا سے افضل کسی شے کو نہیں کہہ سکتے اور معاذ بن جبل سے مروی ہے کہ اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے ذکرِ خدا سے بڑی اور کوئی شے نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ جہاد بھی تو ہے؟

آپ نے فرمایا جہاد بھی اس سے کم ہے کیوں کہ اللہ فرماتا ہے۔ وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ وہ کہتا ہے میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ تمام اعمال سے اللہ کو زیادہ محبوب کونسا عمل ہے تو آپ نے فرمایا جب تجھ پر موت آئے تو تیری زبان پر ذکرِ پروردگار جاری ہو، آپ نے فرمایا جنتیوں میں سے سابق وہ ہوں گے جو ذکرِ خدا میں شب بیداری کرنے والے ہوں گے آپ نے فرمایا جو شخص جنت کے باغات کی سیر کرنا چاہے وہ زیادہ سے زیادہ ذکرِ خدا کو زبان پر جاری کرے۔

نماز فریضہ کے بعد تسبیح زہرا پڑھنا ایک ہزار مستحب نافلہ سے افضل قرار دی گئی ہے جس میں اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ پڑھی جائے۔ مروی ہے کہ بی بی پاک نے اپنے والد بزرگوار سے گھریلو کام کاج کے لئے ایک کنیز کی خواہش کی تھی تو آپ نے بجائے کنیز کے یہ تسبیح تعلیم فرمائی تھی۔ اس میں اللہ کی کبریائی۔ اللہ کی حمد و ثنا اور اللہ کی عظمت شان اور تنزیہ کا بیان ہے۔ اسی طرح تسبیحاتِ اربعہ جس میں مذکورہ تین اذکار کے علاوہ چوتھا ذکر توحیدِ پروردگار کا بیان ہے۔ اس کا پڑھنا بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو اپنے ذکر کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنے ذکر کے صدقہ میں اپنے ذکر کرنے والوں پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے گناہ معاف کرے۔ اے اللہ مجھے میرے بزرگوں اور میرے احباب مومنین کے گناہوں کو بخش اور اپنے ذکر کی مزید توفیق عطا فرما اور اس سلسلہ میں صبرِ جمیل اور عزم صمیم کی دولت سے مالا مال کر۔

**مناظرہ کا طریقہ**

وَتُجَادِلُوْا :- جدل سے ہے اور اس کا لغوی معنی رسّے کو بٹ دینا اور مروڑنا ہے چونکہ باہمی بحث میں فریقین ایک دوسرے کو گفتگو کے ذریعے اپنے مذہب و طریقہ سے پھیرنے و موڑنے کی کوشش میں ہوتے ہیں اس لئے اس قسم کے مکالمہ کو مجادلہ کہا جاتا ہے اور اس لحاظ سے کہ فکر و نظر کے ذریعے سے ایک دوسرے کو اپنا اپنا نظریہ سمجھائیں اور منوائیں اس کو مناظرہ بھی کہا جاتا ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ

اور نہ مناظرہ کرو اہلِ کتاب کے ساتھ مگر ساتھ ایسے طریقہ کے جو اچھا ہو۔ سوائے ان لوگوں کے جو

ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ

ظالم ہیں ان میں سے اور کہو ہم ایمان لائے اس پر جو ہم پر اتاری گئی اور

مجادلہ و مناظرہ میں چونکہ فریقین کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اپنے مسلمات کی بنیاد پر اپنا نظریہ ثابت نہ کریں بلکہ ہر فریق دوسرے فریق کے مسلمات کی بنیاد پر اپنے نظریہ کو دلیل و برہان کے ذریعے سے ثابت کرنے کی کوشش کرے یا سرے سے فریقِ مخالف کے مسلمات کو اصولِ مسلمہ کی روشنی میں عقل و نقل سے باطل کرکے اس کے نظریہ کو غلط ثابت کرے۔

نظریۂ حق دھونس دھاندلی سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ دلائلِ حقہ و براہینِ صادقہ پر اس کی بنیاد قائم ہوتی ہے اس لئے اللہ نہیں چاہتا کہ اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے ناجائز اور غلط طریقِ کار کو اپنایا جائے۔ پس نہ بحث و باہمی مکالمہ میں اخلاق سے گری ہوئی

گفتگو کا اظہار ہو اور نہ طریق استدلال میں اصول کلام سے انحراف ہو اسی لئے حضرت حق سبحانہ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف روانہ کرنے سے پہلے کھلے لفظوں میں ہدایت فرمائی تھی کہ قُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا یعنی باہمی مکالمہ میں لہجہ میں تلخی و درشتی پیدا نہ ہونے پائے۔ بہایت سنجیدگی۔ متانت اور بلند حوصلگی سے دعوتِ حق اور پیغام اسلام اس تک پہنچایا جائے تاکہ وہ شاید تسلیم کرلے اور قرآن مجید میں اپنے حبیب کو فرمایا جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی اچھے اور قابلِ قبول طریقے سے باہمی گفتگو اور مجادلہ کیجئے اس آیتِ مجیدہ میں بھی اسی قاعدہ کی پاسداری کا حکم صادر فرمایا ہے۔ تفسیر برہان میں تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے دینی امور میں مجادلہ کرنے کا ذکر چلا اور کسی نے کہدیا کہ حضرت رسالتمآب اور آئمہ طاہرینؑ نے دینی امور میں مجادلہ کرنے سے منع فرمایا ہے تو یہ سنتے ہی امامؑ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اُس مجادلہ مناظرہ سے منع کیا گیا ہے جو احسن طریقہ سے نہ ہو چنانچہ آپ نے یہی آیتِ مجیدہ پڑھی اور اس کے بعد دوسری آیت پڑھی اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے سے بلاؤ اور مخالفین کے ساتھ احسن طریقہ سے مجادلہ کرو۔ پس وہ مجادلہ جو احسن طریق پر ہو اُسے اللہ نے دین کا حصہ قرار دیا ہے اور وہ مناظرہ جو احسن طریق پہ ہو اس کو اللہ نے ہمارے شیعوں پر حرام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کلّی طور پر اللہ مناظرہ و مجادلہ کو کیسے حرام کہہ سکتا ہے حالانکہ اس نے یہود و نصاریٰ کو خود دلیل و برہان پیش کرنے کا چیلنج کیا ہے۔ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ یعنی اگر تم اپنے نظریہ میں راست گو ہو تو اپنے مسلک پر دلیل و برہان پیش کرو تو اللہ نے خود صداقت و ایمان کی علامت برہان کو قرار دیا ہے اور برُہان اُسی مناظرہ میں ہوتی ہے جو احسن ہو پس آپ سے سوال کیا گیا کہ مناظرۂ احسن اور مناظرۂ غیر احسن میں فرق بیان فرمایئے تاکہ ہم کسی نتیجے پر پہنچنے کے قابل ہو جائیں تو آپ نے فرمایا کہ مجادلۂ احسن یہ ہے کہ جب اہلِ حق کا اہلِ باطل سے مناظرہ ہو اور اہلِ حق اپنا مسلک بیان کریں۔ پھر اہلِ باطل کی طرف سے اس پر اعتراض کیا جائے اور اہلِ حق کی جانب سے نامزد مناظر کے پاس اس کا جواب صحیح موجود نہ ہو تو اس کے باطل اعتراض کو رد کرنے کے لئے اپنے اصولِ مسلّمہ کا انکار کردے جن کو باطل کے وکیل نے اپنے اعتراض

أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۴۷﴾

جو تم پر اتاری گئی اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کے سامنے جھکنے والے ہیں

وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ

اور اسی طرح ہم نے اتاری تجھ پر کتاب پس وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس

يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ هَٰؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا

پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (اہل مکہ) میں سے بعض ایماندار ہیں اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا

کی پختگی کے لیے پیش کیا تھا (اقول۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ شیعہ و سنی مناظرہ میں جب سنی مناظر کی جانب سے شیعہ مسلک کے اصول پر اعتراض ہو اور وہ اپنے اعتراض میں کسی شیعہ مسلک کی کتاب کا حوالہ دے تو شیعہ مناظر جواب نہ بننے کی صورت میں اپنی مستند کتاب سے انکار کر دے اس خوف سے کہ سنی مناظر کی دلیل کمزور ہو جائے) اس قسم کا مناظرہ غیر احسن ہے اور شیعوں پر حرام ہے کیوں کہ اس طرزِ عمل سے ضعفاء شیعہ پریشان ہو جاتے ہیں جب کہ شیعہ مناظر اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے اپنے مسلمات کا انکار کرنے لگے اور مجادلہ احسن کا اس کے مقابلہ میں خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیا ہے چنانچہ جو لوگ قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہو کر پیش ہونے کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ۔ یعنی ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے ؟ تو اس کے جواب میں پیغمبرؐ سے فرمایا قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ۔ کہہ دیجئے وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ ان کو ایجاد کیا تھا، چونکہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ پہلی دفعہ سب چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ ہے تو ان کے مسلمہ عقیدہ کی بنا پر دلیل پختہ ہو گئی کہ جو ذات پہلی دفعہ بغیر کسی مادہ کے اور بغیر کسی سابق نمونہ حاصل کئے کے اس قدر اچھی و خوبصورت مخلوق پیدا کر سکتی ہے۔ اس کے لئے ان کا دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے کیونکہ ایجاد اعادہ سے مشکل تر ہے تو جو خدا ایک مشکل تخلیق کو انجام دے سکتا ہے وہ آسان پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے پھر دوسرا استدلال پیش کیا کہ جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا۔ یعنی جو خدا سرسبز درخت کی تازہ ٹہنیوں میں گرم و جلا دینے والی آگ کو پوشیدہ رکھ سکتا ہے۔ وہ کہنہ چیز کو وجود نو کے لباس سے مزین کر کے بھی منظر عام پر لا سکتا ہے اس کے بعد پھر تیسرا استدلال جاری کیا أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ الخ یعنی وہ ذات جو آسمانوں اور زمین کی اس قدر محیر العقول مخلوق کی تخلیق پر قادر ہے جن کے منافع و مصالح کا شمار نہیں ہو سکتا اور ان کے کسی بھی پہلو کی گہرائیوں تک تمام انسانوں کی عقول عاجز ہیں تو اس کے مقابلہ میں کہنہ مخلوق کو نیا کرنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا تو اس کے نزدیک ایک معمولی بات ہے کیوں کہ جو بڑے سے بڑے کام انجام دے سکتا ہے وہ چھوٹے اور معمولی کاموں کی انجام دہی سے کیسے عاجز آ سکتا ہے ؟ (پس مجادلہ احسن وہ ہے کہ جس کی بنیاد فریق مخالف کے ایسے مسلّمہ اصولوں پر ہو جن کے انکار کی وہ جرأت نہ کر سکیں اور دلیل و برہان میں ایسی پختگی ہو کہ حق کے تسلیم کرنے کے بغیر ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ البتہ حسد و عناد کی وجہ سے اگر کوئی نہ تسلیم کرے تو اس کج طبیعت کا اثر مناظرہ کے حسن پر نہیں پڑتا) آپ نے فرمایا وہ مناظرہ حرام ہے جس میں تمہیں فریق باطل کے باطل قول کو ٹھکرانے کے لئے اپنے حق کا بھی انکار کرنا پڑے۔ ایسی صورت میں تو تمہارے حق اور اس کے باطل میں کوئی فرق نہ رہے گا اور ایسا کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے میں تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے کیوں کہ ایک حق کا انہوں نے انکار کیا اور ایک حق کا تم نے انکار کر دیا۔

معصومین علیہم السلام نے جن لوگوں کو مناظرہ کرنے سے روکا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل مناظرہ حرام ہے بلکہ جن کو روکا تھا ان میں مناظرہ کی صلاحیت موجود نہ تھی اور ان سے خطرہ تھا کہ غیر احسن طریق سے بات کر کے مذہب کی بدنامی کا باعث نہ بنیں اور اس کے مقابلہ میں ہشام بن حکم کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے خود مناظرہ کی اجازت مرحمت فرمائی کیوں کہ یہ شخص مناظرہ کے لئے پوری صلاحیتوں کا مالک تھا اور یہی صورت بعینہٖ جنگِ صفین کے بعد حکمین کے فیصلہ کے دوران پیش آئی چنانچہ حضرت علی علیہ السلام

ابوموسیٰ اشعری کو مجادلہ میں نااہل سمجھتے تھے اس لئے ابن عباس کو نامزد کرنا چاہتے تھے لیکن جذباتی لوگوں نے ابوموسیٰ اشعری کی نامزدگی پر زور دیا اور یہ امیرِ شام کی سیاسی چالوں کا نتیجہ تھا۔ پس ابوموسیٰ نے اپنی نااہلیت کا پورا ثبوت دیا کہ عمرو عاص کی تجویز کے ماتحت مخالف کے باطل کا انکار کرتے کرتے اپنے حق کا بھی انکار کردیا یعنی ہمیں دورِ حاضر کے دونوں امیر نامنظور ہیں امیرِ شام اس لئے کہ وہ باطل ہے اور حضرت علیؑ اس لئے کہ اس کے ہٹائے بغیر فیصلہ ناممکن ہے اور نتیجہ یہ نکلا کہ فریقِ مخالف کے وکیل عمرو عاص کو موقع مل گیا پس اُس نے کھڑے ہو کر کہہ دیا کہ حضرت علیؑ اس لئے معزول ہیں کہ اس کی معزولی پر ہم دونوں کا اتفاق ہے اور معاویہ کی معزولی پر چونکہ ہم دونوں کا اتفاق نہیں لہٰذا اسے خلیفہ رہنا چاہیئے اور اس مجادلہ غیر احسن کے نتیجہ میں قیامت تک کے لئے امتِ اسلامیہ کے درمیان یہ مسئلہ مستقل منافرت اور مشاجرت کی بنیاد بن گیا اور حق و باطل کی یہ جنگ آج تک روزِ اوّل کی طرح بحال ہے اور رہے گی۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا۔ یعنی اہل خلاف میں سے جو ظالم ہیں ان کے ساتھ نرم گفتگو یا مجادلہ احسن کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو لوگ لڑائی کا ارادہ رکھتے ہوں بے شک ان کے ساتھ جہاد کرکے ان کو مغلوب کرو خواہ اسلام قبول کریں یا جزیہ تسلیم کریں۔

وَمَا کُنۡتَ تَتۡلُوۡا۔ یعنی قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو نے نہ کسی سے کوئی کتاب پڑھی اور نہ لکھنا سیکھا اور اہلِ مکہ تیرے بچپنے کی اس کیفیت کو خوب جانتے ہیں ورنہ ان کو سادہ مزاج لوگوں کے گمراہ کرنے کا بہانہ مل جاتا کہ پڑھا لکھا آدمی ہے اور گذشتہ کتابوں کی باتیں اور قصے بنا کر پڑھتا ہے اور اپنا دین پھیلاتا ہے۔

اِلَّا الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا کُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنۡ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ

مگر کافر لوگ — اور تو نہیں پڑھتا تھا اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے کوئی کتاب اور نہ خط لکھتا تھا اپنے

بِیَمِیۡنِکَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ بَلۡ ہُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ

ہاتھ سے ورنہ شک کرتے باطل پرست — بلکہ یہ واضح آیتیں ہیں ان کے

فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَمَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾

سینوں میں جن کو علم دیا گیا اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر ظالم لوگ

بَلۡ ہُوَ۔ یعنی جب حضور کی زندگی سے صاف عیاں ہے کہ آپ کسی آدمی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھے تو ان کا پیش کردہ کلام یقیناً اللہ کا کلام ہے اور اس کا علم ان لوگوں کے سینوں میں ہے جنہیں علم دیا گیا ہے اور تفسیر مجمع البیان میں صادقین علیہما السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد آئمہ آلِ محمدؑ ہیں۔

وَقَالُوۡا۔ کفارِ مکہ نے آپ سے چند معجزے طلب کئے کہ زمین سے چشمہ نکالو کوہِ صفا سونے کا بن جائے اور ہمارا کوئی بزرگ دوبارہ زندہ ہو کر تمہاری تصدیق کرے۔ تب ہم مانیں گے کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اس آیتِ مجیدہ میں ان کا وہی سوال دہرایا گیا ہے کہ جو معجزے اور نشانیاں ہم طلب کرتے ہیں وہ کیوں نہیں پیش کرتا تو اس کے جواب میں اللہ فرماتا ہے ان سے کہہ دیجئے

معجزہ کا فاعل اللہ ہے میں نہیں ہوں میں تو صرف تمہیں عذابِ خدا سے ڈرانے کے لئے آیا ہوں۔ اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ اور معجزے کس لئے طلب کرتے ہیں۔ اگر وہ انصاف کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر غور کریں تو یہ معجزہ ان کے لئے کیا کم ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو صبح و شام ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے کہ جب ان سب کو پتہ بھی ہے کہ تو نے کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تو پھر تمہارا ایسا کلام پیش کرنا جس کے مقابلہ سے تمام عرب کے بلکہ دنیا کے سنجیدہ انسان عاجز ہو جائیں اور فصحا و بلغا اس کے سامنے دم نہ مار سکیں، تمہارے رسول برحق ہونے کی واضح دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ آیت نے کھلے

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ

اور کہا (اہلِ مکہ نے) کیوں نہیں اتاری گئیں اس پر نشانیاں اپنے رب کی طرف سے کہہ دو نشانیاں صرف

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ

اللہ کے پاس ہیں اور میں تو صرف ظاہر طور پر ڈرانے والا ہوں کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے

اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى

اتاری تجھ پر کتاب جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ تحقیق اس میں رحمت اور نصیحت ہے ایماندار

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ

لوگوں کے لئے کہہ دیجئے کافی ہے اللہ گواہ میرے اور تمہارے درمیان وہ جانتا

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ

ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو لوگ ایمان لائے باطل پر

لفظوں اعلان کر دیا ہے کہ معجزہ کا فاعل خدا ہوتا ہے اور انبیاء و آئمہ معجزہ نما ہوا کرتے ہیں اور معجزے کے اظہار کی مصلحت اور اس وقت کا تعین بھی اللہ کے سپرد ہے جسے معجزہ نما ہی سمجھ سکتا ہے۔

رکوع ۲ کَفٰى بِاللّٰهِ۔ کسی نبی کے متعلق اللہ کی شہادت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ صحیفہ سماویہ کے ذریعے سے اس کی نبوت کا اعلان ہو اور دوسرے اسے ایسا معجزہ عطا فرمائے جو عام انسانوں کے بس سے باہر ہو اور مافوق العادات ہو۔ حضورؐ نے کفار پر اپنی نبوت کے اثبات میں اللہ کی گواہی پیش کی۔ چنانچہ خداوند کریم نے اپنے کلام بلاغت نظام میں جس کے انسانی طاقت سے بالاتر ہونے کا اعتراف کفارِ مکہ کر چکے تھے۔ ارشاد فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور اسی کتابِ مقدس کو ایسا اعجاز بخشا جو تا قیامت آپ کی نبوت کا مستقل گواہ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ قرآن مجید ہمیشہ تازہ ہے اور تازہ رہے گا اور ہر دور کے مفکرین علمائے اس بحرِ ذخار سے ہمیشہ نئے نئے موتی تلاش کرتے رہیں گے اور ہر زمانہ کا دانشور طبقہ ہمیشہ اسکی رہنمائی کا محتاج رہے گا اور اس کے فیصلہ

کو آخری فیصلہ سمجھنے پر مجبور ہے۔

یَغْشٰهُمُ :- عذاب کے گھیر لینے کا مقصد یہ ہے کہ اُن کے جسم کا کوئی حصہ عذاب سے بچا ہوا نہ ہوگا۔ اوپر نیچے اور دائیں بائیں ہر طرف سے عذاب ہی عذاب ہوگا۔

یٰعِبَادِیَ :- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فاسق حکمرانوں کی وجہ سے اطاعت پروردگار کو ترک نہ کرو اگر وہ تم

| |
|---|
| وَكَفَرُوا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۵۳ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ |
| اور انکار کیا اللہ کا وہ لوگ ہی ہیں خسارہ پانے والے اور فوری طلب کرتے ہیں |
| بِالْعَذَابِ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ |
| تجھ سے عذاب حالانکہ اگر وقت مقرر نہ ہوتا تو ضرور اُن پر عذاب آجاتا اور البتہ ضرور آئے گا |
| بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۵۴ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَاِنَّ جَهَنَّمَ |
| ان پر اچانک کہ انہیں پتہ بھی نہ ہوگا فوری طلب کرتے ہیں تجھ سے عذاب اور تحقیق دوزخ |
| لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۵۵ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ |
| ضرور احاطہ کرے گا کافروں کا اُس دن کہ گھیر لے گا ان کو عذاب اوپر سے اور پاؤں کے |
| وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۵۶ |
| نیچے سے اور کہے گا چکھو وہ جو تم عمل کرتے تھے |

کو دین سے پھیرنا چاہیں تو خدا فرماتا ہے میری زمین کشادہ ہے کہیں جائے امن تلاش کر کے وہاں سے ہجرت کر جاؤ کیونکہ قیامت کے روز پوچھے گا کہ تم کیا کرتے رہے؟ تو جب لوگ یہ جواب دیں گے کہ کُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ یعنی ہم زمین میں کمزور تھے اور ظالموں سے سہمے ہوئے تھے تو ارشاد ہوگا۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً کیا میری زمین چوڑی نہیں تھی۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کا شان نزول مکہ کے کمزور ونادار طبقہ کے مومنین کے حق میں بیان کیا گیا ہے لیکن اس کی تاویل ہر زمانہ کے ستم رسیدہ بے کس مومنوں کو شامل ہے جو کہیں بھی طاقت ور دشمنانِ اسلام کے غلبہ اور ان کے مظالم کے ڈر سے شعائرِ اسلامیہ کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں۔

غُرَفًا :- [97] تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جنتی محلات زبرجد اور یاقوت کی اینٹوں سے بنے ہوئے ہوں گے اور ان میں جگہ جگہ موتی جڑے ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا :- [97] انسان کے لئے صبر اور توکل ایسی بیش بہا دولت ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان کبھی کسی کا نہ محتاج

ہوتا ہے اور نہ آلام و مصائبِ دنیا سے پریشان ہوتا ہے۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے ایک سائل نے ایک ہزار روپیہ ادائیگی قرض کے لئے مانگا تو آپ نے فرمایا حضرت رسالتمآبؐ کا فرمان ہے اَلْمَعْرُوْفُ بِقَدْرِ الْمَعْرِفَةِ یعنی کسی پر احسان اسکی معرفت کے اندازہ سے ہونا چاہیئے لہٰذا میں تجھ سے تین سوال کرتا ہوں۔ اگر ایک کا جواب دیا تو ایک تہائی سوال پورا کروں گا اور اگر دو کا جواب دیا تو دو تہائی سوال پورا کروں گا۔ اگر سب سوالوں کے جوابات دیئے تو تیری پوری حاجت روائی کروں گا۔ آپ نے پہلا سوال کیا کہ تمام اعمال میں سے افضل کون سا عمل ہے تو اس نے جواب دیا معرفتِ خدا آپ نے دوسرا سوال کیا کہ مصیبت کے وقت بہترین سہارا کیا چیز ہے تو اس نے جواب دیا اللہ پر توکل۔ آپ نے تیسرا سوال کیا کہ انسان کی زینت کیا چیز ہے تو اس نے جواب دیا علم جو تواضع کے ساتھ ہو۔ آپ نے فرمایا اگر یہ نہ ہو تو پھر زینت کیا چیز ہوگی اس نے جواب دیا مال مروت کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نہ ہو تو؟ اس نے جواب دیا غریب و نادار ہو تو اس کی زینت صبر ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بھی نہ ہو تو پھر؟ اس نے جواب دیا پھر اس پر آسمان سے بجلی گرے اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ آپ اس کے جوابات سے نہایت خوش ہوئے پس ایک ہزار کی تھیلی بھی عطا فرمائی اور اپنی انگشتری بطور انعام کے بھی دی جس کا نگینہ دو صد کی قیمت کا تھا۔ حوالہ جلد ۶ ص ۱۴۶

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو تحقیق میری زمین چوڑی ہے۔ پس میری عبادت کرو

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو پھر ہماری طرف تم پلٹائے جاؤ گے اور جو لوگ ایمان

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ

لائے اور عمل بجا لائے نیک ضرور ان کو ہم ٹھکانا دیں گے جنت کے بلند محلات کہ بہتی ہوں گی

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٥٩﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا

ان کے نیچے نہریں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے خوب اجر ہے عمل کرنے والوں کا جنہوں نے صبر کیا اور

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٦٠﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا

اپنے رب پر توکل کی اور کتنے زمین پر چلنے والے جانور ہیں جو اپنا رزق نہیں

اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ

اٹھا سکتے اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سننے جاننے والا ہے اور اگر ان سے سوال کرو

**رزق اور خلق اور تقسیم:۔** وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں وارد ہے کہ مکہ

میں ایک نادار و مزدور طبقہ کا گروہ مسلمان ہو چکا تھا اور انہیں مشرکین قسم و قسم کی اذیتیں دیتے تھے پس ان کو ہجرت کا حکم سنایا گیا تو کہنے لگے ہم کیسے گھروں کو چھوڑیں۔ مدینہ میں نہ ہمارے گھر ہیں نہ جائداد تو ہم روٹی کپڑا کہاں سے کمائیں گے۔ پس یہ آیت مجیدہ ان کی غلط فہمی کو دور کرتی ہے کہ ہر چیز کے رزق دینے والا اللہ ہے اور منقول ہے کہ زمین پر چلنے والی جنسوں میں سے صرف تین قسم کی مخلوق رزق بطور ذخیرہ کے اکٹھا کرتی ہے: انسان۔ چیونٹی اور چوہا، باقی سب مخلوق بھوک لگنے پر جو ملے کھا لیتی ہے ذخیرہ کرنا نہیں جانتی۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم حضرت رسالتمآبؐ کے ہمراہ شہر سے باہر نکلے تو آپ انصار کے باغ میں داخل ہوئے اور چند دانے کھجور تناول فرمائے آپ نے مجھے کھانے کو فرمایا تو میں نے عذر پیش کیا کہ حضور میں اشتہا نہیں رکھتا آپ نے فرمایا مجھے اس لئے اشتہا ہے کہ میں نے تین روز سے کھانا نہیں کھایا۔ اگر میں چاہوں تو قیصر و کسریٰ کی حکومت کے برابر اللہ مجھے حکومت عطا فرمائے گا۔ اے ابن عمر! ان لوگوں کے ساتھ کیسے وقت گذارو گے جو سال بھر کا رزق پہلے جمع کر کے خزانہ کر لیں گے کیونکہ اللہ پر ان کا یقین کمزور ہو گا۔ پس فوراً ہی قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔

مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور مطیع فرمان کیا سورج و چاند کو

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

تو البتہ کہیں گے اللہ نے تو پھر کدھر فریب دیئے جاتے ہیں اللہ وسیع کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہے

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾

اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہے۔ تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

اگر ان سے تو پوچھے کہ کس نے نازل کیا آسمان سے پانی پس زندہ کیا اس کے ساتھ

مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

زمین کو بعد مردہ ہونے کے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ! کہہ دو حمد اللہ کے لئے ہی ہے لیکن

يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ ع وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ

اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور نہیں یہ زندگانی دنیا مگر کھیل اور تماشا اور تحقیق

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ :- اگر مشرکین مکہ سے دریافت کیا جائے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ اللہ ہی

ان سب کا خالق ہے پھر ان سے سوال کیا جائے کہ سورج اور چاند کو آسمان پر گردش اور باقاعدگی سے چکر لگانے کے لئے مسخر اور تابع فرمان کس نے کیا ہے تو اس کا جواب بھی یہی دیں گے کہ اللہ نے ایسا کیا ہے تو اس کے بعد فرماتا ہے ان باتوں کے سمجھنے کے بعد وہ کیوں فریب خوردہ ہوتے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے خداؤں کی طرف یہ سب کچھ منسوب کرتے ہیں اور جو کچھ مانگنا ہو انہی سے طلب کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر ان سے پوچھا جائے کہ آسمان سے بارش کون برساتا ہے اور خشک سالی کی وجہ سے زمین کی مردہ قوت نامیہ کو بارش کے ذریعے سے دوبارہ زندہ کون کرتا ہے ؛ تو اس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ یہ کام بھی اللہ کرتا ہے تو اس کے بعد

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا

آخرت کا گھر ہی درحقیقت زندگی کا گھر ہے اگر یہ جانیں پس جب سوار

فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ

ہوں کشتی میں تو پکارتے ہیں اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو تو جب ان کو وہ نجات

اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ

دے دیتا ہے خشکی کی طرف تو وہ ویسے ہی شرک کرنے لگتے ہیں کہ انکار کریں اس کا جو ہم نے ان کو دیا اور تاکہ نفع اٹھائیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ

پس عنقریب جان لیں گے (انجام اس کا) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو جائے امن بنایا اور اچک لیے جاتے ہیں لوگ

ارشاد ہے کہ اے میرے رسولؐ تم اللہ کا شکر بجا لاؤ کہ تمہارا مسلک ان کے مسلّمہ اصولوں کی بنا پر صحیح ثابت ہے۔ پس عبادت بھی اسی ذات کے لئے مخصوص ہونی چاہیئے۔ جو کائنات عالم کی تمام چیزوں کی تخلیق و تدبیر کا واحد مالک ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ۔ اس آیت میں رزق کی تقسیم کا مسئلہ واضح فرمایا ہے کہ تقسیم رزق صرف اللہ ہی ہے جسے چاہے غنی کرے اور جسے چاہے تنگدست کر دے

جو لوگ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی طرف خلق و رزق یا تقسیم رزق وغیرہ منسوب کرتے ہیں کاش وہ قرآن مجید کی سرسری تلاوت کر کے تحت اللفظ معنی پر ہی غور کر لیتے تو اس الجھن میں نہ پڑتے البتہ محمدؐ و آلِ محمدؐ تمام انسانوں کا وسیلہ ہیں اور خدا ان کی برکت سے عطا فرماتا ہے۔

رکوع ۲۔ فَاِذَا رَكِبُوْا۔ جب یہ لوگ بحری سفر کر رہے ہوں اور کشتی پر سوار جا رہے ہوں اور سمندر کے مدوجزر کی وجہ سے پانی میں تلاطم پیدا ہو تو غرقابی سے بچنے کے لئے ان کو اپنے تمام مصنوعی خدا بھول جاتے ہیں اور نہایت خلوص و عاجزی و زاری سے بارگاہِ رب العزت میں فریاد کرتے ہیں اور جب اللہ اپنے رحم و کرم سے ان کو بخیریت کنارے تک پہنچا تا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں کہ ہمیں تو اپنے پیروں اور ولیوں نے پار لگایا ہے۔ پس نجات پاتے ہی شرک کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں اور اللہ فرماتا ہے کہ میں نے بھی ان کو ڈھیل دے رکھی ہے کہ بے شک میری نعمتوں کا انکار کر لیں اور دنیا کی چند روزہ فائدہ اٹھا لیں۔ آخر بھاگ کر کہاں جائیں گے

قیامت کے دن ان کو اپنے کردارِ بد کے انجام کا پتہ چل ہی جائے گا۔ یہ آیتیں اگرچہ تنزیل کے لحاظ سے تو اہلِ مکہ کے لئے ہیں لیکن ان کی تاویل قیامت تک جاری ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے قیامت تک کے لئے پیغام ہدایت ہیں تاکہ مشرکین مکہ کو نجس جاننے والے خود اپنے عقائد کا صحیح جائزہ لے سکیں۔

مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٦٨﴾

ان کے ارد گرد سے کیا باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہیں؟ اور

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ

کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا یا حق کو جھٹلائے جب اس کے

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ ﴿٦٩﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا

پاس پہنچ جائے کیا جہنم میں ٹھکانہ نہیں کافروں کا؟ اور جو لوگ ہمارے لئے جہاد کریں

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٠﴾ ع

ہم ان کو ضرور ہدایت کریں گے اپنے راستوں کی تحقیق اللہ احسان کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا۔ مشرکین مکہ پر خصوصی احسان جتلا رہا ہے کہ میں نے تمہارے لئے امن کا گھر بنایا ہے حالانکہ تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے حرم کے ارد گرد کس قدر خون ریزیاں اور قتل و غارت کا بازار گرم رہا ہے۔ اس کے باوجود بھی تم باطل خداؤں پر ایمان رکھتے ہو اور اللہ کے احسان کو فراموش کرتے ہوئے اس کی نعمت کا کفران کرتے ہو۔

وَمَنْ أَظْلَمُ:۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں تو ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے اللہ نے کب ان کو ان بے جان بتوں کی پرستش کا حکم دیا ہے۔ خدا تو صاف فرماتا ہے کہ صرف میری ہی عبادت کرو اور شرک سے بچو۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا:۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت مجیدہ ہم اہل بیتؑ کے حق میں اتری ہے

۱۳ رمضان المبارک بروز بدھ وار ۱۳۹۱ھ مطابق ۳ نومبر ۱۹۷۱ء ۵ بجے شام

# سورہ الروم

یہ سورہ مبارکہ مکیہ ہے سوائے ایک آیت ۱۸ کے
اور اس کی آیات کی تعداد ۶۰ ساٹھ ہے۔

جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے آسمان و زمین کے درمیان تسبیح کرنے والے جملہ فرشتوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔

خواصِ قرآن سے منقول ہے کہ اگر اس سورہ کو لکھ کر کسی گھر میں رکھا جائے تو اس گھر کے سب افراد بیمار ہو جائیں گے اور اگر کوئی مہمان آئے گا تو وہ بھی بیمار پڑ جائے گا اور اگر اس کو لکھ کر بارش کے پانی سے دھو دیا جائے اور مٹی کے برتن میں رکھا جائے پھر جو بھی اس پانی کو پیئے گا بیمار ہو گا اور جو شخص اس پانی سے اپنا منہ دھوئے گا اس کی آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔

(برہان)

رکوع ۴

جناب رسالتمآبؐ کے ابتدائی دورِ نبوت میں کسریٰ ایران اور قیصر روم کے درمیان جنگ کا بازار خوب گرم تھا اور یہ دونوں حکومتیں اس زمانہ کی مہذب اور بڑی حکومتیں تھیں۔ گویا دنیا کی اقتدار اعلیٰ ان دو گروپوں میں بٹا ہوا تھا ان کے علاوہ دیگر ممالک کے حکمران انہی کے رحم و کرم پر وقت گذارتے تھے اور انہی کے اشارہ چشم پر اپنے اقتدار کی پالیسیاں مرتب کرتے تھے کیوں کہ ان کے علاوہ اور کسی حکومت کے پاس ان کے برابر فوجی طاقت نہ تھی گویا ان دونوں کی باہمی لڑائی اس زمانہ کی عالمی جنگ شمار ہوتی تھی ملک ایران مجوسی آتش پرست تھا اور ملک روم اہل کتاب نصاریٰ تھے۔ روم کی حکومت موجودہ اردن تک پھیلی ہوئی تھی اور بیت المقدس ان کے زیرِ نگیں تھا اور ملک فارس عراق و شام تک پھیلا ہوا تھا کیوں کہ اس زمانہ میں کسریٰ ایران کا پائیتخت بھی مدائن میں تھا جو موجودہ عراق میں واقع اور بغداد سے تھوڑے فاصلہ پر ہے

| |
|---|
| بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾ |
| اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں) |
| الٓمّٓ ﴿۲﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۳﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ |
| الم مغلوب ہوگئے رومی قریب ترین زمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب |
| سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿۴﴾ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ |
| پھر غالب ہوں گے چند سالوں کے اندر اللہ کے پاس اقتدار ہے پہلے اور بعد اور اس |
| وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵﴾ بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ |
| دن خوش ہوں گے مومن اللہ کی مدد سے۔ وہ مدد کرے جس کی چاہے |

حضرت رسالتمآبؐ نے اعلانِ نبوت کے بعد جس طرح دعوت اسلام کا پیغام سوڈان کے حکمران کو بھیجا اسی طرح ایک دعوت نامہ کسریٰ کی طرف اور دوسرا قیصر روم کی طرف بھی روانہ کیا۔ قیصر روم اگرچہ مسلمان تو نہ ہوا لیکن اس نے آپ کے خط کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور نامہ بر کی بھی اچھی تواضع کی لیکن اس کے خلاف مجوسی ایرانی حکمران کسریٰ نے حضورؐ کے نوشتہ کو بھی حقارت آمیز نظروں سے دیکھا اور نامہ بر کو بھی بُری طرح واپس کیا ان دونوں متضاد نتیجوں کو دیکھ کر فطری طور پر مسلمانانِ مکہ کی ہمدردیاں قیصر روم کے ساتھ ہوگئیں اور کسریٰ ایران سے ان کو نفرت ہوگئی اور جب دونوں حکومتوں میں جنگ چھڑی تو نتیجہ میں کسریٰ کی فوجیں غالب آئیں اور قیصر روم ہار گیا حتیٰ کہ بیت المقدس پر بھی ایرانیوں کا قبضہ ہوگیا اس بات کا مسلمانوں کے دلوں میں بڑا دُکھ ہوا اور مشرکین مکہ کو بڑی خوشی ہوئی۔

اَدۡنَی الۡاَرۡضِ۔ قریب ترین زمین اس لئے کہ ملک حجاز سے یہ علاقہ بہ نسبت ایران کے زیادہ قریب ہے۔ ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان دشمنی بہت پرانی چلی آرہی تھی چنانچہ سکندر رومی نے جب ایران پر حملہ کیا تھا تو اپنی طرف سے ان کو پوری طرح

مٹا کر گیا تھا حتیٰ کہ صدیوں تک ایرانیوں میں اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی ہمت باقی نہ رہی تھی اور اب جو جوشِ انتقام میں بڑھے تو بیت المقدس بھی رومیوں کے قبضے سے چھین لیا۔

سَيَغۡلِبُوۡنَ ۔ چونکہ مسلمان رومیوں کے مغلوب ہونے اور ایرانیوں کے فتح یاب ہونے سے بڑے رنجیدہ خاطر تھے تو خداوند کریم نے ان کی دلجمعی کی خاطر ان کو یہ خوشخبری دی کہ یہ معاملہ مکمل طور پر پہلے اور بعد اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ مسلمانوں کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ مستقبل قریب میں ہونے والی جنگ فیصلہ کن ہوگی جس میں ایرانیوں کو شکستِ فاش ہوگی اور چند سالوں کے اندر اندر یہ فیصلہ ہو کے رہے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق ہوئی اور حضورؐ کی رسالت اور قرآنِ مجید کی صداقت پر اس نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ⑥ وَعۡدَ اللّٰهِ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ

اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے    یہ اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا

وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ⑦ يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے    وہ جانتے ہیں دنیاوی زندگی کے ظاہر

الدُّنۡيَا وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ ⑧ اَوَلَمۡ يَتَفَكَّرُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ

کو اور وہ آخرت سے غافل ہیں    کیا فکر نہیں کرتے اپنے نفسوں میں

بعضوں نے کہا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ انقلاب دربارہ آیا تھا بعض کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقعہ پر جب مسلمانوں کی مختصر سی فوج کفارِ قریش کے لشکرِ جرار کے ساتھ مقامِ بدر پر نبرد آزما تھی اسی زمانہ میں کسریٰ اور قیصر کے درمیان آپس میں جنگ کے شعلے پھر بھڑک اٹھے تھے اور خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ اِدھر مسلمانوں کو کفارِ قریش پر فتح و کامرانی نصیب ہوئی اور اُدھر رومیوں کو ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہوا چنانچہ انہوں نے بیت المقدس پر دوبارہ اپنا قبضہ جمالیا اور جب فتحِ بدر سے واپسی پر حضورؐ نے مسلمانوں کو رومیوں کے غلبہ کی اطلاع دی تو مسلمانوں کو دوہری خوشی حاصل ہوئی کہ مشرکینِ مکہ کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے کیوں کہ وہ ایرانیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کر کے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے جو اس انقلاب کی نذر ہو گئے۔

وَعۡدَ اللّٰهِ ۔ اللہ کے علم کی دو قسمیں ہیں ایک علمِ مخزون اور دوسرا علم جو انبیاء و فرشتوں کے حوالہ کرتا ہے۔ پس جو علم فرشتوں اور نبیوں کے حوالے کرتا ہے اس میں بدا واقع نہیں ہوتی اس لئے کہ جس کا نبی و رسول اعلان کر دیں گے اگر اس کے خلاف واقع ہو تو نبی کی تکذیب لازم آتی ہے اور یہ بعثتِ انبیاء کے مقصد کے خلاف ہے اور اسی معنی کی روایت تفسیر مجمع البیان کے محشی شیخ ابوالحسن شعرانی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی ہے۔ اور تفسیر کی جلد ۵ ص۱۹۱ پر مسئلہ بدا پر روشنی ڈالی جاچکی ہے اور اجل مسمی کے معنی کی وضاحت بھی

وہاں موجود ہے

مَا خَلَقَ اللّٰہُ :- یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے نفسوں میں فکر کرنے سے یہ کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق برحق ہے اور آخرت آنے والی ہے؟ تو اس کا جواب علامہ طبرسی نے یہ دیا ہے کہ جیسے انسان اپنی ذات میں فکر کرتا ہے کہ میں ایک حادث مخلوق ہوں اور میرا خالق قدیم قادر عالم اور زندہ موجود ہے جو فعلِ قبیح نہیں کرتا اور دانا بھی ہے کہ کوئی کام فضول نہیں کرتا لہٰذا میری تخلیق بھی کسی غرض کے لیے ہے اور وہ ہے ثوابِ اُخروی اس لیے ضروری ہوا کہ ہماری کوئی تکلیف ہو اور اس کی جزا ہو اور چونکہ دنیا میں تو اس کی جزا موجود نہیں ہے لہٰذا قیامت کا اعتقاد لازمی ہے جو جزا و سزا کا مقام ہے اور چونکہ خدا خود نفع حاصل کرنے کا محتاج نہیں لہٰذا غرض خداوندی کا تعلق ہماری ہی منفعت سے وابستہ ہے۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ

کہ نہیں پیدا کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت

مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۹﴾ اَوَ

مقررہ کے ساتھ اور تحقیق بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں کیا وہ

لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

نہیں چلے زمین میں کہ دیکھتے کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے جو توانائی

مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ

میں ان سے مضبوط تر تھے اور انہوں نے زمین کو نرم کیا اور آباد کیا ان کے

اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

آباد کرنے سے زیادہ اور آئے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلیلیں لیکر پھر نہیں اللہ

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ

نے اُن پر ظلم کیا لیکن وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے پھر ہوا انجام ان لوگوں کا

الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا

جنہوں نے برائی کی بُرا- کیوں کہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیات کو اور ان کے ساتھ مسخری

اَثَارُوْا :- اثارہ کا معنی ہل جوت کر یا دیگر زرعی آلات کے ذریعے سے زمین کو قابلِ کاشت بنانا آیت میں گذشتہ انبیاء کی اُمتوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ

طاقت میں زیادہ تھے اور انہوں نے عمریں بھی زیادہ پائیں اور کافی زمینیں آباد کیں اور محلات تعمیر کرائے بالآخر سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ چلے گئے۔

## رکوع ۵

يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

کرتے تھے اللہ ایجاد کرتا ہے مخلوق کی پھر ان کو دوبارہ اٹھائے گا پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫ وَلَمْ يَكُنْ

جس دن قائم ہوگی قیامت حیران و مایوس ہوں گے مجرم اور نہ ہوں گے ان کے

لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑬

بنائے ہوئے شریک ان کے لئے سفارشی اور وہ اپنے بنائے ہوئے شریکوں کا انکار کرنیوالے

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

ہوں گے اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن (مومن و کافر) الگ الگ ہو جائیں گے پس جو لوگ مومن

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ⑮ وَ

اور نیک کردار ہوں گے تو وہ باغ جنت میں خوش حال ہوں گے پس

اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ

جو لوگ کافر ہوں گے اور جھٹلا چکے ہوں گے ہماری آیات کو اور قیامت کی پیشی کو تو وہ

فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ

عذاب میں حاضر کئے جائیں گے پس پاکیزگی اللہ کیلئے بوقت شام اور بوقت صبح

يُبْلِسُ۔ ابلاس کا معنی مایوسی اور تحیر دونوں کئے گئے ہیں۔

كٰفِرِيْنَ۔ یعنی جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کے شریک بنائے تھے وہ قیامت کے دن ان سے بیزار ہوں گے۔

يَتَفَرَّقُوْنَ۔ یعنی قیامت کے دن مومن و کافر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدائی ڈالی جائے گی۔

يُحْبَرُوْنَ۔ الحبرۃ کا معنی خوشی اور حبر کا معنی خوبصورتی اس جگہ دونوں معانی درست ہیں

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان آیات میں پانچ نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔ تُمْسُوْنَ سے نماز مغرب عشاء تُصْبِحُوْنَ سے نماز صبح عَشِيًّا سے نماز عصر اور تُظْهِرُوْنَ سے نماز ظہر پس رات کی نمازوں کے لئے سبحان کی لفظ اور دن کی نمازوں کے لئے حمد کی لفظ استعمال کی ہے کیونکہ دن کاروبار کا وقت ہوتا ہے اور حالات کے بدلنے کا وقت ہوتا ہے

اس لئے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ حمد کی مناسبت ہے اور رات چونکہ تاریکی کا زمانہ ہے اس لئے اس وقت میں جملہ عیوب سے اللہ کی تنزیہ بیان کرنا موزوں ہے۔

رکوع ۶ — وَمِنْ اٰيٰتِهٖ

ان آیات میں پروردگار نے اپنی الوہیت کو واضح کرتے ہوئے کارنامہائے قدرت سے چھ اہم نکات کا تذکرہ فرمایا ہے اور صاحبانِ عقل و دانش اور اربابِ فکر و نظر کو دعوتِ انصاف دی ہے۔ (۱) مٹی سے پیدا ہو کر جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا انسان ہونا (۲) ایک ہی جنس سے مردوں اور عورتوں کی تخلیق اور بغیر خونی رشتہ کے ان میں باہمی الفت و محبت اور انس و یگانگت کے جذبات کی آفرینش (۳) آسمانوں اور زمین کی پیدائش زبانوں کا اختلاف اور رنگوں کی جداگانہ امتیازی صورت (۴) رات کا آرام اور دن میں طلب معاش کے لئے دوڑ دھوپ کے جذبات (۵) بادل سے بجلی کی چمک جس میں ایک طرف خوف و ہراس کا پہلو ہوتا ہے اور دوسری طرف بارانِ رحمت کی امید پنہاں ہوتی ہے پھر اس کے بعد پانی کا برسانا جو زمین کی مردہ

وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(بیان کرو) اور اسی کی حمد آسمانوں اور زمین میں ہے

وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

اور عشا کے وقت اور جب تم دوپہر کر چکتے ہو وہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۰﴾

ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو بعد میں مردہ ہونے کے اور اسی طرح تم نکالے

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

جاؤ گے (قبروں سے) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم چلتے پھرتے انسان ہو

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے

جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان اس نے محبت اور رحمت پیدا کر دی تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ

سوچیں اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں کا اختلاف

قوائے نامیہ کو از سرِ نو زندگی بخشتا ہے (۶) زمین و آسمان کا اس کے امر کے ماتحت قائم رہنا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عنوان اگرچہ چھ ہیں لیکن گننے سے ان آیات میں خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ کے چودہ نشان ذکر فرمائے ہیں جو صاحبانِ فکر کے لئے توحید پروردگار کی واضح دلیلیں ہیں۔
دوسرے نکتہ میں خونی رشتہ کے بغیر مرد و عورت کی باہمی انس و محبت کا راز ایسے مخفی جذبات میں پنہاں ہے جسے اربابِ فکر ہی سمجھ سکتے ہیں لہٰذا صاحبانِ فکر کو ہی اس پر غور کرنے کی دعوت دی اور تیسرے نکتہ میں زمین و آسمان کی پیدائش اور رنگ و زبان کا اختلاف ہر آدمی جانتا ہے اس لئے ہر انسان کو دعوتِ فکر میں شریک قرار دیا اسی طرح چوتھے نکتہ میں دن کے کاروبار اور رات کے آرام کی مصلحت میں غور کرنے کی دعوت ہر اس آدمی کو دی جو بات سن سمجھ سکتا ہو اور دیوانہ نہ ہو لیکن پانچویں نکتہ میں بجلی کی چمک سے خوف و ہراس اور طمع و امید کی متوازی جھلک اور پھر بارانِ رحمت کے فوائد اور زمین کی قوتِ نامیہ کی موت کے بعد زندگی وغیرہ ایسے امور ہیں جن کی تہ تک ہر انسان بخوبی نہیں پہنچ سکتا اس لئے اس مقام پر دعوتِ فکر کے لئے اہلِ عقل کو مخصوص

أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ

اور رنگوں کا اختلاف تحقیق اس میں نشانیاں ہیں لوگوں کے لئے اور اس

آيَاتِهِ مَنَامُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّ

کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا رات کو اور دن کو اور تلاش کرنا تمہارا اس کے رزق سے تحقیق

فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہوں اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھاتا ہے

خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ

تمہیں بجلی کی چمک جس میں ڈر اور امید موجود ہے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پس زندہ کرتا ہے اس

مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۲۵﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ

کے ذریعے زمین کو بعد مرنے کے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو سمجھتی ہو اور اس کی نشانیوں میں سے

أَن تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً

ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے پھر جب تمہیں پکارے گا زمین سے تو تم فوراً

مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿۲۶﴾ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ

نکالے جاؤ گے اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور

فرمایا اور یاد رہے کہ زبانوں کے اختلاف میں بھی دو پہلو مضمر ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے ہر زبان کی وضع علیحدہ رنگ اور حجم میں امتیاز پیدا کیا جس کی بدولت بعض آوازیں تلخ اور بعض شیریں۔ بعض کرخت اور بعض دل آویز۔ اسی طرح نر و مادہ کی آوازوں میں امتیاز یہ سب اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ کے کرشمے ہیں اور دوسرا یہ کہ علاقائی لحاظ سے قوموں نسلوں ملکوں اور آبادکاروں کی بولیوں میں اختلاف بھی اس کی عجیب وغریب صنعت کی ترجمانی کے لئے بولتی ہوئی زبان ہے۔

اِذَا دَعَاكُمْ۔ ان لفظوں میں اس امر کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ جو پروردگار سابق کے تمام کارناموں پر قدرت رکھتا ہے وہ مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے چنانچہ وہ اپنی مصلحت کے ماتحت ایک دن سب کو خاکستر ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور زمین سے نکالے گا۔ پس جس طرح پہلی دفعہ اس نے پیدا کیا اور ہر چیز کو پیدا ہونا پڑا اسی طرح جب دوبارہ اٹھائے گا تو تو ہر مردہ کو دوبارہ زندہ ہونا پڑے گا۔

وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

زمین میں ہے سب اس کے لئے جھکنے والے ہیں اور وہ ہے جس نے ایجاد کیا مخلوق کو پھر لوٹائے گا

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي

اور وہ زیادہ آسان ہے اس پر اور اسی کے لئے مثلِ اعلیٰ آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ

زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اس نے بیان کی تمہارے لئے ایک مثال

اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ

تمہارے نفسوں سے۔ کیا وہ لوگ جن کے تم مالک ہو تمہارے شریک ہیں اس میں جو ہم نے تمہیں رزق دیا

اور پھر فرمایا کہ زمین و آسمان کی کسی مخلوق میں میرے حکم سے سرتابی کرنے کی قطعاً مجال نہیں ہے۔

وَهُوَ اَهْوَنُ۔ چونکہ اللہ کے سامنے کائنات کی ہر شے سرنگوں ہے اور اس کے مقدور ہونے میں مشکل و آسان کا فرق نہیں ہے۔ پس وہ جس طرح ایک معمولی چیز مچھر و مکھی کو پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے اسی طرح بڑی سے بڑی مخلوق آسمان و عرش و کرسی پر بھی اسی قدرت سے حاوی ہے، لہٰذا اس کے سامنے یہ سب کچھ آسان ہے البتہ انسانوں کو سمجھانے کے لئے فرمایا ہے کہ تمہارے سامنے بعض کام مشکل اور بعض آسان ہوتے ہیں اور جو مشکل پر قادر ہو وہ آسان پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ کسی شے کا پہلی دفعہ پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے اور دوبارہ اسی منہاج پر چیز کو بنانا آسان ہوتا ہے تو جو اللہ آسمانوں اور زمینوں اور عرش و کرسی اور جن و انسان وغیرہ محیر العقول مخلوقات کو پہلی دفعہ کتمِ عدم سے معرضِ وجود میں لانے پر قادر ہے جس کے تم لوگ قائل ہو تو کسی مخلوق کو یا کسی مخلوق کی مخصوص قوت کو اس کے مر جانے کے بعد زندہ کرنا جو آسان فعل ہے اس پر وہ کیسے قادر نہیں ہو سکتا؟

اَلْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔ یعنی آسمان و زمین میں اس کی شان بلند اور اس کا اقتدار ہر چیز پر حاوی ہے اور اس کے دائرۂ تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ اسکی مزید وضاحت جلد ۵ صفحہ ۲۲۴ پر ملاحظہ ہو۔

## رکوع ۷ شریک کی نفی

ضَرَبَ لَکُمْ۔ خداوند کریم نے اپنی توحید کے لئے کفارِ مشرکین کے سامنے ایک حسی دلیل پیش فرمائی ہے کہ دیکھو جس طرح تمہارے غلام اور کنیزیں جن کے تم مالک ہو تمہارے ساتھ شریک زندگی تو ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی تمہارے رزق و طلائی میں بھی تمہارا شریک ہے؟ تاکہ تم کو اور ان کو مال و رزق میں برابر کا مالک مانا جائے اور تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد کو خطرہ ہو کہ وہ بھی ہم سے برابر کا حصہ میراث سے لیں گے جس طرح آزاد شریک زندگی مثلاً بھائی بہن یا شوہر و بیوی وغیرہ لوگوں سے میراث کی تقسیم کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس استفہام انکاری سے

فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ

پس تم سب اس میں برابر ہو کہ ان سے ڈرتے ہو جس طرح اپنے جیسوں سے ڈرتے ہو؟ اسی

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۹﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ

طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیات کو سمجھنے والے لوگوں کے لئے بلکہ پیروی کی ان لوگوں نے جو ظالم ہیں

ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ

اپنی خواہشات کی بغیر علم کے تو کون ہدایت کرے جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اور

اللّٰهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

نہ ہوگا ان کا کوئی مددگار پس قائم کر اپنی ذات کو دین کے لئے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہارے غلام و کنیزیں تمہارے مال و متاع میں نہ حصہ دار ہیں اور نہ ورثاء کو ان سے شرکت کا خوف ہوتا ہے کیونکہ آزاد معاشرۂ انسانی کا فیصلہ ہے کہ غلاموں کو حصہ دار نہ سمجھا جائے اسی طرح اللہ کی ساری مخلوق اس کی عبد اور وہ ان سب کا معبود اور واحد مالک ہے پس بیاں اس کے کیسے شریک بن سکتے ہیں۔ جب تم اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنانا گوارا نہیں کرتے تو خدا کے لئے شریک کس طرح تجویز کرتے ہو؟

اَنْفُسَکُمْ۔ نفس کی جمع ہے اس جگہ اسکا معنی اَمْثَالُکُمْ ہے یعنی جس طرح تمہارے امثال آزاد لوگ تمہارے شریک و وارث ہوتے ہیں اور ان سے تقسیم وراثت کا تمہیں ڈر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ پر انفس امثال کے معنی میں مستعمل ہے مثلاً لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ اور دوسرے مقام پر ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ۔ ان مقامات پر انفس سے مراد امثال ہے یعنی اپنے جیسے لوگوں سے لڑا نہ کرو یا اپنے جیسے مومن مردوں اور عورتوں پر نیک گمان کرنا چاہیئے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ۔ مقصد یہ ہے کہ اپنا رُخ مکمل طور پر دین کی طرف پھیر دو اور خلوص کے ساتھ دین کی پیروی کرو اور دوسرے تمام خیالات و مذاہب سے روگردانی کرتے ہوئے اسی پر ثابت قدم ہو جاؤ۔ اسی معنی کی بنا پر فطرۃ اللہ بدل ہے وجہک سے یعنی وہ دین جو دینِ فطرت ہے اسی کو قائم کرو اور اس کے بعد خلق اللہ سے مراد بھی دین اللہ ہے۔

عَلَيْهَا۔ فطرَ النّاس کے بعد عَلَيْهَا لَهَا اور بِهَا تینوں استعمال صحیح ہیں یعنی ایسا دین جس پر یا جس کے لئے ۔۔۔۔ یا جس کے ساتھ لوگوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَبَوَاهُ هُمَا اللَّذَانِ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ يُمَجِّسَانِهٖ یعنی ہر بچے کی پیدائش فطرت پر ہوا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ ہی اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں تفسیر برہان میں بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ فطرت جس پر اللہ نے لوگوں کو خلق فرمایا ہے وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيُّ اللّٰهِ ہے اور اسی معنی میں بروایت صفار اور ابن شہر آشوب سے بھی نقل کی گئی ہے۔

حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۱﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۲﴾

ثابت قدم رہ کر اس فطرت پر جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے کوئی تبدیلی نہیں اللہ کے دین میں یہ دین سیدھا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (دین کو قائم کرو) جھکتے ہوئے اس کی طرف اور اس سے ڈرو اور قائم کرو نماز کو اور نہ ہو مشرکین میں سے

## تارک نماز مشرک ہے

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ وافی میں کافی سے نقل کرتے ہوئے بروایت عبید بن زرارہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ گناہانِ کبیرہ حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں سات ہیں (۱) اللہ کا کفر کرنا (۲) نفس محترمہ کا قتل (۳) عقوق الوالدین (۴) سود خوری (۵) زبردستی یتیم کا مال کھانا (۶) میدانِ جہاد سے فرار کرنا (۷) ہجرت کے بعد پلٹ کر کفار کی طرف واپس چلا جانا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا حضور یہ فرمایئے کہ یہ گناہ باقی تمام گناہوں سے بڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو میں نے پوچھا یتیم کے مال میں سے زبردستی ایک درہم کھانا بڑا گناہ ہے یا بغیر عذر کے نماز قضا کرنا زیادہ سخت ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کا ترک کرنا سخت تر ہے تو میں نے دریافت کیا کہ آپ نے گناہانِ کبیرہ کی فہرست میں ترکِ نماز کو شمار نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے شمار میں پہلے کس چیز کا نام لیا ہے میں نے عرض کی کہ کفر کا نام آپ نے سب سے پہلے لیا ہے۔ پس آپ نے فرمایا کہ بغیر عذر کے نماز کو ترک کرنے والا کافر ہوا کرتا ہے۔ دوسری روایت میں بروایت ابوبصیر آپ سے گناہانِ کبیرہ کی تعداد سات منقول ہے لیکن کفر باللہ کی جگہ شرک باللہ مذکور ہے اور

ہجرت کے بعد واپس پلٹ جانے کے بجائے پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا مذکور ہے اور آخر میں یہ وضاحت بھی ہے کہ ہجرت کے بعد واپس پلٹ جانا اور شرک ایک ہی چیز ہیں۔ پس ایک روایت میں معصوم کے نزدیک نماز کا تارک کافر ہے اور دوسری میں مشرک ہے۔

وافی میں باب وجوہ الکفر میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کفر کی پانچ قسمیں ذکر فرمائیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

پہلی قسم:۔ زندیقوں اور دہریوں کا کفر ہے جو کہتے ہیں نہ کوئی خدا ہے نہ جنت نہ دوزخ نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نہ کوئی موت دینے والا ہے بس اسی طرح سے خود بخود دُنیا والے پیدا ہوتے ہیں اور پھر مر جائیں گے اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کو قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر باطل کیا ہے اور اس کے بطلان کے لئے عقلی دلیل اتنی ہی کافی ہے کہ جب کوئی معمولی سے معمولی چیز بنانے والے کے بغیر نہیں بن سکتی تو اتنا بڑا عالم بنانے والے کے بغیر کیسے بن سکتا ہے؟ پس جس نے بنایا وہی خدا ہے۔

دوسری قسم:۔ ان لوگوں کا کفر ہے جو حقیقت کو سمجھ کر انکاری ہو گئے اور عناد کی رُو سے اسلام نہ لائے۔

تیسری قسم:۔ کفر نعمت جس طرح ارشاد قدرت ہے۔ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ۔ یعنی میرا شکر کرو اور کفر نہ کرو۔

چوتھی قسم:۔ کفر اطاعت جس کے متعلق فرمایا۔ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ گویا اطاعت نہ کرنے پر ان کو کافر کہا اور

پانچویں قسم:۔ کفر برأت ہے جس طرح قیامت کے روز دوزخی پیر و مرید ایک دوسرے کا کفر یعنی ایک دوسرے سے بیزاری اختیار کریں گے۔ ملخصاً۔ تارک صلوٰۃ کو کافر کہنا چوتھی قسم کے اعتبار سے ہے۔ ایک روایت میں ہے راوی نے امامؑ سے دریافت کیا کہ آپ زانی کو کافر نہیں کہتے اور تارکِ نماز کو کافر کہتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ زانی جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے وہ لذتِ نفس کے لئے کرتا ہے لیکن جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے اس کو اس میں کوئی لذت نہیں حاصل ہوتی صرف نماز کو معمولی اور اور غیر ضروری سمجھ کر ہی ایسا کرتا ہے اور جو شخص خدا کے حکم کو معمولی سمجھے وہ کافر ہے۔ اسی طرح باب وجوہ شرک میں معصوم نے شرک کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک شرک طاعت اور دوسرا شرک عبادت، پہلی قسم کے متعلق ارشاد ہے وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ۔ یعنی اکثر ایمان لانے والے مشرک ہوا کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ باوجود ایمان لانے کے وہ فروعات میں اطاعت پروردگار کے بجائے شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی بناء پر ریاکار شخص پر بھی مشرک کا اطلاق ہوا ہے اور شرک عبادت وہ ہے جس کے بعد فرمایا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ یعنی جو اللہ کا شریک بنائے اس پر اللہ نے جنت کو حرام کیا ہے۔ پس تارک الصلوٰۃ پر مشرک وکافر کا اطلاق ترکِ اطاعت کی وجہ سے ہے نہ کہ ترکِ عقیدہ کی وجہ سے اسی لئے اس کو نجس نہیں قرار دیا جاتا البتہ اگر نماز کا منکر ہو جائے تو وہ عقیدہ کے لحاظ سے کافر و نجس ہوگا۔

مِنَ الَّذِیْنَ :- فراء کے نزدیک یہ مشرکین سے بدل ہے اور باقی نحویوں کے نزدیک مِن زائدہ ہے اور اَلَّذِیْنَ مبتدا ہے یعنی جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا ہے ان میں سے ہر گروہ اپنے طریقہ پر خوش ہے۔

فَرَّقُوْا :- بعض قاریوں نے فَارَقُوْا پڑھا ہے یعنی دین سے الگ ہو گئے اور گروہوں میں بٹ گئے کسی نے سورج کو پوج لیا اور کسی نے چاند کی سیوا کر لی بعضوں نے درختوں کی پوجا کی اور بعض آتش پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اسی طرح کئی آپ جیسے بندوں کو خدا مان بیٹھے مثلاً فرعون ونمرود وغیرہ کو خدا ماننے والے اور کئی لوگ اللہ کے نیک بندوں کو خدا کہنے لگے جس طرح حضرت عزیر وحضرت عیسیٰ وحضرت علی علیہ السلام کو خدا ماننے والے اور کئی لوگ بت تراش کر ان کی عبادت میں لگ گئے غرضیکہ راہِ حق سے بھٹکنے والوں کو اطمینانِ قلب نصیب ہوا اور نہ وہ عقیدت کے لحاظ سے ایک ٹھکانہ پر جمع ہونے پر موفق ہوئے۔ پس ہر نئے طریقے سے ایجاد کرنے والا اپنے ہی طریقے پر خوش ہے اور اسی میں مگن ہے۔

مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ

ان لوگوں میں سے جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ہو گئے گروہ گروہ کہ ہر جماعت اس پر خوش ہے

فَرِحُوْنَ ۝۳۳ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِیْبِیْنَ

جو اس کے پاس ہے اور جب چھوئے لوگوں کو تکلیف تو پکارتے ہیں اپنے رب کو جھکتے ہوئے اس کی

اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ

طرف پھر جب وہ ان کو چکھائے مزہ اپنی رحمت کا تو فوراً ایک فریق ان میں سے اپنے رب کے

یُشْرِكُوْنَ ۝۳۴ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳۵

ساتھ شرک کرنے لگتا ہے تاکہ کفر کریں اس کا جو ہم نے ان کو دیا پس نفع اٹھالو عنقریب جان لوگے (اس کا انجام)

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ۝۳۶

کیا ہم نے ان کے پاس کوئی دلیل بھیجی ہے کہ ان کو بتاتی ہے جو وہ شرک کرتے ہیں

## گمراہی میں ڈھیل

وَاِذَا مَسَّ :- جو لوگ گمراہی میں پڑ کر راہِ راست سے ہٹ جاتے ہیں تو خداوندِ کریم ان کو مزید مہلت اور ڈھیل دے دیتا ہے تاکہ اگر ان کے اعمال نامہ میں کوئی معمولی سے معمولی نیکی بھی ہو تو اس کا بدلہ اسے دارِ دنیا میں مل جائے چنانچہ آیتِ مجیدہ میں فرماتا ہے کہ مشرک لوگوں کو جب کوئی تکلیف پہنچے تو اس وقت ان کو اپنے بناوٹی خدا و معبود بھول جاتے ہیں پس وہ خدائے حقیقی کے دروازہ پر نہایت خشوع وخضوع سے دستک دیتے ہیں اور خدائے مہربان ان کی پُر خلوص دعاؤں کو سنتا ہے۔ پس ان کی تکلیف کو رفع فرماتا ہے اور جونہی ان کی مصیبت دور ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت ان کا

سہارا ملتا ہے تو فوراً اپنے شرک کی طرف پلٹ آتے ہیں پس خدا بھول جاتا ہے اور ہر خیر و خوبی کو اپنے مصنوعی معبودوں کی طرف منسوب کرنے میں ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کرتے۔ کوئی کہتا ہے مجھے فلاں پیر نے شفا بخشی کوئی کہتا ہے میری فلاں بزرگ نے دستگیری کی اور کوئی کہتا ہے میری مشکل کشائی فلاں مرشد کی توجہ سے ہوئی اور ان اللہ کے بندوں میں سے کم ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُس کی رحمت و مہربانی کا اعتراف کریں۔ اس کے بعد اللہ بطور تنبیہ کے فرماتا ہے اے شرک کرنے والو! بے شک اس چند روزہ زندگی کا محدود نفع اٹھالو آخر کار تم کو اس کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ پھر ایسے لوگوں کو شرم و حیا کی دعوت دیتے ہوئے سرزنش کے طور پر فرماتا ہے کہ کیا ایسے لوگوں کے پاس میری جانب سے کوئی اس قسم کا اجازت نامہ، دلیل و برہان یا حجت موجود ہے جو ان کو اس مشرکانہ رویہ کی دعوت دیتا ہو؟ یعنی ہرگز نہیں۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ :۔ آیتِ مجیدہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کو جو تکلیفیں پہنچتی ہیں وہ اس کی کسی نہ کسی غلطی کی پاداش میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ جب ان کو اپنے کرتوتوں کی سزا کے طور پر کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مایوسی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور ہاتھوں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اکثر اعمال میں چونکہ ہاتھوں کو ہی دخل ہوتا ہے اس لئے انسان کے تمام اعمال کو خواہ وہ کسی ہی عضو سے سرزد ہوئے ہوں۔ ہاتھوں کا کارنامہ کہا جاتا ہے اور تمام تر اعمال کا اصلی سرچشمہ اگرچہ دل ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ مخفی ہے اس لئے اس کی طرف نسبت نہیں دی جاتی۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

اور جب ہم مزہ چکھائیں لوگوں کو رحمت کا تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر پہنچے ان کو تکلیف بوجہ

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ

اس کے جو ان کے ہاتھوں نے بھیجا تو وہ فوراً مایوس ہو جاتے ہیں کیا نہیں دیکھتے کہ تحقیق اللہ

اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

ہی کھلا رزق دیتا ہے جسے چاہے اور وہی تنگئ رزق دیتا ہے۔ تحقیق اس میں نشانیاں

يَبْسُطُ الرِّزْقَ :۔ آیتِ مجیدہ میں اللہ نے تقسیم رزق کا مسئلہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ ہی جسے چاہے وسیع اور کشادہ رزق عطا فرماتا ہے اور وہی اللہ جسے چاہے تنگئ رزق میں مبتلا کرتا ہے اور اس حقیقت پر مشرکین مکہ بھی ایمان رکھتے تھے کہ رزق تقسیم کرنے والا خود اللہ ہی ہے وہ چاہے تو کسی کو امیر کر دیتا ہے اور چاہے تو کسی کو فقیر کر دیتا ہے نہ تقسیم رزق کا عہدہ کسی ملک کے پاس ہے اور نہ کسی نبی یا ولی کے پاس ہے۔ اسی لئے وسعتِ رزق کی دعا صرف اللہ ہی سے مانگی جاتی ہے اور وہی ایک سب کا کارساز ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی اپنے شیعوں کو یہی تعلیم دی ہے کہ جو کچھ مانگو اسی ذات سے مانگو اور ہمیں وسیلہ بنا کر مانگو

سب کا خالق و رازق وہی ایک خدا ہے ...

## فدک کا ذکر

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی۔ تفسیر مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو جناب رسالتمآبؐ نے فدک جناب فاطمہ کو دے دیا۔ تفسیر برہان میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب ابوبکر کی بیعت ہو چکی اور مہاجرین و انصار پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے فدک کو سرکاری املاک میں شامل کرتے ہوئے ایک سرکاری ملازم بھیج کر جناب فاطمہ کے کاردار کو اراضی فدک سے بے دخل کر دیا۔ اس پر جناب فاطمہ نے ابوبکر کے پاس پہنچ کر اپنا احتجاج پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے رسول اللہ سے ملنے والی وراثت مجھ سے کیوں چھین لی ہے اور فدک سے میرے کارندے کو کیوں نکال دیا ہے حالانکہ اللہ کے حکم کے ماتحت حضرت رسالتمآبؐ نے وہ مجھے عطا فرمایا تھا۔ پس ابوبکر نے بی بی کی اس درخواست کو قابلِ سماعت قرار دے کر ثبوت مہیا کرنے کے لئے آپ سے گواہ طلب کرلئے چنانچہ جناب ام ایمن بطور گواہ کی پیش ہوئی تو اس نے پیش ہوتے ہی شہادت دینے سے پہلے ابوبکر سے اپنی شخصیت تسلیم کرانے کے لئے پوچھا کیا تم کو پتہ ہے کہ جناب رسولِ خدا نے میرے متعلق فرمایا تھا کہ ام ایمن اہل جنت میں سے ہے؟ ابوبکر نے کہا کہ بے شک۔ اس کے بعد ام ایمن نے شہادت دی کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ نے رسول اللہ پر وحی کی اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ الخ تو آپ نے بی بی کو اللہ کے حکم کے مطابق فدک عطا فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ بطور گواہ پیش ہوئے

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۸﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔ پس دو صاحبِ قرابت کو اپنا حق اور مسکین کو اور مسافر کو یہ

ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۹﴾

بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو چاہتے ہیں قربِ اللہ کا اور ایسے لوگ ہی چھٹکارا پانے والے ہوں گے

تو انہوں نے بھی امّ ایمن کی طرح شہادت دی۔ پس ابوبکر نے بی بی کے حق میں فیصلہ کیا اور تحریر کرکے بی بی کے حوالہ کر دیا۔ اتنے میں عمر پہنچ گیا تو اس نے دریافت کیا کہ یہ تحریر کیسی ہے؟ تو ابوبکر نے جواب دیا کہ حضرت فاطمہ نے فدک کے متعلق دعویٰ دائر کیا تھا میں نے ام ایمن اور علیؑ سے شہادتیں لے کر اس کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے فیصلہ کی تحریر ان کے حوالے کر دی ہے۔ پس عمر نے وہ تحریر لے لی اور اس کو پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا کہ یہ تمام مسلمانوں کا مالِ فئی ہے کیونکہ اوس بن حدثان، عائشہ اور حفصہ یہ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ (یعنی ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے کیونکہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس کا مکمل مفصل جواب تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۸ مذکور ہو چکا ہے۔ نیز جلد ۳ صفحہ ۸۹ و صفحہ ۹۰ پر اس بحث کا قدرے اعادہ کیا گیا ہے) نام نہاد حدیث مذکورہ پڑھنے کے بعد اُس نے سرکاری وکیل کے طور پر بی بی کے گواہوں پر جرح کرکے ان کی گواہی کو ناقابلِ قبول قرار دیا کہ علیؑ چونکہ بی بی کا شوہر ہے اس لئے اس کی گواہی

کا کوئی وزن نہیں کیوں کہ اس میں اس کی ذاتی مصلحت ہے اور ام ایمن اگرچہ نیک عورت ہے لیکن ایک ہے اگر اس کے ساتھ کوئی اور گواہ ہوتا تو حکومت اس کی گواہی پر غور کرتی ان وجوہ کی بناء پر بی بی کا دعوےٰ خارج کئے جانے کے قابل ہے چنانچہ دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ اس کے بعد جناب فاطمہؑ غم سے روتی ہوئی دربارِ خلافت سے باہر تشریف لائیں۔ پھر دوسری مرتبہ مسجدِ نبوی میں جب کہ مہاجر و انصار کی ایک خاصی جماعت موجود تھی حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ کے دعویٰ کو دہرایا اور نظرِ ثانی کے لئے ابوبکر کو متوجہ کیا اور احتجاج کے طور پر فرمایا اے ابوبکر تو نے فاطمہؑ کو رسولؐ اللہ کی میراث سے کیوں محروم کیا ہے حالانکہ حضورؐ کے عین حیات بھی وہ جائداد جنابِ فاطمہؑ کے تصرف میں رہی ہے ابوبکر نے جواب دیا کہ وہ جائداد تمام مسلمانوں کا مال فئی ہے اگر صحیح شہادتیں ہو جائیں کہ رسولِ خدا نے اُن کو دے دیا تھا تو ٹھیک ! ورنہ حکومت ان املاک کو ضبط کرنے اور بیت المال میں شامل کرنے میں حق بجانب ہوگی۔ آپ نے فرمایا مقدمات میں فیصلے کا طریقہ ان اصول کے خلاف ہے جو اللہ نے مسلمانوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں ابوبکر نے کہا میں بھی اسلامی اصول کے خلاف مقدمات کا فیصلہ نہیں کرنا چاہتا (مثال کے طور پر اصول یہ ہے اگر دو مسلمانوں کا ایک چیز کی ملکیت میں جھگڑا ہو اُن میں سے ایک قابض ہو اور دوسرا دعویٰ کرتا ہو کہ جس شخص کا قبضہ ہے وہ ناجائز قابض ہے اور درحقیقت اس کا مالک میں ہوں تو شرعی مجسٹریٹ کے سامنے اس صورت میں مدعی کو گواہ پیش کرنے ہوں گے اور جس کا قبضہ ہے اس سے گواہ طلب نہ کئے جائیں گے کیوں کہ اس کا قبضہ دلیل ملکیت ہے) آپ نے فرمایا اگر مسلمانوں کے قبضہ میں کوئی چیز ہو اور میں دعوےٰ کروں کہ یہ میری ہے تو تم کس فریق سے گواہ طلب کرو گے ابوبکر نے جواب دیا کہ آپ سے گواہ طلب کروں گا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر میرے قبضہ میں کوئی چیز ہو اور مسلمان اس پر اپنی ملکیت کا دعوےٰ کریں تو گواہ کس فریق سے لئے جائیں گے۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اس صورت میں گواہ مسلمانوں کو پیش کرنے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا پھر جنابِ فاطمہؑ سے تم نے کس اصول کے ماتحت گواہ طلب کئے ہیں حالانکہ اس جائداد پر ان کا قبضہ پرانا ہے اور رسولِ خدا کے زمانہ سے وہ اس پر مالکانہ قبضہ رکھتی ہیں۔ ایسی صورت میں تمہیں چاہیے کہ مسلمانوں سے گواہ طلب کرو جس طرح اگر ان کا قبضہ ہوتا اور ہم دعوےٰ کرتے تو ہم سے گواہ طلب کرنا درست تھا۔ جب ابوبکر سے آپ کے استدلال کا جواب نہ بن سکا تو عمر نے کہہ دیا یا علیؑ آپ ان باتوں کو چھوڑیئے کیوں کہ ہمارے پاس آپ کے استدلال کا کوئی جواب نہیں۔ پس حکومت نے جو فیصلہ صادر کیا ہے وہی درست ہے۔ آپ اگر اپنے مدعیٰ پر عادل گواہ پیش کر سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ وہ بالعموم تمام مسلمانوں کا مال فئی شمار ہوگا نہ آپ کو ملے گا اور نہ جنابِ فاطمہؑ کو دیا جائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے عمر کی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ابوبکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم اللہ کی کتاب کو پڑھتے یعنی جانتے ہو اس نے کہا ہاں! آپ نے آیۂ تطہیر کی تلاوت فرمائی اور پوچھا کہ کیا یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی یا ہمارے غیر کے حق میں اُتری۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ یہ آیت مجیدہ آپ ہی کے حق میں اُتری ہے تو آپ نے فرمایا اگر دو گواہ تیرے سامنے آکر جنابِ فاطمہؑ کی عصمت کے خلاف گواہی دیں تو کیا کرے گا۔ اس نے جواب دیا عام مجرموں کی طرح اس پر حد لگاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تیرا یہ فعل تجھے کافر بنا دے گا۔ اس نے پوچھا وہ کیسے تو آپ نے فرمایا ایسی صورت میں تو نے اللہ کی گواہی کو ٹھکرا دیا جو اس نے بی بی کی عصمت پر

آیۂ تطہیر کی زبان سے شہادت دی ہے اور لوگوں کی گواہی کو قبول کر لیا جو بی بی کی عدم عصمت پر زبان کشائی کریں اور اب بعینہٖ وہی صورت ہے کہ تو نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کو ٹھکرا دیا کہ انہوں نے فدک جنابِ فاطمہؑ کے حوالہ کیا تھا اور حینِ حیاتِ پیغمبرؐ وہ اس پر قابض بھی رہیں اور اوس بن حدثان جیسے اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے جاہل بدو کی شہادت کو تو نے قبول کر لیا پس بی بی سے اس کا مال چھین کر مسلمانوں کے فیئ میں داخل کر لیا حالانکہ شرعی مجسٹریٹ کے لئے پیغمبرؐ کی خاص ہدایت موجود ہے۔ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنِ ادُّعِيَ عَلَيْهِ یعنی گواہ مدعی سے مانگے جاتے ہیں اور جس کے خلاف دعویٰ دائر کیا جائے اس سے حلف لی جاتی ہے (بی بی کا قبضہ مالکانہ سابق تھا لہٰذا اس کو بے دخل کرنے والا مدعی اور بی بی مدعا علیہ تھی اور قانونِ اسلامی کی رُو سے گواہ مدعی کو پیش کرنے چاہئیں اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ ہونا چاہیے لیکن جہاں مجسٹریٹ خود مدعی ہو اور گواہ بھی نہ رکھتا ہو اور کرسیِ اقتدار پر قبضہ بھی ہو تو اُسے اپنی من مانی سے روکنے والا کون ہے؟ ایسی صورت میں عدل و انصاف کا خون کیوں نہ ہو جب کہ یک طرفہ فیصلہ کی صورت میں نہ کوئی فریاد سننے والا ہو اور نہ کسی سے دادرسی کی توقع ہو)

حضرت علی علیہ السلام کا ناقابلِ تردید استدلال سن کر پورے مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا اور بعض لوگوں کی آنکھیں فرطِ غم و اضطراب سے پُرنم ہو گئیں اور منصف مزاج لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ علیؑ نے جو کچھ فرمایا ہے درست ہے پس حضرت علیؑ واپس گھر تشریف لائے اور بی بی پاک نے قبرِ پیغمبرؐ پر جا کر ایک دردناک نوحہ پڑھا جو کتبِ تاریخ میں محفوظ ہے۔

حضرت ابوبکر بحالتِ سراسیمگی اپنے گھر پہنچے اور عمر کو اپنے پاس بلوا کر کہنے لگے علیؑ نے آج مسجد میں ہمارے ساتھ جو باتیں کی ہیں وہ تو تم نے سُنی ہیں۔ بخدا اگر مجمع عام میں علیؑ نے ایک دفعہ پھر ہم سے اس قسم کی باتوں کو دھرایا تو ہمارے اقتدار کا تختہ اُلٹ جائے گا۔ اس کے سدِ باب کے لئے کوئی اچھی تجویز سوچنی چاہیئے تو عمر نے جواب دیا کہ اس کے قتل کی تجویز ہی سب سے بہتر ہے۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا کہ یہ بھار کون اٹھائے گا تو عمر نے کہا کہ خالد بن ولید سے ہی اس کی توقع کی جا سکتی ہے چنانچہ خالد کو منگوایا گیا اور اس کے سامنے اس خواہش کو دھرایا گیا اُس نے قبول کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ کام کس وقت انجام دوں تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ نمازِ فریضہ کے بعد چنانچہ تم علیؑ کے پہلو میں کھڑے ہو جانا اور میرے سلام کہنے کے فوراً بعد تلوار سے اُن کا کام تمام کر دینا۔

حضرت اسماء بنتِ عمیس زوجۂ حضرت ابوبکر یہ باتیں سُن رہی تھی چنانچہ اس نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ حضرت علیؑ کے پاس جا کر یہ آیت پڑھو۔ اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے قبطی کو قتل کرنے کے بعد فرعونی حکومت کی جانب سے حضرت موسیٰ کی گرفتاری و قتل کا فیصلہ سن کر مومنِ آلِ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہے تھے (کہ سردارانِ قوم تیرے قتل کا فیصلہ کر رہے ہیں، پس تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں) حضرت علیؑ نے آیتِ مجیدہ کا مفہوم سمجھ کر جواب دیا کہ جا کر اپنی سیدہ سے کہو کہ اللہ ان کو اس اقدام کی جرأت سے محروم رکھے گا۔ چنانچہ نماز کا وقت ہوا اور آپ وضو کر کے مسجد میں تشریف لائے اور خالد بن ولید آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا (ظاہری

صورت میں حضرت علیؑ صفِ جماعت میں کھڑے تھے اگرچہ ان کی اپنی نیت انفرادی تھی کیونکہ معصوم غیر معصوم کی اقتدا نہیں کر سکتا) جب حضرت ابوبکر تشہد میں بیٹھے تو خیال پیدا ہوا کہ حضرت علیؑ کو اگر قتل کر دیا گیا تو ایک فسادِ عظیم کھڑا ہو جائے گا اور ایسا فتنہ رُو نما ہوگا کہ اس کا قلع قمع مشکل ہوگا اور اسی سوچ میں پڑ کر تشہد کو اس قدر طول دیا کہ لوگوں کو اس کے نسیان کا شبہ ہونے لگا۔ پس سلام پڑھنے کے بجائے خالد کی طرف متوجہ ہو کر حکم دیا اے خالد جو میں نے تم کو حکم دیا تھا وہ کام نہ کرنا پھر سلام پڑھا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ الخ

اختتامِ نماز کے بعد حضرت علیؑ نے خالد سے دریافت کیا وہ کیا کام تھا جس کا تجھے حکم دیا گیا تھا اس نے کہا کہ مجھے تیری گردن اڑانے کا حکم دیا گیا تھا آپ نے فرمایا کیا تو اس کی تعمیل کو تیار تھا؟ اس نے کہا ہاں خدا کی قسم اگر اس کا امتناعی حکم نہ ہوتا تو سلام کے بعد میں نے آپ کو قتل کر دیا ہوتا حضرت علیؑ نے اس کو پکڑ لیا اور بلند کر کے زمین پر پٹاخ دیا چنانچہ لوگوں نے بیچ پڑ کر اُسے چھڑا لیا اس کے بعد آپ عمر کی طرف مخاطب ہوئے اور اس کے گلے سے پکڑ کر فرمایا اے ابنِ صہاک اگر میرے ساتھ رسولِ خدا کا عہد نہ ہوتا (یعنی مجھے صبر کی تلقین نہ کی گئی ہوتی) تو تمہیں پتہ چل جاتا کہ ہم میں سے کمزور کون ہے؟ پس آپ اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔

ذَالِکَ خَیْرٌ ؕ۔ آیتِ مجیدہ میں خطاب اگرچہ حضرت رسالتمآبؐ کی طرف تھا لیکن حکم میں ساری امت کے افراد شریک ہیں اور سب کو اقربا پروری وصلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے اور آخر میں فرمایا کہ قریبیوں رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں کو اپنے حقوق دینا اللہ کے نزدیک کارِ خیر ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو حقوق کی ادائیگی خوشنودیٔ پروردگار کے لئے کریں نہ کہ نامورِی یا ریاکاری یا دیگر اغراضِ فاسدہ کے لئے مثلاً خیرات دے کر کسی سے بیگار لینا یا اُس سے کسی دوسرے رنگ میں بدلہ کی امید رکھنا۔ ایسی خیرات تضییعِ مال ہے نہ کہ کارِ ثواب اسی لئے آخر میں فرمایا کہ خوشنودیٔ خدا کے لئے حقوق ادا کرنے والے لوگ ہی آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

| |
|---|
| وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ |
| اور وہ جو تم عطا کرو سودی روپیہ تاکہ بڑھے لوگوں کے مالوں میں تو وہ نہ بڑھے گا اللہ کے نزدیک |
| وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۞ |
| اور وہ جو تم عطا کرو خیرات کہ چاہتے ہو اللہ کی خوشنودی تو ایسے لوگ کئی گنا بدلہ کے مستحق ہوتے ہیں |

**سود خوری**

وَمَآ اٰتَیْتُمْ ۔ اگر ہمزہ پر مد ہو اور بابِ افعال کی ماضی ہو اس کا معنی اَعْطَیْتُمْ ہوا کرتا ہے اور اگر ہمزہ چھوٹا ہو اور مجرد کی ماضی ہو تو جِئْتُمْ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور لفظ مذکور میں دونوں قرائتیں پائی جاتی ہیں لیکن بابِ افعال سے پڑھنا معنی کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے۔

سود کی لین دین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حلال اور دوسری حرام۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو قرض دے اور ادائیگی میں زیادتی کی شرط نہ لگائے لیکن مقروض شخص ادا کرتے وقت اپنی جانب سے کچھ زیادہ دے دے تو یہ حرام نہیں ہے بلکہ حلال ہے اگرچہ قرض دینے والے کا دل بھی قرض دیتے وقت چاہ رہا ہو کہ مجھے بڑھا کر واپس دیا جائے لیکن اس چاہت کو بطور شرط کے

زیادہ پر نہ لایا ہو تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو تحفہ یا ہدیہ اس نیت سے دے کہ وہ اس سے کچھ بڑھا کر دے گا تو اس قسم کی بڑھوتری حلال ہے لیکن اس میں نہ ثواب ہے نہ عقاب۔ ترجمہ مقبول کے حاشیہ پر تفسیر قمی اور کافی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سود حلال وہ ہے جو ایک شخص دوسرے شخص کو قرض اس لالچ پر دے کہ وہ بوقت ادائیگی کچھ بڑھا کر دے گا لیکن زبانی طور پر اس کی شرط نہ لگائے پس زیادتی ملنے پر حرام نہ ہوگی اور سود حرام وہ ہے جو قرض دیتے وقت ادائیگی میں زیادتی کو مشروط کر دے۔ آیت مجیدہ میں سود کی پہلی قسم کا تذکرہ ہے کہ تم جو قرض اس نیت سے دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں اس کی بڑھوتری ہوگی تو ایسے مال میں اللہ کے نزدیک کوئی ترقی نہیں ہوتی نہ مالی لحاظ سے اور نہ ثواب کے لحاظ سے اور آیت مجیدہ میں چونکہ دینے والے کی نیت میں ربا کو اہمیت حاصل ہے بلکہ ایسا لالچی انسان دوسرے کو قرض دیتا ہی اس بڑھوتری کے لالچ میں ہے پس اسی مناسبت سے قرض دیئے جانے والے روپے کو بنا بر تغلیب کے ربا سے تعبیر کر دیا گیا ہے بنا بریں بنکوں سے حاصل ہونے والا سود جب کہ روپیہ جمع کراتے وقت اس کی شرط نہ کی جائے قسم اول سے شمار ہوگا اور حرام نہ ہوگا۔ اور سیونگ حساب میں بنکوں نے اپنے مقام پر پہلے کیا ہوا ہوتا ہے کہ روپیہ جمع کرانے والے کو اس قدر بڑھوتری دی جائے گی اور جمع کرانے والا اپنے روپے کی حفاظت کی خاطر یا دیگر اغراض کے پیش نظر اپنا روپیہ جمع کراتا ہے اور اگرچہ اس کی نیت ہوتی ہے کہ مجھے بڑھوتری دی جائے اسی لئے تو سیونگ حساب کھولتا ہے لیکن چونکہ اس کی جانب سے شرط نہیں ہوتی اس لئے یہ بڑھوتری حرام نہ ہوگی خلاصہ یہ کہ بڑھوتری وہی حرام ہے جو روپیہ دیتے وقت بڑھوتری کی شرط کی جائے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ۔ یعنی جو تم اللہ کی خوشنودی کے لئے زکوٰۃ وصدقات فقرا و مساکین کو دیتے ہو وہ اللہ کے نزدیک چند در چند زیادہ ہوتی ہے اور کم از کم اس کی زیادتی ایک کے بدلے میں دس اور زیادہ کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ ربا کے مقابلے میں ہے اس لئے مناسب یہ ہوگا کہ اس سے مراد وہ روپیہ ہو جو قرضہ کے طور پر کسی صاحب احتیاج کو دیا جائے اور نیت بڑھوتری کی نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر ہی صاحب حاجت کی حاجت روائی کی ہو تو اللہ کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور اس کا بدلہ صدقہ میں دیئے ہوئے بدلے سے بھی زیادہ ملے گا چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دروازہ بہشت پر لکھا ہے صدقہ دینے میں ایک کا بدلہ دس اور قرضہ حسنہ دینے میں ایک کا بدلہ اٹھارہ ملے گا۔ (مقبول ترجمہ)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر تم کو مارے گا پھر تم کو زندہ کرے گا کیا کوئی ہے

شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

تمہارے شریکوں میں سے جو ان امور سے کسی کو انجام دے سکے پاک ہے اللہ اور بلند ہے اس سے جو تم شرک کرتے ہیں

## دلیل توحید

اَللّٰهُ الَّذِیْ۔ خدائے عز و جل نے اس مقام پر دلیل توحید کو پھر دہرایا ہے کہ اللہ وہ

ہے جو خلق رزق موت و حیات کا مالک ہے اس کے بعد چیلنج کے طور پر مشرکین کو تنبیہ فرماتا ہے کہ جن کو تم لوگ خالق و رازق یا موت و حیات کا مالک تصور کرتے ہو اور بوقت حاجت ان کو پکارتے اور کوئی چیز مانگنے میں مشکلکشا اور حاجت روا سمجھ کر اُن کی طرف رجوع کرتے ہو تو خود انصاف و خرد کی روشنی میں جواب دو کہ ان میں سے کوئی بھی مذکورہ بالا امور میں سے کسی ایک کو انجام دینے کی قدرت رکھتا ہے یقیناً تمہیں اپنی ضمیر جواب دے گی کہ اللہ کے سوا کوئی بھی ایسی ذات نہیں جو خلق رزق اور موت و حیات پر قدرت رکھتی ہو۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ بندگانِ خدا کو خلق رزق یا موت و حیات کا مالک سمجھیں، خواہ ان کا یہ عقیدہ کسی دشمنِ خدا کے متعلق ہو جیسے نمرود و فرعون کی حمایا کا یا ان کا یہ عقیدہ کسی نبی و رسول کے متعلق جیسے نصرانیوں کا حضرت عیسیٰ کے متعلق یا کسی امام و ولی کے متعلق ہو جیسے غلاۃ و مفوضہ کا حضرت علیؑ کے متعلق تو ایسے لوگ قرآن کے نقطۂ نظر سے مشرک ہیں کیونکہ اللہ کے مخصوص افعال میں وہ اس کے بندوں کو اس کا شریک مانتے ہیں اور اللہ پاک و پاکیزہ اور بلند و بالا ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

ظاہر ہوا فساد خشکی اور تری میں بوجہ اس کے جو کمایا لوگوں نے تاکہ چکھائے

لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝۴۱ قُلْ

ان کو (سزا) بعض بداعمالیوں کی تاکہ وہ پلٹیں کہہ دیجئے پھرو

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ

زمین میں تو دیکھو کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو پہلے تھے

مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝۴۲ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ

کہ اکثر ان میں سے شرک کرنے والے تھے پس قائم کرو اپنی ذات کو دین

رکوع ۵ ظَهَرَ الْفَسَادُ — اکثر مفسرین نے بر سے مراد وہ مقامات لئے ہیں جو ظاہری ذرائع آبپاشی سے دور ہیں مثلاً ریگستانی و پہاڑی بارانی علاقے اور بحر سے مراد وہ مقامات لئے ہیں جن کے ذرائع آب پاشی مہیا ہوں مثلاً نہری علاقے اور ساحلِ دریا کے قریبی علاقے۔ اور فساد کے ظہور کے متعلق بھی کئی اقوال ہیں (۱) قحط سالی کا رونما ہونا (۲) گناہوں کا عام ہونا (۳) حکامِ جور کا تسلط (۴) کشت و خون کا بازار گرم ہونا یعنی لوگوں کے کرتوتوں اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے خدا بحر و بر یعنی خشکی و تری اور نہری و بارانی تمام علاقوں میں اُن کو مذکورہ بالا امور میں سے بعض میں یا سب میں گرفتار کر لیتا ہے تاکہ ان کو اپنے بعض کرتوتوں کی سزا بھی مل جائے اور سنبھلنے کا موقعہ بھی دستیاب ہو یس توبہ کی طرف رجوع کریں اور گرفتارانِ عذاب سے عبرت حاصل کرکے

خوف خدا کو دل میں جگہ دیں۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے گناہوں کی تیرہ اقسام منقول ہیں جن میں سے ہر قسم ایک قسم کے عذاب کو اپنے ساتھ لاتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا (پہلی قسم) وہ گناہ جو زوالِ نعمت کے لئے باعث بنتے ہیں (چار ہیں) لوگوں پر سرکشی کرنا، نیکی اور احسان کی عادت کو ترک کرنا۔ کفرانِ نعمت اور ترک شکر کرنا (دوسری قسم) وہ گناہ جو ندامت کے باعث بنتے ہیں (چھ ہیں) قتل نفس محترمہ، صلہ رحمی کو ترک کرنا۔ نماز کو ترک کرنا یہاں تک کہ قضا ہو جائے مرنے سے پہلے وصیت نہ کرنا۔ لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا یہاں تک کہ موت آجائے اور زبان بولنے سے رک جائے۔

(تیسری قسم) وہ گناہ جن کا خدا انتقام لے لیتا ہے (تین ہیں) عادت (مومن) پر بغاوت کرنا۔ لوگوں سے متکبرانہ انداز سے پیش آنا۔ لوگوں سے تمسخر کرنا (چوتھی قسم) وہ گناہ جو رزق کا باعث بنتے ہیں (پانچ ہیں) لوگوں کے سامنے اپنا فقیر ہونا ظاہر کرنا عشاء کی نماز پڑھے بغیر سوجانا۔ صبح کی نماز کا وقت نیند میں گذار دینا۔ خدا کی نعمتوں کو حقیر سمجھنا۔ اللہ کا شکوہ کرنا (پانچویں قسم) وہ گناہ جو بے عزتی و بے حرمتی کا باعث ہوتے ہیں (چار ہیں) شراب پینا۔ جوا کھیلنا۔ بیہودہ گوئی، مزاح و مسخری اور عیب جوئی کے ذریعے لوگوں کو ہنسانا۔ دشمنانِ دین کی ہم نشینی کرنا (چھٹی قسم) وہ گناہ جو کسی مصیبت کا پیش خیمہ بنتے ہیں (دو ہیں) کسی مصیبت زدہ کی مدد کر سکنے کے باوجود اس کی فریاد رسی نہ کرنا اور مظلوم کی مدد کر سکنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ضائع کرنا (ساتویں قسم)

الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ

صحیح کے لئے پہلے اس سے کہ آجائے وہ دن جس کو کوئی ٹالنے والا نہیں اللہ سے۔ اس دن الگ

يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا

الگ ہو جائیں گے کہ جس نے کفر کیا تو اس پر کفر کی سزا ہوگی اور جس نے اچھائی کی تو وہ اپنے

فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

نفسوں کے لئے بستر بچھا رہے ہیں تاکہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے اور عمل نیک بجا لائے

وہ گناہ جو دشمن کے غالب ہو جانے کا سبب بنتے ہیں (پانچ ہیں) کھلم کھلا ظلم کرنا۔ اعلانیہ بدکاری کرنا۔ حرام کو مباح جاننا۔ نیک لوگوں کی مخالفت کرنا اور بدکاروں کی تابعداری کرنا (آٹھویں قسم) وہ گناہ جو موت کے قریب کرتے ہیں (چھ ہیں) قطع رحمی کرنا، جھوٹی قسم کھانا جھوٹ بولنا۔ زنا کرنا۔ مسلمانوں کا راستہ روکنا اور حق کے بغیر امامت کا دعویٰ کرنا (نویں قسم) وہ گناہ جو اللہ سے امید کا رشتہ کاٹ دیتے ہیں (چار ہیں) اللہ کے فضل سے مایوس ہونا۔ خدا کی رحمت سے بے امید ہونا۔ غیر اللہ پر بھروسہ کرنا اور اللہ کے وعدے کو جھٹلانا۔ (دسویں قسم) وہ گناہ جو ہوا کو تاریک کرتے ہیں (پانچ ہیں) جادوگری۔ کہانت۔ نجومیوں کی باتوں پر ایمان رکھنا۔ تقدیر کو جھٹلانا اور والدین کی نافرمانی کرنا (گیارھویں قسم) وہ گناہ جو انسان کے وقار کو ختم کرتے ہیں (چھ ہیں) اس نیت سے قرضہ لینا کہ واپس نہ دوں گا۔ بُرے کاموں پر

فضول خرچی کرنا۔ اہل وعیال و بچوں و قریبیوں پر بخل کرنا۔ بدخلقی۔ بے صبری۔ تنگ دلی و بے رُخی اور دین دار لوگوں کی توہین کرنا۔ (بارہویں قسم) وہ گناہ جو دعاؤں کی عدم مقبولیت کا باعث بنتے ہیں (آٹھ ہیں) بُری خواہش۔ بدباطنی۔ برادری کے ساتھ منافقت لوگوں کی بات پر باور نہ کرنا۔ نماز واجبہ کا وقت ضائع کرنا۔ نیکی کرتے وقت نیت خوشنودئ خدا نہ کرنا۔ صدقہ و خیرات ترک کرنا اور بدکلام و بدزبان ہونا (تیرھویں قسم) جو گناہ جو بارانِ رحمت کی رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں (گیارہ ہیں) قاضیوں اور مجسٹریٹوں اور ججوں کا فیصلہ کرنے میں ناانصافی کرنا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ حق کی گواہی کو چھپانا۔ زکوٰۃ نہ ادا کرنا۔ قرض واپس نہ کرنا۔ معمولی معمولی چیزوں سے ہمسایوں کی حاجات کو پورا نہ کرنا۔ فقیروں و فاقہ مستوں سے سخت دلی کا مظاہرہ کرنا۔ یتیم پر ظلم کرنا۔ بیواؤں کو نظر انداز کرنا۔ سائل کو جھڑکنا اور رات کو آنے والے سائل کو خالی واپس کرنا۔

بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ گناہ جو زوالِ نعمت کا باعث ہے وہ بغاوت ہے۔ وہ گناہ جو ندامت کا باعث ہے وہ نفسِ محترمہ کا قتل ہے وہ گناہ جو انتقام کا پیش خیمہ ہے ظلم ہے۔ وہ گناہ جو بے عزتی کا باعث ہے شراب نوشی ہے۔ وہ گناہ جو تنگئ رزق کا باعث ہے ریاکاری ہے۔ وہ گناہ جو موت کو قریب کرتا ہے قطع رحمی ہے اور وہ گناہ جو دعا کی نامقبولیت کا باعث ہے اور ہوا کو تاریک کرتا ہے (عذابِ خداوندی کو قریب کرتا ہے) وہ والدین کی نافرمانی ہے۔

ایک روایت میں آپ نے فرمایا چار چیزیں چار چیزوں کو لاتی ہیں۔ زناکاری زلزلوں کو لاتی ہے۔ فیصلوں میں ناانصافی بارانِ رحمت کی بندش کو لاتی ہے۔ عہد شکنی اہلِ شرک کے اہلِ اسلام پر غلبہ کو لاتی ہے اور زکوٰۃ نہ ادا کرنا۔ فقر و احتیاج کو لاتی ہے۔

اتفاق سے جب میں اس آیتِ مجیدہ کی تفسیر تک پہنچا ہوں تو اُدھر بھارتی حکمرانوں کے ناپاک عزائم کا پردہ چاک ہو گیا کہ انہوں نے اپنے جارحانہ اقدامات میں معتد بہ اضافہ کر دیا اور مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر متعدد مقامات سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ حملہ کر دیا اگرچہ پاکستان کے جانباز و جیالے فوجی نوجوانوں اور قومی مجاہدوں نے انہیں پاک سرزمین میں قدم جمانے نہ دیا چنانچہ بھاری جانی و مالی نقصان اٹھا کر دُم دباتے ہوئے واپس بھاگے۔ تاہم ان کی گیدڑ بھبکیوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور پاکستان کی سرحدوں کی طرف ان کی للچائی ہوئی نگاہیں ابھی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہیں۔ اس سنگین صورتِ حال کے پیشِ نظر صدرِ پاکستان جنرل محمد یحییٰ خان نے پرسوں بتاریخ ۲۳ نومبر ۱۹۷۱ء بروز منگل وار مطابق ۴ شوال ۱۳۹۱ھ ایک بجے دوپہر پورے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔

ملکی ہمہ گیر فساد کی یہ کیفیت آیتِ مجیدہ کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنے کردار پر نظرِ ثانی کی دعوت دے رہی ہے۔ قرآن مجید کے فرمان کے پیشِ نظر اس قسم کے فسادات لوگوں کی بداعمالیوں کی سزا کے طور پر رُونما ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو بعض کردہ گناہوں کی سزا مل جائے اور آئندہ کے لئے توبہ کرنے اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا درس حاصل ہو۔

قُلْ سِيْرُوْا۔ اس آیتِ مجیدہ میں پروردگار نے اپنے بندوں کو زمین میں سیر کرنے کی دعوت دی ہے کہ بے شک جغرافیائی طور پر زمین کے چپے چپے کا تاریخِ عالم کی روشنی میں جائزہ لو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ میری ہدایات کے مقابلہ میں اپنے من گھڑت

لیڈروں کی چکنی چپڑی باتوں سے فریب خوردہ عوام نے ہر دور میں کس طرح دھوکا کھایا اور کس طرح بالآخر عذاب میں مبتلا ہوئے۔ عمل یا عقیدہ میں میرے ساتھ شرک کرنے والوں کا انجام ہمیشہ سے یہی ہوتا ہے کہ جرم و گناہ کی بدترین عادات میں گرفتار ہو کر عذاب کی وادی میں کود جاتے ہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ:۔ اس سے قبل آیت ۳۱ میں یہی ارشاد فرمایا کہ دوسرے تمام خیالات و مذاہب کو چھوڑ کر دینِ خداوندی کے پُرامن دامن میں جمع ہو جاؤ اور اسی کی تعلیمات کو دستورِ زندگی قرار دو یہ اللہ کا فطری دین ہے اور اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی اور یہی تمہارے لئے صراطِ مستقیم ہے۔ پس اپنی تمام تر خواہشات کو اسلام کی مقدس تعلیمات کے قالب میں ڈھالتے جاؤ تو نہ کوئی فساد ہوگا اور نہ بدامنی اور عیش و آرام کی زندگی اور نفس کا سکون و اطمینان تمہارے لئے دنیاوی جنت کا سماں پیدا کرے گا۔ اللہ کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو اور اس جادۂ حق اور صراطِ مستقیم سے اِدھر اُدھر جانے سے باز آ جاؤ۔ اس کے بعد اپنے بعض احسانات کا ذکر فرمایا اور معاشرتی لین دین میں اچھا رویہ اختیار کرنے کی دعوت دی اور اپنی توحید کو واضح فرمایا۔ پھر خدائی تعلیمات سے انحراف کرنے کے مفاسد ذکر فرمائے کہ خشکی و تری میں جہاں کہیں بھی فسادات کی آگ بھڑک اٹھتی ہے وہ دراصل لوگوں کی بداعمالی اور احکامِ خداوندی کی پامالی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے اور تاریخِ عالم کا جو ورق پلٹ کر دیکھو گے اور جغرافیائی طور پر جس خطۂ ارضی پر انسانی خون کی ارزانی کی دردناک داستان سنو گے اس کا پس منظر تمہیں یہی نظر آئے گا کہ ہدایاتِ خداوندی سے انحراف ہی ان مصائب کا باعث بنا اسی بنا پر اس نے اپنے پیغمبر کے وجودِ مسعود کو عالمین کے لئے رحمت قرار دیا کیوں کہ ان کی تعلیمات امن و سکون کا پیغام تھیں اور ان کو نظر انداز کرنا فتنہ و فساد کا پیش خیمہ ہے۔ اس آیتِ مجیدہ میں پھر اپنے ارشاد کو دہراتے ہوئے فرماتا ہے کہ اپنے رُخ کو اور اپنی تمام تر توجہات کو دینِ خداوندی پر مرکوز کرو اور عذابِ پروردگار کے نزول سے پہلے سنبھل جاؤ کیوں کہ اس ایک راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ ہے ہی نہیں جو انسانوں کے اضطرابات و ہیجانات و رجحانات میں صحیح توازن پیدا کر کے عالمِ انسانیت کو امن کا پیغام دے سکے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ:۔ خداوندِ کریم نے یہاں بعض آثارِ قدرت بیان کر کے اہلِ ایمان کو اپنی نعمات جتلاتے ہوئے شاکر بننے کی دعوت دی ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بارانِ رحمت سے پہلے ایسی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد کے لئے خوشخبری کا کام دیتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ | وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ |
| اپنے فضل سے تحقیق وہ نہیں دوست رکھتا کافروں کو | اور اس کی آیات میں سے ہے کہ بھیجتا ہے |
| الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ | |
| ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اور تاکہ چکھائے تم کو اپنی رحمت سے اور تاکہ جاری ہوں کشتیاں | |

وَلِيُذِيْقَكُمْ:۔ اس کا عطف مُبَشِّرَات پر ہے معنی کے لحاظ سے کیوں کہ وہ لِيُبَشِّرَكُمْ کے معنی میں ہے یعنی بارش کے پہلے چلنے والی ٹھنڈی

ہوائیں تمہیں پانچ فائدے پہنچاتی ہیں۔ (۱) قحط سالیوں اور مسلسل مایوسیوں کے بعد تمہارے لئے وہ مژدہ جانفزا بنتی ہیں (۲) اپنے پیچھے باران رحمت لاتی ہیں (۳) دریاؤں نالوں اور وادیوں میں پانی کی کثرت کی وجہ سے کشتی رانی کی آسانی ہوتی ہے جو مال و متاع کے نقل و حمل میں سہولت کی باعث ہے (۴) زمین کی آبادی کے بعد رزق کی ارزانی و فراوانی ہو جاتی ہے۔ (۵) یہ سب امور تمہارے

بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ

اس کے امر سے اور تاکہ تلاش کرو اس کے رزق میں سے اور تاکہ تم شکر کرو اور تحقیق بھیجے

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

ہم نے تجھ سے پہلے رسول اپنی قوموں کی طرف تو وہ آئے ان کے پاس دلیلیں لے کر پس

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

انتقام لے لیا ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے جرم کیا اور ہے حق ہمارے اوپر مومنوں کی مدد کرنا

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ

اللہ وہ ہے جس نے بھیجیں ہوائیں پس اٹھاتی ہیں بادلوں کو پس پھیلاتا ہے اس کو آسمان

كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ

میں جس طرح چاہے اور کرتا ہے اس کو ٹکڑے ٹکڑے پس دیکھتے ہو تم بارش کے قطرات

خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ

ٹپکتے ہیں اس سے پس جب وہ برسے جس پر وہ چاہے اپنے بندوں میں سے تو وہ خوش

لئے کھلی ہوئی دعوت کا پیغام ہیں کہ اللہ کا شکر کرو جو ان چیزوں پر قادر ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ:۔ اس مقام پر ہوا کا دوسرا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ ہوا اپنی طاقت سے بادلوں کو اٹھاتی ہے اور فضائے آسمانی میں بکھیرتی ہے جس طرح اللہ کی مشیت ہو

كِسَفًا:۔ اس کا معنی ٹکڑے ٹکڑے یا تربہ تر بیان کیا گیا ہے۔ پس ہوائیں اللہ کے امر کے تابع ہیں کہ بادلوں کو اس کی مشیت و حکمت کے ماتحت کہیں گھنا کہیں ہلکا کر کے پھیلاتی ہیں اور پھر اللہ کی قدرت و حکمت کا تماشا دیکھو کہ انہیں بادلوں سے پانی کے قطرات پے در پے ٹپکنا شروع ہوتے ہیں اور متواتر

مسلسل شب و روز برسنے کے بعد ان میں کمی واقع نہیں ہوتی اور انسانی عقول سے اس امر کا سمجھنا نہایت دشوار ہے کہ اس قدر پانی کہاں رکا ہوا تھا جو لگاتار برستا رہا پس یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کی نشانیاں ہیں اور وہ بیشک ان تمام امور پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے اور اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ جو اللہ بارش بھیج کر مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر

ہے وہی انسانوں کو مرجانے کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔
وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا۔ یعنی اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں جو زرد رنگ کی ہو جس میں بارش کی خوشخبری نہ ہو تو لوگ مایوسی کا شکار

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ

ہوتے ہیں اگرچہ وہ تھے پہلے اس سے کہ وہ برسے ان پر پہلے

قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ

اس سے مایوس پس دیکھو طرف آثارِ رحمت خدا کے کس طرح زندہ کرتا ہے زمین کو بعد

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۱﴾

موت کے تحقیق وہ البتہ زندہ کرنے والا ہے مردوں کو اور وہ ہر شے پر قادر ہے

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور اگر ہم بھیجیں ہوا کو پس دیکھیں اس کو زرد تو ہو جاتے ہیں اس کے بعد کافر

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا

پس تحقیق تو نہیں سنا سکتا مُردوں کو اور نہ سنا سکتا ہے بہروں کو آواز جب وہ چلے جائیں

مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ

پیٹھ پھیر کر اور نہ تو ہدایت کر سکتا ہے گمراہی سے اندھوں کو۔ تو نہیں سنا سکتا مگر

اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۴﴾ ع۸

ان کو جو ہماری نشانیوں پر ایمان لائیں اور ماننے والے ہوں

ہو کر کافر ہونے لگتے ہیں یا یہ کہ جب زمین کی سرسبزی و شادابی کے بعد ہم ہوا بھیج دیں جو تر و تازہ کھیتوں کو زرد رنگ کا بنادے تو وہ اپنے فصلوں کی بربادی دیکھ کر ناسپاس گزار ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ اللہ کا کوئی کام بغیر مصلحت و حکمت کے نہیں ہوا کرتا۔

لَا تُسْمِعُ۔ نصیحت کے کلمات نہ سننے والوں کی مُردوں سے تشبیہ دی اور غور نہ کرنے والوں کو بہروں سے تشبیہ دی اور آیاتِ خداوندی کو آنکھوں سے دیکھ کر بصیرت کی آنکھوں پر پٹی باندھنے والوں کو اندھوں سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کی نصیحت پر مامور ہیں لیکن جبری طور پر ان سے منوانے کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہے لہٰذا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کے دلائل سُننے اور سمجھنے کی توفیق ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جو یقین و ایمان کی دولت اپنے

اندر رکھتے ہوں۔

**رکوع ۹** اَللّٰهُ الَّذِیْ :- آیتِ مجیدہ میں پروردگار نے انسان کو اپنی پیدائش اور نشوونما کے مراتب کی طرف متنبہ فرمایا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے ایک کمزور مادہ (منی) سے تم کو پیدا کیا پھر بچپنے کی کمزوریوں کے بعد تم کو اس نے جوانی کی توانائی عطا فرمائی اور اس کے بعد پھر اس نے تم کو ضعیفی ولاغری کی حدود تک پہنچایا اور تمہارا یہ انقلاب وتغیر خود تمہارے لئے مہمیز

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ

اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا کمزوری سے پھر اس نے کمزوری کے بعد طاقت دے دی پھر

ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً

اس نے طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۵﴾ وَیَوْمَ تَقُوْمُ

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور وہ علم وقدرت والا ہے اور جس دن قائم ہوگی

السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ

قیامت قسم کھائیں گے مجرم لوگ کہ نہیں ٹھہرے (قبروں میں) زیادہ ایک گھنٹہ سے

كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ

اسی طرح وہ بھٹکے ہوئے تھے اور کہا ان لوگوں نے جو علم وایمان دیئے گئے

عبرت قرار دیا تاکہ اپنی ابتداء وانتہا، پر غور کرنے کے بعد اپنے خالق حکیم اور صناع مدبر کی نعمات متکاثرہ ومتواترہ کا شکر ادا کر سکو۔ نیز ان حالات کا بدلنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اللہ جو ہمارے جملہ حالات پر علم وقدرت کے لحاظ سے پوری طرح حاوی ہے۔ وہی ہمارے وجود کا خالق ہے

**یَوْمَ تَقُوْمُ** - یعنی جب محشر کے دن مجرم لوگ اٹھائے جائیں گے تو اس دن کے طول کی وجہ سے ان کو برزخ کی رہائش بالکل مختصر معلوم ہوگی وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم تو عالم برزخ میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ٹھہرے ہیں یعنی قبر میں داخلے کے بعد جو عذاب ہوگا، اس کے بعد قیامت تک کی طولانی مدت ان کو ایک گھنٹہ سے کم معلوم ہوگی تو علم وایمان والے یعنی فرشتے یا انبیاء یا مومنین ان سے کہیں گے کہ اللہ کی کتاب (قرآنِ مجید) کے مطابق تو موت سے لے کر محشور ہونے تک عالمِ برزخ میں رہے ہو اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قیامت کے مقابلہ میں ان کو دنیاوی زندگی ایک گھنٹہ سے کم معلوم ہوگی۔

یَطْبَعُ اللّٰهُ [۱۲۶] مہر اور ختم کی تفسیر وتاویل تفسیر کی دوسری جلد خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ الخ کے ذیل میں ملاحظہ ہو خداوند کریم

نے اپنی مقدس کتاب میں ادلۂ توحید کو مختلف طرق سے قابلِ قبول مثالیں دے کر اس طرح واضح فرمایا ہے کہ طالبِ حق اور منصف مزاج انسان کے لئے ذرہ بھر پس و پیش کا مقام باقی نہیں رہتا۔ تفسیر برہان میں بروایتِ کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے جہاں آپ نے اثباتِ صانع پر استدلال قائم فرمایا تو ابن ابی العوجاء نے اعتراض کیا کہ اس بات میں کیا قباحت تھی کہ خدا خود مخلوق کے سامنے ظاہر ہو کر ان کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا اگر ایسا کرتا تو کوئی بھی اس کی مخالفت نہ کرتا۔ وہ خود تو پوشیدہ ہو گیا اور رسولؐ بھیج دیئے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ خود بنفسِ نفیس دعوتِ ایمان دیتا پھر ہر بندہ اس دعوت کو قبول کر لیتا آپ نے فرمایا تجھ پر ویل ہو کیا تو اسے پوشیدہ سمجھتا ہے جس نے تیرے ہی وجود میں تجھے اپنی قدرت دکھا دی۔ نہ ہونے کے بعد تیرا ہونا بچپنے کے بعد جوانی۔ کمزوری کے بعد طاقت۔ طاقت کے بعد کمزوری تندرستی کے بعد بیماری۔ بیماری

لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ

تحقیق تم ٹھہرے ہو اللہ کی کتاب کے (بموجب قبروں) میں روزِ قیامت تک پس یہ روزِ قیامت

وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۵۷ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ

ہے اور لیکن تم نہیں جانتے پس اس دن نہ فائدہ دے گی ان کو جنہوں نے ظلم

ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ۝۵۸ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ

کیا عذر خواہی اور نہ ان سے معافی کی درخواست لی جائے گی اور تحقیق ہم نے بیان کیں لوگوں کے لئے

فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ

اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں اور اگر تم لاؤ ان کا (منہ مانگا) معجزہ بھی تو کہیں گے

الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝۵۹ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ

وہ جو کافر ہیں تم غلط کار ہی ہو اسی طرح مہر لگائی اللہ نے ان لوگوں کے

عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۶۰ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

دلوں پر جو نہیں جانتے (نہیں مانتے) پس صبر کرو تحقیق اللہ کا وعدہ حق

حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ۝۶۱

ہے اور نہ گھبراہٹ میں ڈالیں تجھے وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے

کے بعد تندرستی۔ غصہ کے بعد نرمی۔ نرمی کے بعد غصہ۔ خوشی کے بعد غمی۔ غمی کے بعد خوشی۔ محبت کے بعد بغض۔ بغض کے

بعد محبت۔ تحیر کے بعد پختگئ ارادہ اور پختگئ ارادہ کے بعد تحیر۔ ناپسندیدگی کے بعد خواہش اور خواہش کے بعد ناپسندیدگی۔ خوف کے بعد رغبت اور رغبت کے بعد خوف۔ ناامیدی کے بعد امید، امید کے بعد ناامیدی۔ جو چیز تیرے وہم و گمان میں نہ تھی اس کا ذہن میں آجانا اور جو چیز تجھے اچھی طرح یاد تھی اس کا ذہن سے نکل جانا وعلی ہذا القیاس۔ ابن ابی العوجار کہتا ہے کہ آپ لگاتار و مسلسل کیفیاتِ بدنیہ انسانیہ کو شمار کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ مجھے یوں لگا کہ اب اللہ کے اور میرے درمیان کوئی پردہ نہیں رہا اور میرے سامنے وہ بالکل ظاہر ہے۔

# سُورۂ لُقمان

آیت نمبر ۲۷، ۲۸، ۲۹ کے علاوہ باقی سب سورہ مکیہ ہے۔

آیات کی کل تعداد چونتیس ہے اور بسم اللہ کے ملانے سے آیات کی تعداد پینتیس ہو جاتی ہے

(۱) تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص رات کے وقت اس سورہ کی تلاوت کرے تو تمام رات صبح تک ابلیس اور اس کے لشکر سے ملائکہ اس کی حفاظت کریں گے اور اگر دن کو پڑھے تو شام تک فرشتے اس کی حفاظت کریں گے اور اگر دن کو پڑھے تو شام تک فرشتے اس کی حفاظت کریں گے۔

(۲) حدیث نبوی میں ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرے وہ بروز محشر حضرت لقمان کا ساتھی ہوگا اور تمام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

(۳) جس کے اندر کوئی بیماری یا درد و تکلیف ہو تو سورہ لقمان کو لکھ کر پھر دھو کر پینے سے شفا پائے گا۔ (باذن اللہ)

(۴) اگر مرد یا عورت کا خون بند نہ ہوتا (کسی زخم کی وجہ سے) تو یہ سورہ لکھ کر مقام زخم پر لٹکانے سے خون بند ہوگا (باذن اللہ)

(۵) حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کے پینے سے ہر قسم کا درد تکلیف اور بخار باذن خدا دور ہو جاتا ہے۔

(برہان)

## حضرت لقمان حکیم کی خصوصیات

تفسیر مجمع البیان اور برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت لقمان کو اس لئے حکمت نہیں ملی کہ وہ کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے یا مالدار آدمی تھے اور نہ اُسے جسمانی قوت وحُسن کی بنا پر حکمت دی گئی۔ بلکہ وہ امرِ خداوندی کے معاملہ میں بہت مضبوط اور پرہیزگار انسان تھے۔ خاموش و باوقار گہری نظر کے مالک اور حقائق اشیاء میں دور رس نگاہ اور فکرِ عمیق کے دلدادہ تھے۔ زندگی بھر دن کو کبھی نہ سوئے اور لوگوں کی مجلس میں کبھی تکیہ لگا کر نہ بیٹھے۔ نہ کسی مجلس میں تھوکا نہ بلاوجہ اپنے اعضاء کو حرکت دی۔ کبھی ان کو کسی نے حاجات ضروریہ کے لئے بیٹھا ہوا نہ دیکھا اور نہ کبھی کسی نے ان کو نہاتے دیکھا کیوں کہ وہ ستر کے پابند اور اپنے جسم کی نگہبانی میں بہت محتاط تھے۔ نہ کبھی ہنسے اور نہ کبھی کسی پر غصہ کیا تاکہ گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ زندگی بھر کسی سے مزاح نہ کیا۔ دنیا وی منفعت سے کبھی خوش نہ ہوئے اور دنیاوی نقصان سے کبھی محزون نہ ہوئے۔ انہوں نے شادیاں کیں اور کافی اولاد کے باپ بنے۔ ان کی بہت سی اولاد نے ان کے سامنے وفات پائی لیکن کسی کی موت پر آنسو نہ بہائے۔ جب کبھی دو لڑتے جھگڑتے آدمیوں کے درمیان سے گزرتے تھے تو جب تک ان دونوں کے درمیان صلح نہ کرا دیتے تھے آگے قدم نہ بڑھاتے تھے اور جب ان کو کسی کی کوئی بات پسند آتی تھی اس کی تفسیر دریافت کرتے اور اس آدمی کا پتہ پوچھتے تھے جس سے وہ بات لی گئی تھی فقہا وعلماء کی مجلس میں کثرت سے جایا کرتے تھے اسی طرح مجسٹریٹوں، حکمرانوں اور بادشاہوں کے پاس بھی بعض اوقات جا پہنچتے تھے۔ مجسٹریٹوں اور ججوں پر ان کی سخت آزمائش کے پیشِ نظر غم کھاتے تھے اور حکمرانوں و بادشاہوں پر رحم کھاتے تھے کہ یہ بیچارے دھوکا میں مبتلا ہیں اور اللہ کی ڈھیل کی وجہ سے مغرور و مطمئن ہیں۔ آپ ہمیشہ ایسی باتوں کا سراغ لگاتے تھے جن کی بدولت نفس کو رام کیا جائے اور خواہش پر غلبہ حاصل کیا جا سکے۔ معاملات میں فکر کرنا اور واقعات سے عبرت حاصل کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ بے فائدہ کہیں نہ جاتے تھے اور جس میں اپنا مطلب نہ ہو اس کی طرف پلٹ کر دیکھتے نہ تھے۔ پس انہی وجوہات کی بناء پر ان کو حکمت کی دولت عطا کی گئی اور زیورِ عصمت سے آراستہ ہوئے اور تفسیر برہان میں یہ اضافہ موجود ہے کہ ایک دفعہ عین دوپہر کے وقت جب کہ عام لوگ قیلولہ کی نیند کر رہے تھے بحکم پروردگار فرشتوں کی جماعت نے حضرت لقمان کو صدا دی کہ وہ ان کی آواز سُن سکتے تھے اور دیکھ نہ سکتے تھے۔ کیا تو پسند کرتا ہے کہ اللہ تجھے زمین کا خلیفہ بنا دے تاکہ تو لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرے؟ تو اس کے جواب میں لقمان نے کہا اگر اللہ اپنے حکم و امر کے ذریعے مجھے یہ عہدہ دینا چاہتا ہے تو مجھے اس کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ خود مجھے یہ منصب دے گا تو علم وعصمت سے میری مدد بھی کرے گا لیکن اگر اس میں مجھے اختیار دیا گیا ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ فرشتوں نے سوال کیا کہ آپ اس سے کیوں گریز کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرنا دین میں سخت ترین مقام ہے اور بہت بڑی آزمائش ہے۔ اس میں ظلم ورسوائی کے امکانات بہت زیادہ اور اس کا حلقہ وسیع تر ہے اور اس کرسی پر بیٹھنے والے کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ حق کے فیصلہ پر موفق ہو جائے اور بچ جائے اور دوسرے یہ کہ حق سے ہٹ جائے اور بہشت کے راستے سے دُور چلا جائے اور دنیا میں افلاس وغربت کی زندگی قیامت کے دن سہولت و آسانی کی موجب ہوگی۔ بہ نسبت اس کے کہ دنیا میں سرداری و ریاست کی زندگی میسر ہو کیونکہ قیامت کے دن اس کی جوابدہی سخت ہوگی۔

اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ دونوں میں خسارہ پائے گا کیوں کہ یہ چلی جانے والی چیز ہے اور وہ اس کے ہاتھ نہ آئے گی فرشتوں نے حضرت لقمان کا جواب اور اس کے پر از حکمت کلمات نہایت تعجب سے سنے اور بارگاہِ ایزدی میں آپ کے جوابات نہایت مقبول ہوئے اور اس کے صلے میں اللہ نے الہامی طور پر اس کے قلب و سینہ کو حکمت و توانائی کا خزینہ بنا دیا اور وہ سراپا حکیم بن گئے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک دفعہ حضرت لقمان کو اپنے آقا نے حکم دیا کہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت میں سے بہترین دو ٹکڑے لے آؤ تو آپ نے اس کا دل اور زبان پیش کیا۔ چند دنوں کے بعد دوبارہ آقا نے بکری ذبح کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ اس کے گوشت میں سے بدترین دو ٹکڑے لاؤ تو آپ نے پھر وہی دو ٹکڑے یعنی دل اور زبان پیش کئے۔ جب اس کے آقا نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں اگر پاکیزہ ہوں تو تمام اعضاء میں سے پاکیزہ ترین ہوتے ہیں اور اگر خبیث ہوں تو یہ سب اعضاء میں سے خبیث ترین ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ان کا آقا حاجاتِ ضروریہ کے لئے بیت الخلا میں گیا اور کافی دیر تک بیٹھا رہا تو آپ نے فرمایا بیت الخلا میں دیر تک بیٹھنا جگر میں ورم پیدا کرتا ہے۔ بواسیر کا موجب ہے اور سر کی طرف بخاراتِ فاسدہ کے پہنچنے کا باعث ہے۔ لہٰذا تھوڑا بیٹھو اور فارغ ہونے کے بعد فوراً اُٹھ کھڑے ہو۔

ایک دفعہ حضرت لقمان سفر سے واپس پلٹے تو پہلی ملاقات میں اپنے غلام سے گھریلو حالات دریافت کئے۔ اس نے کہا کہ آپ کے والد ماجد دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں تو حضرت لقمان نے کہا کہ اب میرا بوجھ میرے اپنے کندھے پر آ پڑا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کی بیوی بھی فوت ہو چکی ہے تو آپ نے کہا کہ اب نئی شادی کرنی پڑے گی۔ غلام نے کہا کہ آپ کی ہمشیرہ کا بھی انتقال ہو چکا ہے تو کہنے لگے میری عزت محفوظ ہو گئی۔ اس نے کہا کہ آپ کا بھائی بھی وفات پا چکا ہے تو فرمایا میری کمر ٹوٹ گئی۔

حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا کہ بدترین انسان کون ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جو لوگوں کے سامنے برائی کرنے سے نہ شرمائے اور نہ گھبرائے کسی نے آپ سے کہا کہ آپ کا چہرہ خوبصورت نہیں ہے آپ نے فرمایا تو کیا سمجھتا ہے کہ نقش کی غلطی ہے یا نقاش کا عیب ہے؟ مقصد یہ تھا کہ کسی کی صورت پر اعتراض کرنا خالق کی صنعت و حکمت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔

**حضرت لقمان کا زمانہ**

تفسیر برہان میں بروایت طبرسی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لقمان اور حضرت داؤدؑ کا زمانہ قریب قریب ہے۔ آپ حضرت داؤد علیہ السلام سے بزرگ تر تھے۔ انہوں نے اپنے آخری دورِ زندگی میں حضرت داؤد سے ملاقات کی اور جس دن حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کیا اس دن حضرت لقمان بھی آپ کے ہمراہ تھے اس کے بعد حضرت داؤد منصبِ نبوت پر فائز ہوئے تو حضرت لقمان آپ کی معیت میں رہے ان کی حکمت و دانائی کا یہ عالم تھا کہ بروایت مجمع البیان ایک دن حضرت داؤد کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ زرہ بن رہے تھے اور خدا نے ان کے لئے لوہا نرم کیا ہوا تھا جس طرح مٹی کا گارا وہ جس طرح چاہتے اُسے توڑ مروڑ لیتے تو حضرت لقمان کے دل میں خیال گذرا کہ پوچھ لوں کیا بنا رہے ہیں پس فوراً ہی دوسرا خیال پیدا ہوا کہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جب چیز بن کر سامنے آئے گی تو خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ پس خاموش ہو گئے جب حضرت داؤدؑ نے زرہ تیار کر لی اور اپنے جسم پر پہن کر اُسے صحیح پایا تو فرمایا کہ یہ لڑائی کے لئے بہترین لباس ہے حضرت لقمان کہنے

لگے کہ خاموشی بہت بڑی حکمت ہے لیکن اس کو اپنانے والے بہت کم ہیں حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ بجا طور پر آپ کو حکیم لقب دیا گیا ہے۔ گذشتہ روایت کے آخر میں ہے کہ جب حضرت لقمان نے خلافت ارضی کو قبول نہ کیا تو فرشتوں نے بامر پروردگار حضرت داؤد کو اس کی پیش کش کی چنانچہ انہوں نے خندہ پیشانی سے اسے قبول کر لیا اور جو شرائط حضرت لقمان نے لگائی تھیں ان میں سے کوئی شرط بھی نہ لگائی پس اللہ نے ان کو خلافت ارضیہ (دنیاوی حکومت) عطا فرمائی اور کئی دفعہ آپ پر ترکِ اولیٰ کی نوبت آئی جسے اللہ نے اپنے دامن عفو میں جگہ دی۔ حضرت لقمان عام طور پر حضرت داؤد علیہ السلام کے دربار میں آیا کرتے تھے اور ان کی زیارت سے مشرف ہو کر اپنے پند ونصائح اور علم وحکمت کے اصول بیان فرمایا کرتے تھے اور حضرت داؤد فرماتے تھے اے لقمان! تو بہت بڑا خوش نصیب ہے کہ تجھے حکمت عطا کی گئی اور اس مصیبت سے تیری جان بچ گئی اور داؤد کو خلافت دی گئی اور اس کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت لقمان عقل و فہم اور علم وعمل میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ خداوند کریم نے ان کو رائے میں اصابت عطا فرمائی تھی لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ خود نبی بھی تھے یا نہیں؟ اکثر مفسرین کا یہ خیال ہے کہ وہ علم حکمت میں یگانہ روزگار تھے لیکن درجۂ نبوت پر فائز نہ تھے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ عہدہ نبوت پر بھی فائز تھے اور قرآن مجید میں اُوتِیَ الْحِکْمَۃ سے مراد یہ ہے کہ ان کو نبوت دی گئی کیونکہ حکمت نبوت کے معنی میں ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت لقمان حبشی نسل سے تھے رنگ سیاہ اور ہونٹ موٹے موٹے تھے اور ان کا زمانہ اور حضرت داؤدؑ کا زمانہ ایک تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے کہا کیا تو وہی نہیں جو ہمارے ساتھ مل کر بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں وہی ہوں۔ اس نے پوچھا پھر یہ چیز تجھے کہاں سے دستیاب ہوئی جو میں دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا اللہ نے اسے میرے لئے مقدر فرمایا تھا اور امانت ادا کرنا سچ بولنا اور خاموشی میرا مقصدِ زندگی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حضرت ایوب کے بھانجے تھے اور بعض نے ان کو حضرت ایوب کا خالہ زاد کہا ہے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ لقمان نبی نہیں تھا لیکن وہ بندۂ خدا صاحب تفکر ونظر تھا اور حسنِ یقین کا مالک تھا اس نے محبت کی اور اللہ نے اس کو محبوب رکھا پس اسے حکمت عطا فرمائی۔

## حضرت لقمان کے نصائح

تفسیر مجمع البیان میں کتاب من لا یحضرہ الفقیہ سے منقول ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے فرزند سے فرمایا اے فرزند گرامی یقین جانو کہ دنیا ایک گہرے سمندر کی مثال ہے جس میں بہت زیادہ آدمی غرق ہو چکے ہیں۔ پس اللہ پر ایمان لانا کشتیٔ نجات سمجھو اور اللہ پر توکل اس کشتی کا لنگر اور تقویٰ کو زادِ راہ قرار دو اگر تم نجات یافتہ ہو گئے تو یہ اللہ کی رحمت ہے اور اگر ہلاک ہوئے تو اپنے گناہوں کی بدولت ہو گے۔ تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے فرزند ناتان کو نصیحت کی اور وعظ فرمایا۔ اس میں سے چند فقرات کا اقتباس یہ ہے۔ اے پیارے بیٹے اگر تم دنیا کی طرف رجوع کرو گے تو بالآخر اس کی طرف تیری پشت اور آخرت کی طرف تیرا رخ ہوگا اور وہ گھر کہ جس کی طرف تیرا رخ ہے وہ قریب تر ہے۔ اس گھر سے جس سے تو دن بدن دور ہوتا جا رہا ہے۔ بیٹے! علماء کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا کرو۔ اور ان کے ساتھ جھگڑا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو تو وہ تمہیں اپنی مجلس

سے روک دیں اور دنیا اس قدر اپنے ساتھ رکھو جو تمہیں منزل تک پہنچا دے۔ اور اس کے بالکل تارک بھی نہ ہو جاؤ کہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کر کے محتاج ہو جاؤ اور اس میں اس قدر منہمک بھی نہ ہو جاؤ کہ آخرت کو فراموش کر بیٹھو۔ روزے اس قدر رکھو کہ شہوت نفسانی پر غالب رہو اور اس قدر روزے نہ رکھو کہ نماز پڑھنے سے بھی عاجز آجاؤ۔ کیوں کہ روزہ رکھنے سے نماز اللہ کو محبوب تر ہے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا اے فرزندِ عزیز! اگر بچپنے میں کسی غلطی پر تجھے سرزنش ہوگی تو وہ بڑے ہو جانے کے بعد تجھے فائدہ دے گی اور جسے ادب بھلا معلوم ہوگا وہ اس کی پروا کرے گا اور جو پرواہ کرے گا وہ اس کو سیکھے گا۔ اور جو سیکھے گا اس کی شوق میں اور اضافہ ہوگا اور ایسا ہی شخص اس سے نفع مند ہو سکے گا۔ پس اسی ادب کو اپنی عادت بناؤ۔ اسی طریقہ سے تم اپنے بزرگوں کے صحیح خلف ثابت ہو گے اور تمہارے خلف بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ پس دوستوں کی امیدیں تم سے وابستہ ہوں گی اور دشمن کے دل میں تمہارا رعب رہے گا اور خبردار کسی دوسرے مقصد کے پیچھے پڑ کر اس ادب کی طلب میں سستی نہ کرنا اگر دنیا تیرے ہاتھ سے نکل گئی تو آخرت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا اور یقین کہ اگر تم نے صحیح مقام سے علم حاصل نہ کیا تو آخرت کو کھو بیٹھو گے۔ پس اپنی زندگی کے شب و روز کی تمام گھڑیوں میں سے طلبِ علم کے لئے حصّہ نکالو اگر تم نے اس سے غفلت برتی تو یہ ایک ایسا نقصان ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ کسی لیچڑ انسان سے جھگڑا مت کرو۔ علماء کے ساتھ مجادلہ نہ کرو۔ بادشاہِ وقت کو اپنا دشمن نہ بناؤ۔ ظالم کا ساتھ نہ دو اور نہ اس سے دوستی استوار کرو۔ فاسق و فاجر سے برادرانہ مراسم نہ قائم کرو جس کا کردار مشکوک و مشتبہ ہو اس سے یارانہ نہ رکھو اور اپنے علم کی اس طرح حفاظت کرو جس طرح نقدی کی کی جاتی ہے۔ اللہ سے اس قدر خوف کرو کہ اگر قیامت کے دن ثقلین کی نیکیاں بھی تیرے ساتھ ہوں تب بھی عذاب پروردگار سے ڈرتے رہو اور اللہ سے امید اس قدر پختہ رکھو کہ اگر ثقلین کے گناہوں کے برابر بھی گناہ تیرے نامۂ اعمال میں ہوں تو بخشش کی امید دل سے نہ جائے۔ جب حضرت لقمان اس مقام تک پہنچے تو ان کے بیٹے نے عرض کی ابا جان! مجھ سے یہ کیسے ممکن ہے کیوں کہ میرے پاس تو صرف ایک ہی دل ہے آپ نے فرمایا بیٹے! اگر مومن کے دل کو نکال کر چیرا جائے تو اس میں دو نور نکلیں۔ ایک نورِ خوف اور دوسرا نورِ رجا۔ اگر ان دونوں کو میزانِ عدل پر تولا جائے تو بالکل برابر ہوں گے۔ پس جو شخص اللہ کو راضی کرنا چاہے اُسے اللہ کی بات ماننی پڑے گی۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ اور جو اللہ کی بات مانے گا وہ اس کے اوامر کی اطاعت کرے گا پس جو اس کی اطاعت نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ کو مانا ہی نہیں اور یہ اخلاق ایک دوسرے کے خود مصدق ہیں جس کا ایمان سچا ہوگا اس کا عمل خالص ہوگا جو اللہ کا اطاعت گذار ہوگا اس کے دل میں اس کا خوف ہوگا اور جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اس کے دل میں اللہ کی سچی محبت ہوگی اور جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوگی وہ اس کے حکم کا تابع ہوگا اور ایسے شخص کے لئے جنت اور خوشنودیٔ پروردگار لازمی ہے اور جو اللہ کی خوشنودی کے لئے عمل نہ کرے تو وہ اس کے غضب کا حقدار ہوگا اور ہم اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ اے فرزند! دنیا کی طرف نہ جھکو اور اس کے ساتھ دل نہ لگاؤ۔ اللہ کی تمام مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک دنیا سے زیادہ ذلیل چیز اور کوئی نہیں ہے تم دیکھتے نہیں ہو کہ اپنے اطاعت گذاروں کے لئے اس نے دنیا کی نعمتوں کو ثواب نہیں بنایا اور نافرمانوں کے لئے اس نے دنیا کی تکلیفوں کو عذاب نہیں قرار دیا۔ ایک

مقام پر آپ نے فرمایا اے فرزند لوگوں کے سامنے منہ ٹیڑھا نہ کرو۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ بولتے وقت آواز میں تند و تیز لہجہ نہ ہو کیونکہ گدھے کی آواز کرخت ترین آواز ہے اور اپنی رفتار میں میانہ روی کو اختیار کرو۔ نیز آپ نے فرمایا اے فرزند گرامی۔ جو ایک انسان کو زندہ کرے گا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا یعنی کسی کو قتل ہونے سے بچائے یا ڈوبنے اور جلنے سے بچائے یا گرتے ہوئے مکان یا دیوار سے نکال لے یا کسی کی ضمانت دے دے یا کسی صاحب فقر و فاقہ کی دست گیری کر کے اسے صاحب مال بنا دے اور ان سب سے افضل یہ ہے کہ کسی گمراہ کو راہ ہدایت پر لگا دے۔ اے بیٹے، نماز کو قائم کرو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرتے رہو اور مصیبت کا مقابلہ صبر سے کرو۔ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔

## حضرت لقمان کی وصیت

تفسیر مجمع البیان اور برہان میں بروایت حماد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو وصیت کی کہ اے فرزند اسفر کرتے وقت تلوار۔ موزے۔ عمامہ، خیمہ، مشکیزہ اور سوئی تاگا اور ضروری دوائیں جو تجھے اور تیرے ساتھیوں کے کام آسکیں ہمراہ رکھ لیا کرو۔ سوائے مخالفت خدا کے ہر کام میں ساتھی کی ہاں میں ہاں ملاتے رہو۔ ذاتی و جماعتی معاملات میں باہمی مشورہ سے کام لیا کرو۔ تا فلہ میں ہنس مکھ رہا کرو۔ ساتھیوں پر اپنے زادِ راہ کے بارے میں کریم و سخی بن کر رہو اور جب وہ تمہیں بلائیں تو بلا انکار ان کی دعوت کو قبول کر لیا کرو۔ بوقت ضرورت ان کی امداد کیا کرو۔ خاموش رہنا پسند کرو نماز زیادہ پڑھو اور سخی بن کر رہو۔ اس چیز میں جو تمہارے پاس ہو مثلاً گھوڑا۔ پانی خوراک وغیرہ۔ ان سے شہادت حق کو نہ چھپاؤ اور تم سے مشورہ پوچھیں تو خوب سوچ بچار کر کے ان کو صحیح مشورہ دو کیوں کہ جو شخص مشورہ لینے والے کو صحیح مشورہ نہ دے خدا اس سے دانائی کو سلب کر لیتا ہے۔ جب ساتھی پیدل چل رہے ہوں تو ان کے ہمراہ پیدل چلو۔ جب وہ کام کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ مل کر کام کرو۔ اپنے بزرگ کی بات سنو اور مانو جب وہ کوئی حکم کریں یا کوئی چیز طلب کریں تو ہاں میں جواب دو اور نہ کرو کیوں کہ نہ کرنا عاجزی اور بری عادت ہے۔ جب راستہ بھٹک جاؤ تو اتر پڑو اور جب تم کو شک ہو تو سوچ لو اور جب کہیں ایک اکیلا شخص ملے تو اس سے راستہ ہرگز نہ پوچھو کیونکہ جنگل میں ایک شخص خطرناک ہوا کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ چوروں اور ڈاکوؤں کے کسی گروہ کا جاسوس ہو یا بذاتِ خود وہ شیطان ہو۔ اور حتی الامکان دو آدمیوں سے بھی بچنے کی کوشش کرو۔ مگر جب کہ تم کو تسلی حاصل ہو جائے۔ جب نماز کا وقت آجائے تو اس کو نہ ٹالو بلکہ فوراً ادا کرو کیوں کہ وہ تمہارے سر پر دین ہے اور جماعت میں ادا کرنے کی کوشش کرو اگرچہ نیزے کی نوک پر بھی سوار ہو۔ سواری کی پشت پر نیند مت کرو کیوں کہ یہ داناؤں کا دستور نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر محمل موجود ہو اور جوڑوں کو ڈھیلا کرنے سے جسم کو راحت پہنچانا ممکن ہو تو سواری پر بھی سو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جب منزل قریب آجائے تو سواریوں سے اتر جاؤ اور اپنی خوراک کے انتظام سے پہلے سواریوں کی خوراک کا انتظام کرو اور جب سواریوں سے اترنا چاہو تو زمین میں سے ایسے ٹکڑے کا انتخاب کرو جس کا رنگ اچھا ہو مٹی نرم ہو اور گھاس زیادہ ہو۔ پس سواریوں سے اتر کر سب سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرو جب قضائے حاجت کے لئے جاؤ تو کافی دور چلے جاؤ اور وہاں سے روانگی سے پہلے بھی دو رکعت نماز پڑھ لو اور اس زمین کو وداع کر کے جاؤ اور اس کے اہل پر سلام کہو کیوں کہ ہر زمین کے بقعہ کے لئے فرشتوں میں سے کچھ اہل ہوا کرتے ہیں اور اگر تمہارے لئے

ممکن ہو تو کھانا اس وقت تک نہ کھاؤ جب تک صدقہ نہ کر لو اور سواری پر کتاب خدا کی آیات کی تلاوت کو زبان پر جاری رکھو اور کام کرتے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓ ② تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ③ هُدًى وَّرَحْمَةً

الٓمّ یہ محکم کتاب کی آیتیں ہیں ہدایت اور رحمت

لِّلْمُحْسِنِيْنَ ④ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

احسان کرنیوالوں کے لئے جو لوگ قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ⑤ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ

اور وہ قیامت پر یقین رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے

رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑥ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ

پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں چھٹکارا پانے والے اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں

لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا

جو مول لیتے ہیں فضول باتیں تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستہ سے بغیر علم کے اور سمجھتے ہیں ان کو

هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑦ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ

مذاق ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری

اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا

آیات تو منہ پھیرتے ہیں ازراہ تکبر گویا کہ اس نے سنی ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پر پردے ہیں اس کو بشارت دو دردناک عذاب کی تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور عمل

وقت تسبیح پروردگار کو ورد زبان بناؤ اور اللہ سے دعا کا رابطہ ہر فارغ وقت میں قائم رکھو اول شب میں سفر کرنے سے گریز کرو اور دوران راہ میں آواز کو بے تحاشا بلند نہ کرو۔

رکوع ۱۰ وَمِنَ النَّاسِ

تفسیر مجمع البیان میں اس کا شان نزول یہ لکھا گیا ہے کہ نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبدالدار بن قصی بن کلاب کی ایران میں تجارتی آمد و رفت تھی پس وہ ایرانیوں سے باتیں سن کر واپس عربوں کو سناتا اور کہتا تھا کہ محمدؐ تم کو عاد و ثمود کے واقعات سناتا ہے اور میں تم کو رستم و اسفندیار کی کہانیاں سناتا ہوں پس قریشی لوگ اس کی باتوں میں الجھ کر قرآن کریم کی سماعت سے رک جاتے تھے۔ پس یہ آیت اس کے حق میں اتری اور لہو الحدیث سے مراد اس کے ایران سے حاصل کئے ہوئے قصے ہیں۔ اس میں اور اقوال بھی ہیں (۱) مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد حق میں طعن کرنا اور استہزاء کرنا ہے جس طرح کہ ابوجہل کا دستور تھا کہ قریشیوں کو جمع کر کے کہتا تھا کہ

آج میں تم کو زقوم کھلاتا ہوں جس سے تم کو محمد ڈراتا ہے۔ پھر کھجور اور مکھن منگوا کر ان کے سامنے رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ اسی کا نام تو زقوم ہے جس سے وہ ڈراتا ہے (۲) آلِ محمدؑ سے بکثرت بلکہ بحدِ تواتر روایات وارد ہیں کہ لہو الحدیث سے مراد غنا ہے اور اس جگہ عام معنی مراد لینا بہتر ہے یعنی لہو الحدیث میں ہر وہ چیز داخل ہے جو اطاعت پروردگار سے روکے پس آلاتِ لہو و لعب کا استعمال جوا بازی کھیل تماشہ غناء وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ تفسیر برہان میں بیج الابرار زمخشری سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنایا ہے کہ جب بھی کوئی غناء کے لئے اپنی آواز کو بلند کرتا ہے تو دو شیطان اس کے دونوں کندھوں پر سوار ہو جاتے ہیں اور وہ اس کے سینے پر پاؤں مارتے ہیں یعنی وہ ڈھولک کی طرح اس کے سینے کو بجاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش نہ ہو جائے تفسیر مجمع البیان میں آپ سے منقول ہے کہ جس کے کان غنا سننے کے عادی ہوں گے وہ قیامت کے دن اہلِ جنت کے قاریوں کی آواز سننے پر توفیق نہ پائے گا۔

الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَعْدَ اللّٰهِ

صالح کئے ان کے لئے نعمتوں کے باغات ہیں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں

حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٠﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

اللہ کا وعدہ حق ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اس نے پیدا کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کہ دیکھو تم ان کو

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ

اور ڈال دیئے زمین میں پہاڑ تاکہ تمہارے ساتھ ہلنے نہ رہیں اور پھیلا یا اس میں ہر قسم

دَابَّةٍ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿١١﴾

کے چلنے والے جانور اور نازل کیا ہم نے آسمان سے پانی پس ہم نے اگائے اس میں ہر قسم کے پھلوں میں سے عمدہ جوڑے

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

یہ اللہ کی پیدا کردہ ہیں پس دکھاؤ مجھے کیا چیز پیدا کی ان لوگوں نے جو اس کے سوا ہیں

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

بلکہ ظالم لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اور ہم نے عطا کی لقمان کو حکمت

لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا

کہ شکر کر اللہ کا اور جو شکر کرے تو سوائے اس کے نہیں

وَعْدَ اللّٰهِ۔ مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل محذوف ہے اور حقًا مفعول مطلق کی صفت ہے اصل میں تھا وَعَدَ اللّٰهُ وَعْدًا حَقًّا۔

بِغَيْرِ عَمَدٍ۔ غیر کو صفت کے معنی میں لیا جائے تو تقدیر یہ ہوگی بِعَمَدٍ غَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔ یعنی آسمانوں کو بلند کیا ساتھ ستونوں کے لیکن وہ ستون ایسے نہیں جو تم کو نظر آ سکیں کیوں کہ وہ ستون اس کی قدرت و علم ہے اور اگر غیر کو نافیہ لاکے

معنی میں لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کیا کہ نہیں وہ نظر آئیں یعنی اگر ستون ہوتے تو تم کو نظر آجاتے۔

وَاَنْزَلْنَا۔ اس سے پہلے ضمیریں غائب کی تھیں جن کا مرجع اللہ تھا اور اب ضمیریں متکلم کی لائی گئیں اور اس کو علم معانی میں التفات کہا جاتا ہے جو کلام کو زیادہ فصیح کرتا ہے۔

رکوع ۱۱ يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ۔ یعنی جو انسان بھی اللہ کا شکر کرتا ہے وہ خدا پر احسان نہیں کرتا بلکہ اپنی انسانیت و عبدیت کا فریضہ ادا کرکے اپنی ذات پر ہی احسان کرتا ہے۔

يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ

کہ وہ شکر کرتا ہے اپنے فائدہ کے لئے اور جو کفر کرے تو اللہ بے نیاز قابل حمد ہے اور جب کہا

لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ

لقمان نے اپنے بیٹے کو جب کہ وہ اسے نصیحت کر رہے تھے اے فرزند اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا

لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ

تحقیق شرک ظلم عظیم ہے اور انسان کو ہم نے اپنے والدین سے احسان کرنے کا حکم دیا کہ اس کو اس

وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ

کی ماں نے کمزوری سے کمزور تر ہوتے ہوئے حمل میں اٹھائے رکھا اور اس کی دودھ سے علیحدگی دو سال میں

اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ

ہوئی کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا میری ہی طرف تیری بازگشت ہے اور اگر وہ تجھے اس بات کی تکلیف دیں کہ

بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ

میرے ساتھ شریک کر اس کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں ان کی اچھی خدمت کرتا رہ

سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا

پیروی اس کے راستہ کی اختیار کر جو میری طرف رجوع کرے پھر میری جانب تمہاری بازگشت ہوگی تو میں بتاؤں گا

وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ۔ اس کا ایک معنی تو وہ ہے جو تحت اللفظ موجود ہے اور دوسرا یہ کہ ضمیر غائب کو مفعول سے حال قرار دیا جائے یعنی ماں نے اس کو اپنے حمل میں لیا درحالیکہ یہ کمزور نطفہ کی صورت میں تھا جو دوسرے کمزور نطفہ کے ساتھ ملا یعنی ماں اور باپ دونوں کا مادہ منویہ اکٹھا ہوا۔

وَفِصٰلُهٗ۔ یعنی وضع حمل کے بعد ماں نے پورے دو سال تک اسے دودھ پلایا اور اس بارے میں ہر آنے والی تکلیف کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ سورہ عنکبوت میں جہاں والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا اس کے ذیل میں تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے جب آپ سے پوچھا گیا کہ والدین میں سے کس کا حق زیادہ ہے تو فرمایا کہ ماں کا۔ دوبارہ پوچھا گیا تو فرمایا ماں۔ اسی طرح سہ بارہ بھی ماں کا نام لیا اور اس کے بعد فرمایا کہ باپ کی اطاعت کرو۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

مِثْقَالَ حَبَّةٍ :- مثقال ثقل سے ہے اور مقدار کے معنی میں ہے یعنی انسان کی نیکی یا بُرائی اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگی تو وہ خدا سے مخفی نہیں بلکہ اس کا حساب لیا جائے گا اور کہتے ہیں کہ لقمان کے فرزند نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ اگر رائی کا دانہ سمندر کی گہرائی میں ہو تو ؟ حضرت لقمان نے جواب دیا کہ دریا کی گہرائی تو بجائے خود اگر چٹان کے اندر ہو تب بھی بروز محشر اس کی جزا و سزا کا معاملہ ضرور پیش ہوگا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خبردار چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچا کرو کیوں کہ ان کی بھی باز پرس ضرور ہوگی۔ یہ نہ کہا کرو کہ پس تو یہ گناہ کر لوں پھر بعد میں توبہ کر لوں گا۔

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۱۶ يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ

جو تم عمل کرتے تھے — اے فرزند عزیز تحقیق اگر ہو وزن ایک رائی کے دانہ

خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ

کا پس وہ بھی ایک پتھر کے اندر ہو آسمانوں میں ہو یا زمین میں اس کو بھی

بِهَا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝۱۷ يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ

لائے گا اللہ تحقیق اللہ ہر باریکی کو جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ اے بیٹے قائم کرو نماز کو اور

أْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ

حکم کرو نیکی کا اور روکو برائی سے اور صبر کرو اس پر جو تم کو پہنچے تکلیف

إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝۱۸ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

تحقیق یہ اچھے امور میں پختگی ہے — اور نہ ٹیڑھا کرو اپنا منہ لوگوں کے لیے

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

اور نہ چلو زمین میں تکبر سے تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا کسی متکبر فخر

فَخُورٍ ۝۱۹ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ

کرنے والے کو — اور میانہ روی کرو اپنی رفتار میں اور نیچا رکھو اپنی آواز کو

إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝۲۰ ع

تحقیق کرخت تر آوازوں میں سے گدھوں کی آواز ہے

مَا أَصَابَكَ :- یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں جس قدر تکلیفیں پیش آئیں صبر و تحمل سے ان کو برداشت کیا جائے یا یہ کہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر انسان کو ہر سختی و بلا کا سامنا کرتے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔

لَا تُصَعِّرْ :- صعر ایک بیماری ہے جس سے انسان یا حیوان کی گردن اکڑ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی تجھ سے بات کرے یا کوئی سلام کہے تو گردن کو اکڑا کر اور منہ کو مروڑ کر اس کے پیش نہ آؤ بلکہ خندہ پیشانی سے لوگوں

سے بات کرو

ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔ اللہ کی نعمات ظاہریہ و باطنیہ میں مفسرین کے چند اقوال ہیں ۱۔ نعمات ظاہریہ وہ ہیں جو ہر انسان

رکوع ۱۲

کو معلوم ہیں اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا مثلاً پیدا کرنا زندگی بخشنا اور رزق وغیرہ اور باطنیہ وہ ہیں جن کا علم صرف ان لوگوں کو ہو سکتا ہے جو حقائق اشیاء میں گہری نظر سے پہنچ لیں (۲) نعمات ظاہریہ دنیاوی نعمتیں اور نعمات باطنیہ دینی نعمتیں (۳) جناب رسالتمآب سے منقول ہے کہ نعمت ظاہریہ اسلام اطاعت و رزق وغیرہ اور نعمت باطنیہ یہ ہے کہ اس نے انسان کے عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے کہ رسوا نہیں کرتا چنانچہ آپ نے ابن عباس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے ابن عباس خداوند کریم نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ تین چیزیں ہیں جو میں نے صرف مومن کو عطا کی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کے مر جانے کے بعد لوگوں کی دعاؤں کا دروازہ اس کے لئے کھلا رکھا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کی تہائی مال کو میں نے اس کے گناہوں کے کفارہ کے لئے مقرر کیا ہے اور تیسری یہ کہ میں نے اس کی غلطیوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور اس کو رسوا نہیں کرتا ورنہ اگر میں اس کی پردہ دری کرتا تو دوسرے تو جانے خود گھر والے بھی اس سے نفرت کرنے لگتے (۴) ظاہری نعمت یہ ہے کہ شرعی امور میں اس نے برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی اور باطنی نعمت یہ کہ شفاعت کا دروازہ کھلا رکھا (۵) نعمت ظاہری جسم کے ظاہری اعضاء اور باطنی دل و جگر و دماغ وغیرہ (۶) ظاہری صحیح جوانی اور باطنی نعمت معرفت ایمان (۷) ظاہری نعمت قرآن کا ظاہر اور باطنی نعمت قرآن کا باطن (۸) ظاہری نعمت حضرت رسالتمآب کی نبوت اور پیغام اسلام اور باطنی نعمت حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد طاہرین کی ولاء و محبت۔ اور قرآنی عموم کے پیش نظر یہ سب مفہوم آیت میں داخل ہیں لہذا بعض کے مخصوص کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اللہ تمام نعمات کے عطا کرنے والا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ

کیا دیکھتے نہیں تحقیق اللہ نے فرمان بردار کیا تمہارے لئے وہ جو آسمانوں میں اور وہ جو زمین میں

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

ہے اور کشادہ کیں تمہارے اوپر نعمتیں ظاہرہ و باطن اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو جھگڑا

يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ وَ

کرتے ہیں اللہ کے بارے میں لاعلمی سے بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اور

اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

جب انہیں کہا جائے کہ اتباع کرو اس کی جو اتاری اللہ نے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اتباع کریں گے اس کی

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ

جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو کیا اگر شیطان ان کو بلائے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں

خواہ باطن۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ الخ۔ اپنے چہرے کو اللہ کی طرف جھکانے کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ و عمل میں اللہ کی خوشنودی کو ملحوظ رکھے اور اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کو اس میں دخل دینے کی اجازت نہ دے۔

اَلْعُرْوَۃُ الْوُثْقٰی۔ تفسیر برہان میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ العروۃ الوثقیٰ سے مراد ہم اہلبیت کی مودت ہے جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو العروۃ الوثقیٰ (مضبوط رسی) سے تمسک رکھنا چاہے وہ میرے بھائی اور وصی علی بن ابی طالبؑ کی ولایت کا دامن تھام لے کیونکہ اس کا محب و موالی ہلاک نہ ہوگا اور اس کا مبغض اور دشمن ناجی نہ ہوگا۔ دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ امام برحق حسینؑ کی نسل سے ہوں گے۔ ان کا اطاعت گزار اللہ کا اطاعت گزار ہوگا اور ان کا نافرمان اللہ کا نافرمان ہوگا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی اور وسیلہ ہیں۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا میرے بعد فتنے ہوں گے نجات وہی پائے گا جو مضبوط رسی سے تمسک کرے گا۔ کسی نے سوال کیا کہ وہ مضبوط رسی کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا سید الوصیین کی ولایت۔ پھر پوچھا گیا وہ کون ہے تو فرمایا امیر المومنین پھر فرمایا مولی المسلمین اور آخر میں فرمایا کہ وہ میرا بھائی علی بن ابی طالب ہے۔ ابن شہر آشوب سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ وَمَنْ يُّسْلِمْ الخ حضرت علیؑ

السَّعِيْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ

کی طرف ۔ اور جو جھکا دے اپنی ذات کو اللہ کی طرف اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو پس

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۳﴾

اس نے تھام لیا مضبوط رسا ۔ اور اللہ کی طرف انجام ہے تمام کاموں کا

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا

اور جو کفر کرے تو نہ غمگین کرے تجھے اس کا کفر ہماری طرف ان کی بازگشت ہے پس ان کو ہم خبر دیں گے جو

عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا

انہوں نے عمل کیا تحقیق اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے ۔ ہم ان کو فائدہ دیں گے

ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۵﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

تھوڑا پھر ان کو مجبور کریں گے سخت عذاب کی طرف ۔ اور اگر ان سے پوچھو کس نے پیدا

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ

کیا آسمانوں اور زمین کو تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے ۔ تو کہو حمد ہے اللہ کی بلکہ اکثر

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ

لوگ نہیں جانتے ۔ اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تحقیق اللہ

کے حق میں اُتری ہے اور وہی اس کے حقیقی مصداق ہیں اور اس کی تاویل قیامت تک جاری رہے گی،

وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ :- بعض قاریوں نے بحر کو منصوب اور بعض نے مرفوع پڑھا ہے۔ منصوب ہونے کی صورت میں اَنَّ کے اسم یعنی ما پر معطوف ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی یعنی وَالْبَحْرِ مِدَادٌ اور يَمُدُّهٗ جملہ فعلیہ اس سے حال ہوگا اور مرفوع ہونے کی صورت میں جملہ مستانفہ قرار دیا جائے گا۔ یعنی اگر دنیا کے تمام درخت قلمیں اور موجودہ تمام سمندر ان کے ساتھ سات گنا سمندر اور ملاتے ہوئے بھی سیاہی بن جائیں تو یہ سب ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کی قدرت و علم و حکمت و خلق اور عجائب صنعت ختم نہ ہو سکیں گے۔

بروایت احتجاج طبرسی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے نَحْنُ الْكَلِمَاتُ الَّتِي لَا تُدْرَكُ فَضَائِلُنَا وَلَا تُسْتَقْصٰى یعنی ہم وہ کلمات ہیں جن کے فضائل کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کی انتہا معلوم کی جا سکتی ہے۔

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (۲۷) وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

غنی اور لائق تعریف ہے — اور اگر تحقیق جو کچھ زمین میں درخت ہیں قلمیں ہو جائیں اور سمندر

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ

(۲۸) اس کو سیاہی دے اس کے علاوہ سات سمندر تب بھی نہ ختم ہوں گے اللہ کے کلمات تحقیق

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۲۸) مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ

اللہ غالب حکمت والا ہے — تم سب کا پیدا کرنا اور اٹھانا نہیں مگر ایک نفس کے پیدا

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (۲۹) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

کرنے کی طرح ہے — تحقیق اللہ سننے دیکھنے والا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تحقیق اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ

میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور (۳۰) کیا سورج اور چاند کو کہ ہر ایک چل رہا ہے ایک مدت مقررہ تک

اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۳۰) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ

اور تحقیق اللہ خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو — اور یہ اس لئے کہ تحقیق اللہ ہی حق ہے اور تحقیق

اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (۳۱) ع ۱۲

وہ جو پکارتے ہیں اس کے علاوہ باطل ہے اور تحقیق اللہ ہی بلند و بزرگ ہے

يُوْلِجُ الَّيْلَ :- اس کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ دن و رات کا متبادل انتظام اللہ کی حکمت و تدبیر اتم کی کھلی ہوئی برہان ہے کہ دن کو رات اپنے دامن میں لے لیتی ہے اور اس کے بعد رات کو دن اپنے دامن میں چھپا لیتا ہے اور اس سے یہ مطلب بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں سال بھر میں صرف دو ہی دفعہ دن اور رات برابر ہوتے ہیں پس ہر ایک بارہ بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے باقی پورا سال کبھی دن بارہ گھنٹے سے کم ہوتا ہے

اور وہ کبھی رات کے وقت میں اضافہ کے طور پر شامل ہو جاتی ہے۔ پس دن چھوٹا اور رات بڑی ہوتی ہے اور کبھی رات کم ہو جاتی ہے اور وہی مقدار دن میں شامل ہو جاتی ہے پس دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور یہ بھی اللہ کی قدرت شاملہ اور حکمت کاملہ کی دلیل ہے۔ اور اس کی تحقیق پہلی جلدوں میں گذر چکی ہے۔ ج ۲ ص ۲۱۳ پر لاحظہ ہو

## رکوع ۱۳

اَلَمْ تَرَ۔ اللہ نے اس مقام پر اپنے احسان کو جتلا کر اپنی توحید کی دلیل قرار دیتے ہوئے باضمیر لوگوں کو صبر و شکر کی دعوت دی ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں کشتی رانی کی آسانیاں اُسی پروردگار کی نعمت سے ہیں جس نے پانی کو اپنی سطح پر کشتی کے اٹھانے کی توفیق دی اور موافق ہواؤں کی بدولت گہرے پانیوں میں ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک اس کا پہنچنا آسان کر دیا اور آیت کے آخر میں صبّار اور شکور کو اس لئے مخصوص فرمایا کہ اللہ کی عنایتوں میں ان کو اہمیت حاصل ہے بلکہ درحقیقت مصائب پر صبر اور نعمات پر شکر خاصانِ خدا کا ہی دستور ہے اور حدیث میں ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں ایک حصہ صبر اور دوسرا شکر ہے۔ گویا آیت کا مرادی ترجمہ یہ ہوا کہ پانی کی پشت پر کشتیوں کی روانی ہر مومن کے لئے توجہ پروردگار کا کھلا ہوا درس ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ

تم نے نہیں دیکھا کہ تحقیق کشتیاں چلتی ہیں دریا میں اللہ کی نعمت سے تاکہ تمہیں دکھلائے وہ اپنی

اٰیٰتِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا

نشانیوں میں سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شکر گزار کے لئے اور جب گھیر لیں

غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا

ان کو پہاڑوں جیسی موجیں تو پکارتے ہیں اللہ کو اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پس جب

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ

وہ ان کو نجات دے دے خشکی کی طرف تو ان میں سے بعض وفا کرتے ہیں اور نہیں انکار کرتے ہماری

كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ

نشانیوں کا مگر دھوکے باز کافر اے لوگو ڈرو اپنے رب سے اور خوف کرو اس دن کا کہ نہ بدلہ دے سکے گا باپ اپنے

اَلظُّلَلَ ظُلَّة کی جمع ہے اس کا معنی ہے سایہ کرنے والی چیز اور اسی مناسبت سے بادل پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں پانی کی موجوں کو بادلوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ایسی موجیں جو بلندی میں بادلوں کی مثل ہوں اسی طرح اس لفظ کا بلند پہاڑوں پر اطلاق بھی مجاز ہے۔

مُقْتَصِدٌ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ فتح مکہ کے وقت حضورؐ نے چار آدمیوں کا خون حلال کیا تھا اگرچہ وہ استارِ کعبہ کے ساتھ بھی چپٹے ہوئے ہوں (۱) عکرمہ بن ابو جہل (۲) عبد اللہ بن اخطل (۳) قیس بن صبابہ (۴) عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح۔ پس عکرمہ نے سمندر کا سفر اختیار کیا تو ایک سخت طوفان آیا جس سے کشتی کے ڈوب جانے کا خطرہ لاحق ہوا تو کشتی میں سوار ہونے والوں

نے کہا کہ اب خالص نیت سے اللہ کو پکارو ورنہ یہ مصنوعی خدا ایسے مقامات پر کام نہیں آسکتے اُس وقت عکرمہ کے دل میں یہ بات جاگزین ہوگئی کہ اگر وہ پانی میں ہماری امداد نہیں کر سکتے تو خشکی میں بھی نہیں کر سکتے۔ پس اللہ ہی وہ ذات ہے جو خشکی وتری میں مہلکات سے نجات بخشتی ہے۔ پس اس نے منت مانی کہ اے پروردگار اگر تو نے عافیت بخشی اور کنارہ ہمیں نصیب ہوا تو میں حضرت محمد مصطفےٰ کی بارگاہِ اقدس میں پہنچ کر اس سے اپنی سابقہ اغلاط کی معافی مانگوں گا اور تیرا دین اختیار کروں گا چنانچہ اللہ نے کشتی کو بچالیا اور وہ اپنے عہد پر ثابت قدم رہا اور اسلام لایا اور آیتِ مجیدہ میں مقتصد سے وہی مراد ہے اور بعض مفسرین نے اس کی اس کے علاوہ بھی توجیہیں کی ہیں بہر کیف آیت کا یہ مفہوم ہے اور قیامت تک اس کے مصداق پیدا ہوتے رہیں گے اَلْغَرُوْرُ اس کا معنی ہر وہ چیز جو دھوکے میں ڈالے جس طرح اَلْوَجُوْرُ مَا يُتَوَجَّرُ بِهٖ۔ پس غرور سے مراد شیطان بھی ہو سکتا ہے اور اس سے مراد لمبی لمبی امیدیں بھی لی جا سکتی ہیں اور حدیث میں ہے دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو پابند رکھے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو اپنے نفس کی اتباع کرے اور لمبی لمبی امیدیں رکھے۔ (مجمع البیان)

عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اِنَّ

بیٹے سے اور نہ بیٹا بدلہ دینے والا ہوگا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بھی تحقیق اللہ کا وعدہ

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ

حق ہے پس نہ تمہیں دھوکے میں رکھے زندگانیٔ دنیا اور نہ تمہیں دھوکا میں رکھے (شیطان) اللہ

الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ

سے تحقیق اللہ کے پاس ہے علم قیامت کا اور یہ کہ برساتا ہے بارش اور جانتا ہے

يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا

جو کچھ رحم مادر میں ہے اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کل کیا کھائے گا اور نہیں جانتا کوئی

تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

نفس کہ کس زمین پر مرے گا تحقیق اللہ علیم و خبیر ہے

اِنَّ اللّٰهَ ۔ مجمع البیان میں ہے کہ آئمہ علیہم السلام سے منقول ہے کہ ان پانچ چیزوں کا تفصیلی علم سوائے خدا کے کسی کے پاس نہیں ہے۔ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ان پانچ چیزوں پر اللہ نے کسی ملک مقرب کو اطلاع دی ہے نہ نبی مرسل کو اور یہ اللہ کی صفاتِ خاصہ میں سے ہے۔ ۱۔ علم قیامت ۲۔ نزولِ باران ۳۔ یہ کہ ماں کے شکم میں کیا ہے ۴۔ انسان نے کل کیا کمانا ہے ۵۔ کہاں مرنا ہے۔ اگر نبی یا امام و ولی ان امور میں سے کسی چیز کی کسی کو خبر دیں تو وحی یا الہام سے ہوگی اور یہ ان کا معجزہ شمار ہوگا نہ کہ ان کو ان چیزوں کا مفصل طور پر علم عطا کیا گیا ہے۔

# سورہ السجدہ

اس سورہ کو سجدۂ لقمان بھی کہا جاتا ہے تاکہ حٰم سجدہ سے اشتباہ نہ ہو
یہ سورہ مکیہ ہے سوائے تین آیات کے یعنی آیت نمبر ۱۹، ۲۰، ۲۱ یہ مدنی ہیں
آیات کی تعداد بسم اللہ کے علاوہ تیس اور کل اکتیس ہے
تفسیر مجمع البیان میں حضورؐ سے مروی ہے کہ سورہ السجدہ اور سورہ الملک کی جو شخص تلاوت کرے وہ ایسا ہے
جس طرح اس نے شب قدر عبادت میں گذاری ہو۔
اور مروی ہے کہ آپ ہمیشہ نیند سے پہلے ان مخصوص سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔
جو شخص اس کو پڑھے اس کے نامۂ اعمال میں ساٹھ نیکیاں لکھی جائیں گی اور ساٹھ گناہ معاف کئے جائیں گے اور
ساٹھ درجے بلند کئے جائیں گے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص شب جمعہ یہ سورہ مبارکہ
پڑھے اس کو بروز محشر اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا اور اس سے حساب نہ لیا جائے گا اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے رفقاء
میں سے ہوگا۔ (مجمع البیان)
حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے جوڑوں کے درد، سر کے درد اور بخار
سے محفوظ رہے گا۔

**رکوع ۱۴**

وَرَیْبَ فِیْہِ ۔ یعنی منصف طبع لوگوں کے لئے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ اس میں جس لحاظ سے غور کیا جائے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کی دماغی وسعتیں ان مصالح ومفاسد کو نہیں گھیر سکتیں جن پر قرآن کا اسلوب حاوی ہے پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی آیات اللہ کی نازل کردہ ہیں ۔ اگر کسی بندہ کا بنایا ہوا ہوتا تو یقیناً دوسرے لوگ تنہا نہیں تو سب ملکر سارے کا نہیں تو بعض اجزا کا مقابلہ کرنے میں عاجز نہ آتے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓ ② تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ③

الٓمّٓ کتاب کا نازل کرنا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رب العالمین کی طرف سے ہے

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی طرف سے گھڑی ہے بلکہ وہ تو حق تیرے رب کی طرف سے ہے

مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ④ اَللّٰهُ

تاکہ ڈرائے ایسی قوم کو کہ نہیں آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ ہدایت پائیں ۔ اللہ

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ

وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ

پھر وہ مسلط ہے عرش پر نہیں تمہارا اس کے سوا کوئی کارساز اور نہ سفارشی کیا تم نہیں

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ⑤ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ

نصیحت پکڑتے تدبیر کرتا ہے معاملہ کی آسمان سے لے کر زمین تک پھر

یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑥

اسی کے پیش ہوگا ۔ اس دن جس کی مقدار تمہاری گنتی میں ایک ہزار سال بنتی ہے

مِنْ قَبْلِكَ ۔ یعنی قوم قریش کے پاس آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا ورنہ عرب میں آپ سے پہلے ایک عرب نبی گذر چکا تھا جس کا نام خالد بن سنان علبسی مذکور ہے

فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۔ اگر وہ چاہے تو ایک ہی لمحہ میں ساری کائنات کو پیدا کرسکتا ہے لیکن اس کی حکمت و تدبیر کا تقاضا یہ ہے کہ ترتیب و تدریج سے چیزوں کو معرض وجود میں لائے جس طرح انسان کے بچے کے لئے شکم مادر میں اس نے نو ماہ کا عرصہ مقرر فرمایا ہے ۔

ثُمَّ اسْتَوٰى ۔ یہ ثُمَّ ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف عطف کے لئے ہے اور معنی یہ ہے کہ اس کا تسلط اور اقتدار تمام کائنات پر حاوی ہے عرش سے مراد وہ تخت

نہیں جو عام بادشاہوں اور حکمرانوں کے لئے تجویز کیا جاتا ہے کیوں کہ خدا کسی مکان کا پابند نہیں ہے بلکہ عرش سے مراد اقتدار ہے یعنی کہ وہ کرسئی اقتدار کا واحد مالک ہے اور زمین سے آسمان تک اسی کے اقتدار سے نظام قائم ہے اور قیامت کے دن بھی اسی کا ہی اقتدار ہوگا۔

ذَالِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٧ الَّذِيٓ

وہ غیب اور حاضر کے جاننے والا غالب رحم کرنے والا ہے جس نے

اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝٨

ہر وہ چیز جس کو پیدا کیا اچھا (پیدا) کیا اور انسان کی خلقت کی ابتداء مٹی سے کی پھر

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِينٍ ۝٩ ثُمَّ سَوّٰىهُ

کیا اس کی نسل کو ایک کمزور پانی کے جوہر (منی سے) پھر اس کو مکمل کیا

وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ

اور پھونکا اس میں روح اپنا اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور

الْاَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝١٠ وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ

دل۔ تم تھوڑا ہی شکر کرتے ہو اور کہنے لگے جب ہم ختم ہو جائیں گے

ءَاِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُونَ ۝١١

زمین میں کیا ہم نئے روپ میں پھر آئیں گے؟ بلکہ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝١٢

کہو تمہیں مارے گا ملک الموت جو تم پر وکیل کیا گیا ہے۔ پھر اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے

## قابض الارواح کی آمد

مَلَكُ الْمَوْتِ: تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتمآب سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ بیماریاں اور درد وغیرہ موت کے ایلچی اور اس کے پیغامبر ہیں جب اجل آتی ہے تو ملک الموت خود حاضر ہوجاتا ہے اور کہتا ہے اے انسان کتنی خبریں ہیں جن کے بعد دوسری خبروں کی توقع کی جاتی ہے اور کس قدر پیغام بر ہیں کہ ان کے بعد دوسرے پیغام بروں کا انتظار ہوتا ہے اور اسی طرح ایلچی کے بعد ایلچی کی آمد کی امید ہوتی ہے لیکن میں وہ خبر ہوں جس کے بعد کوئی خبر نہیں اور میں وہ قاصد ہوں جس کے بعد کوئی قاصد نہیں۔ تیرے رب کی دعوت لے کر پہنچا ہوں۔ اسے چار و ناچار تمہیں قبول کرنا پڑے گا۔ جب اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے اور گھر والے چیختے چلاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کس پر چیختے ہو اور کیوں روتے ہو خدا کی قسم میں نے اس کی اجل میں ظلم نہیں کیا اور نہ میں نے اس کا رزق چھینا ہے اس کو تو اپنے رب کی طرف سے دعوت پہنچی ہے بہتر یہ ہے

کہ رونے والا اُس کے بجائے اپنے نفس کی فکر میں روئے کیوں کہ میں نے تو بار بار پلٹنا ہے حتّٰی کہ تم میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔

تفسیر برہان میں علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ شبِ معراج ایک فرشتے کے پاس سے گذرا کہ تمام دنیا اس کے سامنے تھی اور ایک لوحِ نور پر اس کی نظر مرکوز تھی کہ وہ دائیں بائیں نہیں دیکھتا تھا صرف اسی ایک طرف غمناک شکل میں متوجہ تھا۔ میں نے جبریلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا یہی ملک الموت ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کے قریب لے جاؤ۔ میں اس سے کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جبریلؑ مجھے اس کے قریب لے گئے اور ملک الموت سے میرا تعارف کرایا۔ اس نے بڑے احترام سے میرا اسلام کیا اور مرحبا کہا اور میری امت کی بھلائی وخوبی کی مجھے خوشخبری دی اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمام مرنے والوں کی ارواح تو خود ہی قبض کرتا ہے تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ میں نے پوچھا کہ تو ان سب کو دیکھتا بھی ہے؟ تو اس نے کہا ہاں یہ ساری دنیا میرے سامنے اس طرح ہے جس طرح کسی انسان کے ہاتھ میں ایک درہم ہو جس طرح چاہے اسے الٹ پلٹ کر سکتا ہے اور دنیا کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ چکر لگاتا ہوں۔ جب کسی مرنے والے پر گھر والے گریہ وبکا کرتے ہیں تو میں ان سے کہا کرتا ہوں کیوں روتے ہو۔ میں نے بار بار تمہارے پاس آنا ہے۔ حتّٰی کہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے سن کر کہا کہ واقعی موت ایک مشکل امر ہے تو جبریلؑ نے کہا لیکن موت کے بعد کا معاملہ موت سے بھی مشکل تر ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ملک الموت کے مددگار اور ساتھی بہت کافی فرشتے ہیں چنانچہ ایک جگہ قرآن مجید میں ہے کہ تمہیں فرشتے موت دیتے ہیں۔ اس بنا پر اس جگہ ملک الموت کی لفظ جنسی معنی میں ہو گی نہ کہ شخصی معنی میں۔

بروایت کلینی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ ایک انصاری مومن کے پاس پہنچے جب کہ اس کی موت کا وقت قریب تھا۔ آپ نے ملک الموت کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ صحابی مومن ہے اس کے ساتھ نرمی کرنا تو ملک الموت نے جواب دیا حضور! آپ بے فکر رہیں میں تو ہر مومن پر نرمی ومہربانی کیا کرتا ہوں اور جب بھی قبض روح کے لئے کسی آدمی کے پاس پہنچتا ہوں اور اس کی روح کو قبض کر لیتا ہوں تو اس کے گھر والے چیخ وپکار کرتے ہیں۔ پس میں گھر کے ایک کونے میں ٹھہر جاتا ہوں اور انہیں کہتا ہوں کہ ہم نے ظلم نہیں کیا اور نہ اس کی اجل سے پہلے ہم پہنچے ہیں۔ پس اس کی روح قبض کرنے میں ہمارا کیا گناہ ہے اگر تم اللہ کی رضا پر راضی ہو جاؤ اور صبر کرو تو تمہیں اس کا اجر ملے گا اور اگر جزع وفزع کرو گے تو گنہگار ہو گے اور ہم نے تو تمہارے پاس بار بار آنا ہی ہے اور دنیا میں کوئی مکان کچا یا پکا گھر یا خیمہ خشکی یا تری میں ایسا نہیں جہاں میں ہر روز پانچ مرتبہ اوقاتِ نماز میں حاضر نہ ہوتا ہوں اور میں ہر گھر کے تمام افراد کو جانتا ہوں لیکن حضور اگر میں اپنی مرضی سے ایک مچھر کا بھی روح قبض کرنا چاہوں تو میرے امکان میں نہیں ہے جب تک کہ اللہ اس کے بارے میں حکم نہ دے اور میں خود مومن کو وفات کے وقت کلمۂ توحید اور کلمۂ رسالت کی تلقین کیا کرتا ہوں۔

بستان الواعظین کی ایک روایت میں ہے کہ عرش کے نیچے ایک درخت ہے جس کے ہر پتہ پر ایک ایک ذی روح کا

نام لکھا ہوا ہے پس جس کی اجل آتی ہے اس کے نام کا پتہ ملک الموت کے سامنے آگرتا ہے پس وہ اس کا روح قبض کر لیتا ہے اور مروی ہے کہ موت کے لئے تین ہزار تلخیاں ہیں اور ایک ایک تلخی تلوار کی ایک ایک ہزار ضرب سے زیادہ تکلیف دہ ہے اور مروی ہے کہ ملک الموت کے ساتھ اس قدر فرشتے مددگار مقرر کئے گئے ہیں کہ ان کی تعداد کو سوائے پروردگار کے کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر ان کو اجازت دی جائے تو ایک اُن میں سے پورے چودہ طبقوں کو ایک نوالہ بنا سکتا ہے اور موت کا ایک گھونٹ تلوار کی ایسی ہزار ضرب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ وَرَحِمَنَا۔

**حضرت علیؑ کی عظمت**

تفسیر برہان میں ابن شہر آشوب سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ابوذر سے فرمایا میں شبِ معراج ایک فرشتے کے پاس سے گذرا جو ایک نوری تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے سر پر ایک تاجِ نور تھا۔ اس کا ایک قدم مشرق کو اور دوسرا مغرب کو چھوتا تھا اس کے سامنے ایک تختی تھی جس کو وہ دیکھ رہا تھا اور ساری دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے تھی اور گویا کہ ساری مخلوق اس کے گھٹنوں کے نیچے تھی اور اس کا ہاتھ مشرق و مغرب تک پہنچ سکتا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے کہ فرشتوں میں سے کوئی بھی جسم میں اس سے بڑا نہیں ہے؟ تو جبریلؑ نے جواب دیا یہ عزرائیل ملک الموت ہے چنانچہ میں نے قریب پہنچ کر سلام دیا اور اس نے سلام کا جواب دیتے ہی حضرت علیؑ کی احوال پرسی کی۔ میں نے پوچھا کیا تو میرے چچازاد (علیؑ) کو پہچانتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں اُسے کیوں کر نہ پہچانوں کہ خداوندکریم نے مجھے تمام مخلوق کی ارواح کو قبض کرنے کا حکم دیا ہے لیکن تیری اور علیؑ کی روح کا قبض کرنا میرے ذمہ میں نہیں ہے بلکہ وہ بذاتِ خود اپنی مشیت سے قبض کرے گا۔

عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت رسولِ خداؐ منبر پر سوار تھے کہ علیؑ کو اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا اور دایاں ہاتھ علیؑ کے ہاتھ میں ڈال کر اس قدر بلند فرمایا کہ دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آ رہی تھی پس فرمایا اے لوگو! تحقیق اللہ تمہارا پروردگار ہے محمدؐ تمہارا نبیؐ ہے۔ اسلام تمہارا دین ہے۔ علیؑ تمہارا ہادی ہے اور وہ میرا وصی اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ پھر فرمایا اے ابوذر! علیؑ میرا زورِ بازو اور وحی پروردگار پر میرا امین ہے اور اللہ نے مجھے جس قدر فضائل عطا فرمائے ہیں علیؑ کو بھی اسی قدر عطا فرمائے ہیں اے ابوذر شبِ معراج جب میں عرش تک پہنچا تو سبز زبرجد کا ایک حجاب دیکھا۔ پس ایک منادی کی آواز سُنی کہ پردہ اٹھاؤ جب میں نے پردہ اٹھایا تو ایک فرشتے کو دیکھا کہ تمام دنیا اس کے سامنے ہے اور وہ ایک تختی کا مطالعہ کر رہا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے کہ فرشتوں میں جسامت کے لحاظ سے اس سے کوئی بھی بڑا نہیں ہے؟ جبریلؑ نے جواب دیا یہ عزرائیل ملک الموت ہے۔ میں نے اس کو سلام دیا تو اس نے خاتم النبیین کے لقب سے خطاب کر کے مجھے سلام کا جواب کہا اور میرے ابن عم حضرت علی بن ابی طالب کی احوال پرسی کی۔ میں نے پوچھا کیا تو علیؑ کو جانتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا میں ایسے شخص کو کیوں نہ پہچانوں مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق نبی بنایا ہے اور اپنا رسولؐ نامزد فرمایا ہے۔ میں علیؑ کو تیرا وصی سمجھتا ہوں جس طرح تجھے برحق نبی سمجھتا ہوں اور یہ اس لئے کہ خداوندکریم نے مجھے تمام خلائق کے ارواح قبض کرنے

پر مامور فرمایا ہے سوائے تیرے اور علیؑ کے کیوں کہ ان کو خدا اپنی مشیت سے خود ہی قبض کرے گا۔

رکوع ۱۵

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ
اور اگر تو دیکھے جب کہ مجرم لوگ سر جھکائے ہوئے اللہ کے دربار میں لائیں گے اور کہیں گے اے پروردگار
أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ⑬ وَ
ہم نے دیکھا اور سنا پس ہمیں واپس بھیج تاکہ عمل صالح کریں اب ہم یقین رکھنے والے ہیں اور
لَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ
اگر ہم چاہیں تو دے دیں ہر نفس کو ہدایت جبراً لیکن ثابت ہو چکا ہے وعدہ ہم سے کہ ضرور
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ⑭ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ
بھریں گے دوزخ کو جنوں اور آدمیوں کے دونوں گروہوں سے پس چکھو بوجہ اس کے کہ تم بھول گئے
يَوْمِكُمْ هَٰذَآ إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ
اس دن کی حاضری کو ہم بھی تمہیں بھول چکے ہیں اور چکھو عذاب دائمی بوجہ اس کے جو تم
تَعْمَلُونَ ⑮ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا
عمل کرتے تھے سوائے اس کے نہیں کہ ہماری آیتوں کے ساتھ وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب
خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ⑯ سجدہ واجبہ
ان کو یاد دلائی جائیں تو سجدہ میں گر جاتے ہیں اور رب کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے

وَلَوْ تَرَىٰٓ ۔ اس شرط کا جواب محذوف ہے یعنی اگر تم مجرموں کو اس حالت میں دیکھو تو تمہیں بڑی عبرت حاصل ہوگی۔ تَرَىٰ کا مفعول محذوف ہے یعنی تَرَى الْمُجْرِمِينَ یعنی جب تم مجرموں کو دیکھو جب کہ وہ مجرم سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِذَا اس کا مفعول ہو۔

وَلَوْ شِئْنَا ۔ یعنی اگر ہم چاہتے تو ان کی درخواست مان لیتے لیکن یہ ہمارے سابق فیصلہ کے خلاف ہے کہ وہ یوم جزا ہوگا اور اپنے اختیار سے نیکی یا برائی کرنے والوں کو صحیح بدلہ دیا جائے گا اور یہ بھی معنی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ہم نے کسی کو جبراً ہدایت نہیں دی تاکہ جزا کی مصلحت فوت نہ ہو۔

نَسِيتُمْ ۔ یعنی تم نے اس طرح دنیا میں بداعمالیاں کیں جس طرح کہ یوم جزا کو بالکل فراموش کر دیا ہو اور اب ہم بھی تم کو اسی طرح بھی بدلہ دیتے ہیں گویا ہم نے بھی تم کو اپنی رحمت کے دفتر سے کاٹ دیا ہے جس طرح کسی چیز کو بھلا دیا جاتا ہے۔

خَرُّوا سُجَّدًا ۔ یہ آیت سجدہ ہے اور اس آیت مجیدہ کی تلاوت کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے اور سجدہ قرآنی کا طریقہ اور اس کے احکام اس سے پہلے تفسیر کی جلد ۶ صفحہ ۱۵۶ میں مذکور ہوچکے ہیں۔

**نمازِ تہجد**

تتجافی :- آیتِ مجیدہ تہجد گذاروں کی مدح میں ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت بلال حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ نمازِ شب کو ترک نہ کرو۔ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور شب بیداری اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے اور گناہوں سے روکاوٹ۔ برائیوں کا کفارہ اور جسمانی بیماریوں کی روک تھام کا باعث ہے۔ تفسیر برہان میں ہے آپ نے فرمایا اسلام کی اصل نماز فرع زکواۃ اور چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ایک شخص نے آپ سے نیکیوں کے دروازے دریافت کئے تو آپ نے فرمایا روزہ ڈھال ہے (دوزخ سے) صدقہ گناہوں کا کفارہ ہے اور شب میں عبادتِ پروردگار کے لئے کھڑا ہونا کہ انسان تنہائی میں اپنے رب سے مناجات کر رہا ہو (یہ خیر کے دروازے ہیں)

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَّ

الگ رہتے ہیں ان کے پہلو بستروں سے (نمازِ شب کے لئے) پکارتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید سے

مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿١٧﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ

اور جو ہم نے ان کو رزق دیا اس سے خرچ کرتے ہیں ۔ پس نہیں جان سکتا کوئی نفس جو مخفی رکھا گیا ہے ان کے لئے

قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا

(سامان) آنکھوں کی ٹھنڈک کا بدلہ اس کا جو وہ عمل کرتے ہیں ۔ کیا پس جو مومن ہو

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور اس کے شیعوں کے حق میں اتری ہے کہ اول شب میں قدرے سو جاتے ہیں اور ایک تہائی رات گذر جانے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں اس کی گرفت کا ڈر رکھتے ہوئے اور اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے مشغولِ عبادت ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان جو بھی اعمالِ صالحہ بجالاتا ہے۔ اس کے لئے قرآنِ مجید میں ثواب مقرر ہے لیکن نماز شب کے لئے خدا نے ثواب مقرر نہیں کیا کیوں کہ اس کی کوئی حد نہیں الخبر۔

بروایت ابن بابویہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ سے سفر معراج کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا اے علیؑ میں نے جنت میں ایک نہر دیکھی ہے جو دودھ سے سفید تر اور شہد سے شیریں تر اور تیر سے مستقیم تر تھی۔ اس کے کناروں پر ستارگان آسمان کے برابر پیالے رکھے ہوئے تھے اور اس کے پاس یاقوتِ سرخ اور دُرِ سفید کے گنبد نما کمرے تھے اور اس پروردگار کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ جنت کا درخت جب تسبیحِ پروردگار کرتے ہوئے جھومتا ہے تو ایسی پرکشش آواز پیدا کرتا ہے کہ اولین و آخرین نے ایسی آواز نہ سنی ہو گی اور اناروں کی قسم کا پھل اس کی شاخوں کو لگتا ہے اور وہ خود مومن کی طرف اپنا پھل گراتا ہے جب مومن اس کو کاٹے گا تو ستر قسم کے حلّے اس سے نکلیں گے اس دن مومنوں کے چہرے نورانی ہوں گے اور اے علیؑ تو ان کا امام ہو گا اور مومنوں کے جوتوں کے تسمے بھی نورانی ہوں گے

کہ جس طرف کا رخ کرے گا ان کی روشنی راستے کو منور کرتی جائے گی اور جنت میں سیر کرتے ہوئے ایک بالا خانہ سے اس کی (حور) عورت جھانک کر اسے یہ مژدہ سنائے گی کہ آج تیری ہمارے اوپر حکومت ہے پس دریافت کرے گا کہ تو کون ہے؟ تو وہ کہے گی کہ میں تیرے لئے وہی قُرَّةُ عَیْنٍ ہوں و آنکھوں کی ٹھنڈک جس کا قرآن میں تذکرہ ہے) اور آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ ہر دن ستر ہزار فرشتے اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر اس کی زیارت کے لئے حاضر ہوں گے۔

ایک دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب اللہ کے دوست کی طرف اس کی زوجہ (حور) دیکھے گی تو اس کے نور سے تمام محلاتِ جنت روشن ہو جائیں گے اور وہ آواز دے گی کہ اب وہ وقت قریب ہے کہ آپ ہمارے اوپر تصرف کر سکیں۔ مومن پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو وہ جواب دے گی کہ میں وہ ہوں جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاؤُونَ الخ۔ پس مومن اس سے ہم بستری کرے گا اور اس میں ستر جوانوں کی طاقت کے برابر طاقت ہوگی اور ستر سال کی مدت کے برابر اس سے معانقہ کرے گا اور اس کے جسم میں سے جس حصہ پر نگاہ کرے گا اس کی صفائی و لطافت کی وجہ سے اس کو اپنا چہرہ اس سے نظر آسکے گا۔ پھر ایک دوسری عورت (حور) اس کی طرف نگاہ کرے گی جو پہلی سے بھی حسین تر اور پاکیزہ تر ہوگی اور وہ بھی یہی کہے گی کہ اب وہ وقت قریب ہے کہ آپ ہم کو اپنے تصرف میں لے سکیں گے۔ مومن دریافت کرے گا کہ تو کون ہے؟ تو وہ جواب دے گی میں وہ ہوں جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ

شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ کی عبادت کا ثواب باقی ایام سے ہزار ہا زیادہ ہے چنانچہ حدیث میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ روزِ جمعہ خداوندِ کریم ایک فرشتے کو حُلّہ دے کر روانہ کرے گا۔ پس وہ اس کے محل کے دروازہ پر آکر دستک دے گا اور عطیۂ پروردگار پیش کرے گا۔ جب مومن اس کو زیبِ تن کرکے بطور شکر سجدۂ پروردگار میں جھکے گا تو ندا آئے گی۔ اب انعام و اکرام کا وقت ہے عبادت کا وقت نہیں ہے۔ مومن عرض کرے گا پروردگار! جنت سے زیادہ اور کیا چیز عطا ہوگی؟ تو ارشاد ہوگا کہ جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے اس سے ستر گنا مزید عطا کروں گا۔ پس مومن کو ہر جمعہ میں ستر گنا مزید انعامات و اکرامات کی پیش کش ہوتی رہے گی اور اسی کے متعلق قرآن مجید میں ایک مقام پر ہے۔ (وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ) جمعہ کی شب اندھی اور دن روشن ہوتا ہے لہذا ان وقتوں میں تسبیح و تہلیل و تکبیر پروردگار جس قدر ہو سکے زیادہ کیا کرو اور اس شب و روز میں درود شریف زیادہ پڑھا کرو۔ پس مومن جب ستر گنا اکرام و انعام کے ساتھ واپس پلٹے گا تو اس کی ازواج (حوریں) اس کے حسنِ مزید پر اس کو مبارک باد کہیں گی اور مروی ہے کہ حورانِ جنت جو بہشتی کو عطا ہوں گی وہ تمام آلائشاتِ نسوانیہ سے پاک و صاف ہوں گی۔ الخبر (ملخصاً)

أَفَمَن كَانَ۔ آیتِ مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ ایک دن ولید بن عقبہ ابن ابی معیط نے حضرت علیؑ سے کہا کہ میں بولنے میں آپ سے زیادہ طرّار، نیزہ زنی میں ماہر تر اور جنگ بازی میں زیادہ ثابت قدم ہوں۔ آپ نے

اس کے جواب میں صرف اتنا ہی فرمایا کہ اے فاسق خاموش ہو جا پس یہ آیت مجیدہ اتری کہ کیا مومن اور فاسق برابر ہو سکتے ہیں اور مجلس شوریٰ کے منددبین کے سامنے جہاں آپ نے اپنے دیگر فضائل و محامد کا تذکرہ فرمایا وہاں یہ آیت بھی پیش کی اور فرمایا اگر اس آیت کا مصداق میرے علاوہ کوئی اور ہے تو اس کا نام لو پس سب نے زبان خاموشی سے آپ کی تصدیق کر دی ۔ احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ دربار معاویہ میں جب حضرت امام حسنؑ اور بعض درباری کاسہ لیسوں کے درمیان بات

كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ (١٩) أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

مثل اس کے ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ یہ برابر نہیں ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور عمل

الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (٢٠)

نیک بجالائیں تو ان کے لئے رہائشی باغات ہیں یہ ٹھکانا بدلہ اس کے جو عمل کرتے تھے

وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا

اور جو لوگ فاسق ہیں تو ان کی رہائش دوزخ ہے جب نکلنا چاہیں گے اس سے تو پھر دھکیل دیئے

مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي

جائیں گے اس میں اور کہا جائے گا ان کو کہ چکھو عذاب آگ کا جسے تم

كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (٢١) وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ

جھٹلاتے تھے اور ضرور چکھائیں گے ہم ان کو عذاب قریبی

دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (٢٢) وَمَنْ أَظْلَمُ

پہلے عذاب اکبر سے تاکہ وہ پلٹ آئیں اور کون زیادہ ظالم ہے

مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ (٢٣) ع ١٥

اس سے جس کو رب کی آیات یاد دلائی جائیں پھر ان سے منہ پھیر لے تحقیق ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں

چیت ہوئی تو امام حسنؑ نے ولید بن عقبہ سے فرمایا کہ علیؑ کی تنقیص کرنے میں میں تجھے ملامت اس لئے نہیں کرتا کہ انہوں نے تجھے شراب نوشی کی سزا میں اسّی تازیانہ مارا تھا اور جنگ بدر میں تیرے باپ کے بھی وہ قاتل ہیں اور قرآن مجید کی دس آیتوں میں خدا نے ان کو مومن کہا ہے اور تجھے خدا نے قرآن میں فاسق کہا ہے پھر تو قریش کی طرف کیسے منسوب ہونا چاہتا ہے حالانکہ تو اہل صفوریہ میں سے زکوان نامی ایک کافر کا بیٹا ہے تیرا یہ کہنا کہ ہم نے عثمان کو قتل کیا ہے سراسر غلط ہے بلکہ طلحہ زبیر اور عائشہ بھی حضرت علیؑ پر اس الزام کے عائد کرنے کی جرأت نہیں کر سکے ۔ تم اپنی ماں سے دریافت کرو کہ زکوان کو چھوڑ کر اس نے تجھے عقبہ کا بیٹا کس طرح بنایا اس نے اس میں اپنی عزت و رفعت سمجھی حالانکہ یہ چیز دنیا و آخرت میں تیرے لئے رسوائی و شرمندگی کی باعث ہے جب

تیری حقیقت یہ ہے تو تُو حضرت علیؑ کو سب کرنے کی کیوں کر جرأت کرتا ہے اگر تو اپنی ذات کے متعلق تحقیق کرے تو تجھے معلوم ہوگا کہ تیرا باپ کوئی دوسرا ہے یقیناً یہ نہیں جس کی طرف تو منسوب ہے اور تجھے تو اپنی ماں نے بھی کہا تھا کہ تیرا اصلی باپ عقبہ سے خبیث تر ہے۔ (ملخصاً)

اَلْعَذَابِ الْاَدْنٰی:۔ کفار سے جس قریبی عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد دنیاوی تکالیف قحط سالی و بیماری و قتل و غارت وغیرہ مراد لئے گئے ہیں چنانچہ کفارِ مکہ کے لئے قتل بدر اور قحط سالی جو سات سال متواتر رہی حتیّٰ کہ ان کو مردار جانور اور کتوں کا گوشت بھی کھانا پڑا۔ یہ دنیاوی عذاب تھے اور آخرت کے عذاب کا تو کوئی کنارہ ہی نہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے عذاب ادنیٰ سے مراد عذاب قبر بھی منقول ہے اور نیز قیامت کی آمد بھی عذاب ادنیٰ میں سے ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور بھی دشمنانِ دین کے لئے عذاب ادنیٰ ہوگا۔ اور ان معانی میں کوئی تضاد نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَ

اور تحقیق ہم نے عطا کی موسیٰ کو کتاب پس تم نہ پڑو شک میں اس کی ملاقات سے اور

جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۴﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ

بنایا ہم نے اس کو ہادی بنی اسرائیل کے لئے اور بنائے ہم نے ان میں سے امام

بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

جو ہدایت کرتے ہیں ہمارے امر کے ساتھ جب کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے تحقیق تیرا

يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۶﴾

رب ہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس کا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے

رکوع ۱۶

مِن لِقَائِہٖ یعنی اللہ نے اپنے حبیب سے وعدہ کیا کہ تجھے میں موسیٰ سے ملاقات کراؤں گا اور اس میں شک ہرگز نہ کر۔ چنانچہ اس وعدہ کی ایفا شبِ معراج میں ہوگئی آپ نے فرمایا میں نے حضرت موسیٰ کو دیکھا کہ ان کا قد لمبا شکل گندمی اور بال گھنگھریالے تھے (مجمع البیان)

اَئِمَّۃً:۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ امام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں تورات کے مبلغ اور دینِ موسوی کے صحیح نمائندے تھے۔ لیکن چونکہ قرآن قیامت تک کے لئے ہادی کتاب ہے لہٰذا اس کی تاویل قیامت تک جاری رہے گی اور موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ کی شریعت کے مبلغ بھی اسی آیت کے تاویلی مصداق بنتے رہے اور آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک اس آیت کریمہ کے تاویلی مصداق ہیں۔ اسی بنا پر تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت اولادِ فاطمہؑ کے حق میں اتری ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ الخ۔

یَمْشُوْنَ:۔ اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُن پر اچانک عذاب پہنچا کہ وہ اپنے گھروں میں کاروبار کرتے ہوئے چل پھر رہے تھے اور دوسرا یہ کہ تم لوگ ان کے گھروں کو پاؤں سے چل کر دیکھ چکے ہو اور دیکھتے رہتے ہو پس ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔

اَلْجُرُزُ:۔ اس میں چار لغتیں صحیح ہیں دونوں ضمے جُرُز دونوں فتح جَرَز ضمہ اور جزم جُرْز فتحہ اور جزم جَرْز لغت کے لحاظ سے اس کا اطلاق اس زمین پر ہوتا ہے جو بالکل خشک اور بنجر ہو۔

اَوَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ

کیا نہیں ان کو ہدایت کرتی یہ بات کہ ہم نے کس قدر ہلاک کیا ان سے پہلے قوموں کو کہ وہ چل پھر رہے تھے

فِیْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ

اپنے گھروں میں تحقیق اس میں نشانیاں ہیں کیا یہ نہیں سنتے کیا نہیں دیکھتے

یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ

کہ ہم چلاتے ہیں پانی کو خشک زمین کی طرف پس اگاتے ہیں اس کے ذریعے زراعت کہ کھاتے ہیں

زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اس سے ان کے حیوانات اور وہ خود بھی کیا وہ نہیں دیکھتے اور کہتے

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ

ہیں کب ہو گی یہ (تمہاری) فتح اگر تم سچے ہو کہہ دو

یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِیْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ

فتح کے دن نہ فائدہ دے گا کافروں کو ایمان لانا ان کا اور نہ ان کو مہلت دی جائے

یُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

گی پس ان سے روگردانی کر لو اور انتظار کرو تحقیق وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں

هٰذَا الْفَتْحُ:۔ یا تو اس سے مراد فتح مکہ کے متعلق سوال ہے یا یہ کہ جب مومن لوگ کفار سے کہتے تھے کہ ایک دن خدا ہم لوگوں کو تم پر فتح دے گا تو کفار طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ کہاں ہے تمہاری فتح؟ اور تفسیر برہان میں یوم فتح سے مراد یوم قیامت منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس دن کافروں کو ایمان لانا فائدہ مند نہ ہو گا اور ایک روایت میں حضرت قائم علیہ السلام کی فتح کا زمانہ مراد لیا گیا ہے بہر صورت تنزیل کے لحاظ سے بعض معانی کا مراد ہونا تاویلی مصادیق کی نفی نہیں کرتا۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ وہ دن جلد آئے جس کے ہم منتظر ہیں تاکہ عدل و انصاف کا بول بالا ہو اور کفر و باطل اور ظلم و طغیان کے بیڑا (؟) ہر وارد ہو۔

# سُورۂ الاحزاب

سورہ مدنیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کے بغیر تہتر ہے اور کل چوہتر ہے

تفسیر مجمع البیان میں ہے حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے جو شخص سورۂ احزاب خود پڑھے اور اپنے گھر والوں اور غلاموں و کنیزوں کو اس کی تعلیم دے وہ عذاب قبر سے امان میں ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو سورہ احزاب کی زیادہ تلاوت کرے وہ بروز محشر محمدؐ و آل محمدؐ کے جوار میں ہوگا۔ خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ مبارکہ کو ہرن کی جھلی پر لکھ کر ایک ڈبیہ میں بند کر کے اپنے گھر میں رکھے تو لوگ اس کے در پر [illegible] کرنے میں سبقت کریں گے اگرچہ وہ مالی لحاظ سے فقیر و مسکین ہی کیوں نہ ہو (باذن اللہ)

آج [illegible] کے درمیان بھارت نے مغربی پاکستان کی سرحدوں پر حملہ کر دیا اور پاکستانی افواج نے جوابی کاروائی کی اور [illegible] دشمن کے ہوائی اڈوں اور فوجی ٹھکانوں پر ہوائی حملہ کیا اور صدر مملکت کی تقریر نے جانبازوں کے دلوں میں [illegible] اور سورۂ احزاب کی تفسیر کی نوبت آئی تو جنگ احزاب کی طرح ہمارے اسلامی ملک پر بھی کافروں کی فوجیں احزاب بن کر ٹوٹ پڑیں۔ آج ۳ر دسمبر ۱۹۷۱ء مطابق ۱۴ر شوال ۱۳۹۱ھ سورۂ احزاب کی تفسیر شروع ہوئی۔

حَسْبُنَا اللّٰہُ ونعم الوکیل نعم المولٰی و نعم النصیر

## رکوع ۱۷ تحریفِ قرآن

شیخ ابوالحسن شعرانی محشیٔ مجمع البیان نے فصل الخطاب سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ مبارکہ (احزاب) جنابِ پیغمبرؐ کے زمانہ میں کافی طویل تھا اور اس کی آیات سورۂ بقرہ کے برابر تھیں اور تحریف کی وجہ سے یہ مختصر ہو گیا ہے شیخ شعرانی نے اس کی تردید میں فرمایا کہ قائلِ تحریف کا یہ اقرار کہ سورۂ مبارکہ حضرت رسالتمآبؐ کے زمانہ میں مرتب ومدون تھا اور اس کا نام بھی سورۂ احزاب تھا اور مسلمان بالعموم اس سے مطلع تھے خود قولِ تحریف کے بطلان کے لئے کافی ہے کیونکہ غیر معروف چیزیں ہیں تو تصرف تدرے ممکن ہے لیکن جو چیز زبان زدِ عام ہو جائے اور اس کی حدود کا خواص سے متجاوز ہو کر عوام تک علم ہو جائے تو اس میں تحریف کے ہاتھوں کوئی کمی یا بیشی نہیں لائی جا سکتی اور نہ ایسی اہم چیزوں کو حیلوں اور بہانوں سے چھپایا جا سکتا ہے۔ بنا بریں یہ مفروضہ بالکل باطل اور غلط ہے اور شیعہ علمائے متکلمین قرآن مجید کو تحریف کی کثر بیونت سے بالاتر مانتے ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے نبی ڈر اللہ سے اور نہ اطاعت کر کافروں اور منافقوں کی تحقیق اللہ

كَانَ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا ② وَّاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

علیم و حکیم ہے اور اتباع کر اس کی جو تجھ پر وحی کی جائے تیرے رب سے تحقیق اللہ

كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ③ وَّتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ④

آگاہ ہے اس سے جو تم کرتے ہو اور توکل کر اللہ پر اور کافی ہے اللہ وکیل

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ - تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق منقول ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد ابوسفیان عکرمہ اور ابوالاعور اسلمی مدینہ میں آئے اور عبداللہ بن اُبی کے ہاں مہمان رہے اور جنابِ رسالتمآبؐ سے امان حاصل کی اور تبادلہ خیالات کی اجازت بھی لے لی چنانچہ وہ عبداللہ بن اُبیؒ عبداللہ بن سعد بن ابی الشرح اور طعمہ بن ابیرق کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ ہمارے خداؤں لات ومنات عزیٰ کا ذکر چھوڑ دیں اور ان کے عبادت گزاروں کے لئے ان کی شفاعت کا اقرار کر لیں اور ہم تجھے اور تیرے رب کا ذکر چھوڑ دیں گے پس آپس میں جنگ وجدال نہ ہو گی، آپ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری تو عمر بن خطاب نے ان کو قتل کر دینے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا میں ان کو امان دے چکا ہوں لہٰذا ان کو چھیڑے بغیر مدینہ سے فوراً نکال دیا جائے۔ پس یہ آیت اُتری ۔ کافروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ سے آئے ہوئے تھے اور منافق وہ تھے جو اُن کے ساتھ مل کر پیغمبرؐ سے بات کرنے گئے تھے اور تاویل کے لحاظ سے ہر وہ آدمی جو اُن صفات سے متصف ہو۔ آیت کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے اور ایک دوسری

روایت میں ہے کہ قبیلہ ثقیف کے چند آدمی حضورؐ کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ ہمیں صرف ایک سال لات و منات کی عبادت کے لئے واگذار کیا جائے بعد میں ہم مسلمان ہو جائیں گے اور یہ صرف اس لئے کہ کفار قریش پر ہماری برتری قائم ہو جائے اور وہ یہ سمجھ لیں کہ رسولِ خداؐ ہماری بات مان لیتا ہے لیکن آیت نازل ہوئی کہ قطعاً کسی کافر و منافق کی کوئی بات نہ مانو اور وہی کرو جو حکم خداوندی ہو

مَا جَعَلَ اللّٰہُ۔ اس کے شانِ نزول میں مروی ہے کہ قبیلہ فہر کا ایک شخص جس کا نام ابو معمر جمیل بن معمر تھا بڑا دانا اور صاحبِ قوتِ حافظہ تھا اور اپنی انتہائی زیرکی کے پیشِ نظر یہ دعویٰ کیا کرتا تھا کہ میرے سینہ میں دو دل ہیں اور ان میں سے ہر ایک محمدؐ کی سوچ سے زیادہ سوچ سکتا ہے۔ چنانچہ قریشی اس کو ذوالقلبین کہا کرتے تھے۔ جب جنگ بدر میں شکست کھا کر مشرکین بھاگے تو ابو معمر سے راستہ میں ابو سفیان کی ملاقات ہوئی جب کہ اس کا جوتا پاؤں میں اور دوسرا ہاتھ میں تھا۔ ابو سفیان نے دریافت کیا کہ جنگ کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ مشرکین کو شکست ہوئی۔ ابو سفیان نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے کہ تمہارا ایک جوتا ہاتھ میں اور دوسرا پاؤں میں ہے؟ تو وہ شرمندہ ہوا اور کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا میرے خیال سے یہ بات نکل گئی میں سمجھا تھا کہ دونوں جوتے پاؤں میں ہیں پس فوراً جوتا پہن لیا اور اس دن سے لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس کے لئے دو دل نہیں بلکہ ایک ہی دل ہے ورنہ اگر دو دل ہوتے تو اس قدر بدحواس نہ ہوتا اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت مجیدہ منافقوں کی تردید میں ہے کہ ایک طرف مسلمانوں سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور دوسری طرف کفار سے ان کا پیار قائم تھا اور تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہماری اور ہمارے دشمن کی محبت ایک انسان میں نہیں جمع ہو سکتی کیونکہ خدا نے کسی انسان کے لئے دو دل نہیں بنائے کہ ایک کے ذریعے کسی سے محبت کرے اور دوسرے کے ذریعے اس سے بغض کرے پس ہمارا محب وہ ہے جو ہم سے خالص محبت رکھتا ہو جس طرح سونا آگ میں خالص ہو کر نکلتا ہے کہ اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہوا کرتا۔ پس جو شخص اپنے اندر ہماری محبت کو خالص دیکھنا چاہے تو اپنے دل کا امتحان لے اگر اس کے دل میں ہماری محبت کے ساتھ ہمارے دشمن کی محبت بھی ہے تو وہ سمجھ لے کہ نہ وہ ہمارا ہے اور نہ ہم اس کے ہیں اور خدا و جبریل و میکائیل سب اس کے دشمن ہیں اور اسی مضمون کی مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی ایک روایت منقول ہے اور محشی

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ

نہیں بنائے اللہ نے کسی انسان کے لئے دو دل اس کے اندر اور نہیں بنایا تمہاری بیویوں کو

الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ

جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو

اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ

تمہارے حقیقی بیٹے یہ تمہاری زبانی باتیں ہیں اور اللہ سچی بات کہتا ہے اور وہ

يَهْدِي السَّبِيلَ ﴿٥﴾ اُدْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

ہدایت کرتا ہے راستے کی — اُن کو پکارو اپنے باپوں کا کرکے یہ قرین انصاف ہے اللہ کے

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ

نزدیک اگر تم نہ جانتے ہو ان کے باپ تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں اور تمہارے دوست ہیں

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ

اور نہیں تم پر کوئی گناہ جس میں تم غلطی کرچکے ہو لیکن (گناہ وہ ہے) جو عمداً کریں

قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٦﴾ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى

تمہارے دل اور اللہ بخشنے والا رحیم ہے — نبی زیادہ قریب ہے

مجمع البیان علامہ شعرانی نے ذکر کیا ہے کہ شافعی نے اس جگہ ایک لطیف استدلال پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ نے کسی آدمی کو دو دل نہیں دیئے بلکہ ہر ایک کے لئے صرف ایک ہی دل ہے بنا بریں ہر آدمی اپنے مقام پر صرف ایک انسان ہوتا ہے نہ کہ دو خواہ مرتبہ کے لحاظ سے اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ پس سیاق آیت میں ظہار اور ادعائی اولاد کے متعلق جو حکم مذکور ہے ممکن ہے کہ اُسے بھی اسی کلیہ کے تحت میں بطور امثلہ کے درج کیا جائے۔ پس ظہار جو عربوں کا طریق طلاق تھا اس کے متعلق ان کا نظریہ یہ تھا کہ جو شخص اپنی منکوحہ کو ظہار کرے یعنی اپنی عورت سے کہے کہ تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی مثل ہے اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ۔ تو اس صورت میں وہ عورت ماں کی طرح اس مرد پر حرام موبد ہوجاتی ہے۔ اسلام نے اس طریق طلاق کو غلط و ناجائز قرار دیا ہے اور طلاق کے لئے دوسرا مستحسن طریقہ تعلیم فرمایا جس کا ذکر تفسیر کی تیسری جلد میں مفصل گذر چکا ہے اور اس جگہ ظہار کی ممنوعیت کی دلیل یہ ہے کہ ایک انسان بیک وقت دو نہیں ہوا کرتا پس اگر عورت بیوی ہے تو وہ ماں نہیں ہے اور اگر ماں ہے تو بیوی نہیں ہے اور چونکہ منکوحہ کا بیوی ہونا مسلّم ہے لہذا ظہار کے صیغے سے وہ ماں نہیں بن جاتی بلکہ ماں وہی ہوتی ہے جس کے بطن سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ بنا بریں ظہار کرنے والے پر ظہار کا کفارہ واجب الادا ہوتا ہے اور کفارہ ادا کرنے کے بعد وہ عورت اس پر حلال ہوتی ہے پس اسے حرام موبد قرار دینا ناجائز ہے اور مفصل بیان پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ کی تفسیر میں آئے گا۔ اسی طرح عربوں میں رواج تھا کہ جس کو وہ متبنّیٰ بناتے تھے اس کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ نے بھی زید بن حارث کلبی کو خرید کر اپنا غلام بنایا تھا جب کہ وہ بازار عکاظ میں فروخت ہو رہا تھا اور جب آپ نے اعلان رسالت فرمایا تو زید نے اسلام قبول کرلیا۔ جب اس کا باپ مکہ میں آیا تو اس نے حضرت ابوطالبؑ کی وساطت سے بارگاہِ نبویؐ میں درخواست گذاری کہ یا تو میرے بیٹے کو مجھ پر فروخت کیا جائے اور یا اس کو آزاد کیا جائے حضورؐ نے فرمایا میری طرف سے آزاد ہے جہاں چاہے وہ جا سکتا ہے لیکن حضرت زید نے جناب رسالتمآبؐ سے جدا ہونا گوارا نہ کیا تو اس کے باپ حارثہ نے قریش کی بھری محفل میں کہہ دیا کہ تم سب گواہ رہو یہ میرا بیٹا نہیں ہے

تو آپ نے فوراً فرمایا تم سب گواہ رہو کہ یہ میرا فرزند ہے پس اس دن کے بعد وہ زید بن محمد پکارا جاتا تھا پھر جب حضور نے زید کی مطلقہ زینب بنت جحش سے شادی کی تو یہود و منافقین نے طعن کرنا شروع کر دیا کہ دیکھو محمد نے اپنی بہو سے شادی رچالی ہے حالانکہ وہ دوسروں کو منع کرتا ہے۔ پس اس آیت مجیدہ نے ان کے قول کی تردید کی کہ ایک شخص بیک وقت ایک ہوتا ہے دو نہیں ہوتا لہٰذا وہ ایک کا ہی بیٹا ہو سکتا ہے دو کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ پس زید اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے اور تم لوگ اس کو زید بن حارثہ کہہ کر پکارا کرو۔ اور تفسیر برہان میں ہے کہ جناب خدیجہ سے شادی کرنے کے بعد آپ بازار عکاظ میں بغرض تجارت تشریف لے گئے تھے اور زید کی شرافت و نجابت اور جودت طبع کے پیش نظر اس کو خرید لیا تھا اور باقی روایت معمولی اختلاف کے ساتھ ویسی ہے جس طرح ابھی مذکور ہو چکی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عمر سے مروی ہے کہ ہم ہمیشہ زید بن محمد کہہ کر ہی اُسے پکارا کرتے تھے اور اس آیت کے نزول کے بعد زید بن حارثہ اس کو پکارنے لگے اور قرآن مجید نے کسی شخص کو اس کے باپ کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کی طرف منسوب کر کے پکارنے کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ البتہ ماضی میں جو غلطی سے اس قسم کا عمل ہوتا رہا اس نے اس کو اپنے دامن غفران میں جگہ دے دی

بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ

مومنین سے ان کے نفسوں کی بہ نسبت اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور صاحبانِ قرابت

بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ

بعض ان کے زیادہ قریب ہیں۔ بعض سے اللہ کی کتاب میں عام مومنوں سے اور مہاجروں سے

اور جو شخص عمداً کسی شخص کو اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے آدمی کی طرف منسوب کرے وہ سخت گنہگار ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی سخت گنہگار ہے جو خود اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب ہونا پسند کرے اور ہمارے ملک میں یہ وبا بہت عام ہے کہ پست اور نیچ قوم کے بعض افراد احساس کمتری میں مبتلا اپنی عزت و برتری کی خاطر اپنے آپ کو بڑی قوموں میں شمار کرتے ہیں اور اپنی اصلی قوم کی طرف منسوب ہونا اپنی توہین سمجھتے ہیں اور ایسے لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی اس حدیث کی زد میں آتے ہیں جس کو مجمع البیان نے نقل کیا ہے مَنِ انْتَسَبَ اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوِ انْتَمٰى اِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ۔ یعنی جو شخص اپنے اصلی باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب ہو یا اپنے اصلی آقا کے علاوہ کسی دوسرے آقا کی طرف منسوب ہو تو اس پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی:۔ آیت مجیدہ میں چند امور کی وضاحت ضروری ہے۔

**پہلا امر نبی کا اولی ہونا**

اس کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ جب انسان کا نفس کسی کام کا ارادہ کرے اور نبی علیہ السلام کسی دوسرے کام کا حکم دے دیں تو اپنی منشاء کو چھوڑ کر رسولؐ کی منشاء پر عمل کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی واجب یا سنت کام کی ادائیگی میں بھی مشغول ہو اور رسول اس کو اپنی طرف بلائیں تو بلا تاخیر

اپنی مصروفیت کو چھوڑ کر رسولؐ کی آواز پر لبیک کہے اور ان کی اطاعت کو ہر امر میں مقدم سمجھے۔

دوسری صورت یہ کہ باہمی اختلافات کی صورت میں اپنے طے شدہ فیصلوں یا برادری کے فیصلوں سے رسولؐ کے فیصلہ کو ترجیح دے اور رسولؐ کے فیصلے کو آخری اور حتمی فیصلہ قرار دے کر اس کی پیروی کرے۔

تیسری صورت، مروی ہے کہ جب حضورؐ نے غزوۂ تبوک کے لئے لوگوں کو روانگی کا حکم عام دیا تو بعض لوگوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ہم اپنے ماں باپ سے اجازت لے کر کوچ کریں گے تو اس آیت مجیدہ نے والدین کی فوقیت و برتری کو رسولؐ کی فوقیت و برتری کے سامنے ختم کر دیا کہ نبیؐ کا فرمان اور اس کی اطاعت دوسری اطاعتوں سے مقدم ہے۔

## دوسرا امر، رسولؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں

آیت مجیدہ میں اس بات کی کھلی وضاحت ہے کہ رسولؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ یعنی مومنوں پر نکاح کے لحاظ سے حرام مؤبد ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ کی رحلت کے بعد ان سے کوئی مومن شادی نہیں کر سکتا۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ بالکل حقیقی مائیں ہیں کیوں کہ حقیقی ماں وہی ہوتی ہے جس کے بطن سے انسان پیدا ہوتا ہے لہٰذا حقیقی ماؤں کے مخصوص احکام ان کے لئے ثابت نہیں ہو سکتے کیوں کہ اگر ان کو حقیقی ماؤں کی حیثیت دی جائے تو ان کی بہنیں تمام مومنوں کی خالائیں ہو جائیں گی اور ان سے بھی کسی مومن کا نکاح درست نہ رہے گا۔ اسی طرح آپ کی شہزادی تمام مومنوں کی بہن متصور ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پس جس طرح اسماء بنت ابی بکر کو مومنوں کی خالہ نہیں کہا جا سکتا ورنہ زبیر کا اس سے نکاح باطل ہوتا اسی طرح معاویہ کو خال المومنین کہنا بھی غلط اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ کسی عورت نے عائشہ کو ماں کہہ دیا تو عائشہ نے فوراً اسے ٹوک دیا کہ میں تیری ماں نہیں ہوں بلکہ صرف تمہارے مردوں کی ماں ہوں یعنی عزت و حرمت کے لحاظ سے کسی مومن مرد کے لئے جائز نہیں کہ رسولؐ کی بیوی سے نکاح کرے۔ بنا بریں رسولؐ کی بیویوں اور بیٹی اور اس کی اولاد کا تمام مومنوں سے پردہ واجب ہے ورنہ اگر وہ حقیقی ماؤں کے حکم میں ہوتیں تو ان سے اور ان کی اولاد سے کسی مومن کا پردہ نہ ہوتا۔ جس طرح ماں بہن سے پردہ نہیں ہوا کرتا۔

## تیسرا امر، رسولؐ امت کا باپ ہے

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ کے بعد وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ کی قرأت منقول ہے اور صادقین علیہما السلام سے بھی اسی طرح منقول ہے پس جس طرح رسولؐ کی بیویاں امت کی مائیں ہیں اسی طرح خود رسولِ اکرمؐ تمام امت کے باپ ہیں بلکہ ہر نبی اپنی اُمت کے لئے باپ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ جہاں حضرت لوطؑ نے اپنی اُمت سے فرمایا تھا هٰؤُلَاءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ۔ دمیری بیٹیاں تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ تر ہیں گویا اُمت کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں قرار دے کر مردوں سے لواطہ کی عادتِ بد کو چھڑانے کے لئے یہ امر ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ ہمبستری کے لئے اور شہوانی جذبات کو تسکین دینے کے لئے عورتیں مردوں کے لئے لڑکوں کی بہ نسبت پاکیزہ تر اور موزوں تر ہیں اور اللہ نے مخلوق کا جوڑا جوڑا پیدا ہی اس لئے کیا ہے نہ کہ اپنی

صلبی لڑکیوں کے متعلق یہ ارشاد فرما رہے تھے کیوں کہ وہ بعید از عقل ہونے کے ساتھ ساتھ ناممکن بھی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر نبی کے لئے اس کی امت بمنزلہ اولاد ہوا کرتی ہے۔ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ مومنوں کو اللہ نے رسول اللہ کی اولاد ٹھہرایا اور رسولِ خدا کو ان کا باپ قرار دیا اور مومنوں پر رسولِ خدا کو حقِ ولایت عطا فرمایا چنانچہ آپ نے خطبۂ غدیر میں یہ ارشاد فرمایا اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ (کیا میں تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے اولیٰ نہیں ہوں؟) سب نے کہا بے شک۔ تو آپ نے اپنی ولایت کے ساتھ حضرت علیؑ کی بھی ولایت کا اعلان کر دیا اَلَا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ پس جب اللہ نے رسول اللہ کو مومنین کی ولایت دی تو مومنوں کے اخراجات کی تکمیل اور ان کے یتیموں کی تربیت بھی رسول اللہ کے حوالہ کر دی پس رسولؐ مومنوں کا اس طرح مربی ہوتا ہے جس طرح باپ بچوں کا مربی ہوا کرتا ہے اور رسولؐ کی اطاعت مومنوں پر اس طرح واجب ہے جس طرح اولاد پر والدین کی اطاعت واجب ہوتی ہے اور رسول اللہ کے بعد حضرت علیؑ اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی بھی وہی حیثیت و نسبت ہے جو رسول اللہ کے لئے تھی کیونکہ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا میں والدین جنابِ رسولِ خدا اور حضرت امیر المومنینؑ ہیں۔ انتہیٰ ملخصًا۔

پس جس طرح احترام و ادب کے لحاظ سے رسولؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اسی طرح احترام و ادب کے طور پر رسولؐ اور علیؑ اور آئمہ علیہم السلام مومنوں کے روحانی باپ ہیں نہ کہ حقیقی ورنہ امت کی عورتیں ان کی بیٹیاں ہونے کی حیثیت سے ان کے نکاح میں نہ آسکتیں اور ان کی بیٹیاں تمام مومنوں کی بہنیں ہو کر محرم ہو جاتیں اور پردہ کا حکم ساقط ہو جاتا اور حقِ وراثت بھی ثابت ہو جاتا حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

**چوتھا امر، تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں**

تفسیر مجمع البیان میں مجاہد سے منقول ہے کہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے لہٰذا سب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں جس طرح نبیؐ ان کا دینی باپ ہے وہ سب آپس میں دینی بھائی ہیں نہ کہ حقیقی ورنہ آپس میں پردہ کا حکم ساقط ہو جاتا اور سب آپس میں محرم ہو جاتے اسی طرح جناب رسالتمآبؐ اور حضرت علی علیہ السلام ایک دوسرے کے بھائی تھے اور صیغۂ مواخات بھی تھا اور اس کے باوجود حضرت رسالتمآبؐ کی دخترِ نیک اختر جناب بتولِ معظمہ حضرت علیؑ کی زوجہ بھی تھیں پس دینی و ایمانی طور پر بھائی بھائی ہونا خسر و داماد ہونے سے مانع نہیں ہے اور یا ہی وراثت بھی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

**پانچواں امر، نفس کی تحقیق**

نفس کی جمع انفس ہے اور یہ ہر حیوان کی اس قوت کا نام ہے جو حس و ادراک کا سرچشمہ ہے اور انسان پر نفس کا اطلاق اس لحاظ سے ہے کہ وجودِ انسانی میں اس قوت کو اہمیت حاصل ہے۔ پس یہ اطلاق مجازِ مرسل ہے اور ممکن ہے کہ اس کا اشتقاق تنفّس سے ہو جس کا معنی ترویح ہوتا ہے یعنی تھکان کے بعد راحت کا طالب ہونا اور چونکہ انسان ضعیف البنیان تھکان اور راحت کے درمیان زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے چنانچہ شب و روز کا متبادل نظام ذاتِ پروردگار کی جانب سے اسی نکتہ کی خاطر ہے پس اسی لئے اس

پر نفس کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہ بھی احتمال ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا مادہ اشتقاق نفاست ہو اور چونکہ بنی آدم میں یہ صفت غیر معمولی عظمت واہمیت کی حامل ہے اس بناء پر اس کو انسان کا لقب دیا گیا۔

**چھٹا امر اولوالارحام** تفسیر مجمع البیان میں اس کا شانِ نزول اس طرح منقول ہے کہ جب مومنین میں سے دو دو آدمیوں کے درمیان حضوؐر نے صیغۂ اخوت جاری فرمایا تو اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سے جب ایک مرتا تھا تو دوسرا اس کی وراثت کا مالک ہوتا تھا۔ پس اس آیت مجیدہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور نیز مروی ہے کہ سابق دور میں ہجرت بھی موجب وراثت تھی پس ہجرت نہ کرنے والا مسلمان ہجرت کرنے والے کا وارث نہیں بن سکتا تھا خواہ رشتہ میں کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ پس یہ آیت ہجرت اور اخوت کے قانونِ وراثت کی ناسخ ہو گئی اور سیاقِ آیت میں چونکہ نبی کو امت کا باپ اور اس کی زوجات کو امت کی مائیں ٹھہرایا گیا تھا اور اس لحاظ سے تمام مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا تھا تو اس سے یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے اس روحانی و ایمانی رشتہ کا وراثت پر اثر پڑے۔ پس اس کی صراحت سے نفی فرما دی کہ نبی کی بیویاں اگرچہ مائیں ہیں اور اس لحاظ سے خود نبی تمہارا باپ اور مومن بھائی بھائی ہیں لیکن اس سے نسبت [illegible]

| |
|---|
| اِلَّآ اَنۡ تَفۡعَلُوۡٓا اِلٰٓی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ۞ |
| مگر یہ کہ کرو تم اپنے دوستوں پر کچھ احسان اور یہ چیز کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے |
| وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَہُمۡ وَ مِنۡکَ وَ مِنۡ نُّوۡحٍ وَّ اِبۡرٰہِیۡمَ |
| اور جب ہم نے لیا نبیوں سے وعدہ اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے |
| وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ۪ وَ اَخَذۡنَا مِنۡہُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ۞ |
| اور موسیٰ و عیسیٰ بن مریم سے اور لیا ہم نے اُن سے پکا وعدہ |

اور یہ رشتہ موجب وراثت نہ ہوگا بلکہ قانونِ وراثت میں اولوالارحام یعنی رحم کی وساطت سے جو رشتہ دار ہیں ان میں سے بعض بعض کے قریب ہیں اور قریب کی موجودگی بعید کے لئے مانع وراثت ہوگی خواہ وہ مہاجر مسلمان ہوں یا انصار ہوں۔ البتہ معروف اور احسان پر کوئی پابندی نہیں اگر کوئی مرنے والا احسان و معروف کے طور پر کسی اپنے بھائی کے لئے اپنے مال میں سے کچھ دینے کی وصیت کر جائے تو وہ نافذ العمل ہوگی اور اس کی بھی حد معین ہے کہ متوفی کے ترکہ کی تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

**میثاقِ انبیاء** وَ اِذۡ اَخَذۡنَا۔ اللہ نے پہلے تمام انبیاء کا فی الجملہ ذکر فرمایا کہ ان سب سے عہد و پیمان لیا گیا پھر پانچ نبیوں کا علی الخصوص نام لے کر ذکر کیا اس لئے کہ یہ اولوالعزم اور صاحبانِ شریعت ہیں (۱) حضرت محمد مصطفےٰ (۲) حضرت نوحؑ (۳) حضرت ابراہیمؑ (۴) حضرت موسیٰؑ (۵) حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ تمام انبیاء کے سردار و سرمار ہیں، تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لیا جانے والا عہد غلیظ

کی ربوبیت محمدؐ کی رسالت اور حضرت امیرالمومنینؑ اور اس کی اولاد طاہرینؑ کی امامت کے متعلق تھا پس اللہ نے سوال کیا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ وَ مُحَمَّدٌ نَبِیُّکُمْ وَ عَلِیٌّ اِمَامُکُمْ وَالْاَئِمَّۃُ الْھَادِیْنَ اَئِمَّتُکُمْ ؟ قَالُوْا بَلٰی الخ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں کیا محمدؐ تمہارا نبی نہیں۔ کیا علیؑ تمہارا امام نہیں (علیؑ کی اولاد سے) ہادیانِ برحق تمہارے امام نہیں ؟ تو سب نے مل کر جواب دیا کہ بے شک ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور ارشادِ قدرت ہوا کہ قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ ہم اس سے غافل تھے۔ پس سب سے پہلے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور مجموعی طور پر تمام انبیا کا ذکر کر کے افضل نبیوں کے ناموں کا خصوصی طور پر اعلان فرمایا پس یہ پانچ انبیاء تمام نبیوں سے افضل ہیں اور حضرت محمد مصطفٰےؐ سب سے افضل ہیں الخ

لِیَسْئَلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا

تاکہ سوال کرے سچے لوگوں سے ان کے سچ کے متعلق اور اس نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے دردناک

اَلِیْمًا ⑨ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ

عذاب اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر جب ٹوٹ پڑے تم پر لشکر

جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

پس ہم نے بھیجا ان پر ہوا کو اور ایسے لشکروں کو جن کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تمہارے اعمال

بَصِیْرًا ⑩ اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ

سے آگاہ ہے جب وہ ٹوٹ پڑے تم پر اوپر اور نیچے سے (مشرق و مغرب سے) اور جب (ڈر کے

الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۱۰

مارے) تمہاری آنکھیں ٹیڑھی ہو گئیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے اور تم اللہ پر بدگمان ہو رہے تھے

لِیَسْئَلَ۔ یعنی انبیاء سے تبلیغ دین کا عہد و پیمان لیا کہ اپنی امتوں کو توحید و نبوت و امامت کے اصولی عقائد کے ساتھ ساتھ فروعی طور پر ان کو انسانی اقدار اور تمدنی زندگی کے مبنی بر انصاف متوازن دستور العمل کی پیروی اور حقوق اللہ و حقوق الناس اور حقوقِ ذاتیہ سے عہدہ برآ ہونے کے طریقوں سے آگاہ فرمائیں تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہو جائے۔ پھر قیامت کے دن سچے لوگوں سے دریافت کرے گا کہ کیا انبیاءؑ نے اپنی تبلیغات میں کوئی کمی کی تھی ؟ پس وہ سچی گواہی دیں گے کہ انبیاء نے حقِ تبلیغ پورا ادا کیا تھا اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ سچے لوگوں سے اپنی سچائی کے متعلق دریافت کیا جائے گا یعنی نیک لوگوں سے ان کی نیکی کے بارے میں سوال ہو گا کہ تیری یہ نیکی مبنی بر خلوص تھی یا اس میں کوئی دنیاوی ریاکاری یا طمع و لالچ یا نام و نمود کا پہلو بھی مضمر تھا اور مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب سچے لوگوں سے اس قسم کا سوال ہو گا تو جھوٹوں کا کتنا بُرا حال ہو گا ؟

رکوع ۱۵ جنگ خندق کا بیان | اس جنگ کو جنگِ احزاب بھی کہتے ہیں کیونکہ احزاب جمع ہے حزب کی

اور اس کا معنی ہے گروہ۔ چونکہ اس جنگ میں عرب کی اکثر و بیشتر اقوام و قبائل نے حصہ لیا تھا اور گروہ در گروہ آکر ہر طرف سے حملہ آور ہوئے تھے اس لئے اس کا نام بھی جنگِ احزاب ہو گیا اور اس سورۂ مجیدہ کا نام احزاب بھی اسی مناسبت سے ہے اور جنگِ خندق اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت سلمان کے مشورہ سے حضورؐ نے مدینہ کے باہر خندق کھدوائی تھی تاکہ دشمن سے مقابلہ صرف ایک جانب سے جاری رکھا جا سکے اور دشمن کی یلغار سے جان و مال و ناموس کی حفاظت کرنے میں آسانی ہو۔ خدا نے باوجود انتہائی کثیر التعداد دشمن کے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اسی نعمت کا یہاں تذکرہ ہے۔

رِیحًا۔ جب وہ لوگ مدینہ میں پہنچے تو خدا کی غیبی امداد اس طرح ہوئی کہ اللہ نے ایک تیز و تند ہوا بھیج دی جس نے اُن کی ہانڈیوں تک کو اُلٹا کر دیا اور ان کے خیموں کی طنابیں اور رسیاں ٹوٹ گئیں اور ان کو دلجمعی سے لڑنا نصیب نہ ہوا اور فرشتے بھی بھیج دیئے چنانچہ فرماتا ہے۔ وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ایسے لشکر جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔

مِنْ فَوْقِكُمْ۔ مشرق کی طرف حملہ آور ہونے والوں میں قبیلہ نضیر اور قبیلہ قریظہ اور قبیلہ غطفان تھا۔

وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ جانبِ مغرب سے حملہ آور ہونے والوں میں قریش جن کا سرغنہ ابوسفیان تھا اور ان کے ہم قسم قبائل تھے۔

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ۔ یعنی ڈر کے مارے مسلمانوں کی آنکھیں نکل آئی تھیں اور ترچھی نگاہ سے ان کو ہر طرف دشمن ہی دشمن دکھائی دیتا تھا۔

بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ:۔ دلوں کی دھڑکن اس قدر تیز ہو گئی تھی کہ یوں لگتا تھا کہ دل اچھل کر باہر نکل جانے کو تیار ہیں اسی بناء پر مولانا مقبول احمد صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ کلیجے منہ کو آ گئے تھے۔

## جنگِ خندق کی ابتداء

یہودِ مدینہ کا قبیلۂ بنی نضیر (جن کا سلسلۂ نسب حضرت ہارون سے ملتا تھا) (برہان) اپنی شرارتوں اور اسلام کے خلاف خفیہ و اعلانیہ سازشوں کی پاداش میں جب مدینہ سے خیبر کی طرف جلا وطن ہونے پر مجبور ہوا تو ان کے دلوں میں جذبۂ حسد و انتقام کی آتش تیز ہو گئی اور شب و روز اہلِ اسلام کے خلاف سوچنے لگ گئے تھے بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کفارِ مکہ سے ساز باز کر کے کوئی متفقہ منصوبہ تیار کیا جانا زیادہ مناسب ہے چنانچہ حی بن اخطب اور دیگر رؤساء یہود جن کی تعداد بیس تک تھی ابو عامر راہب کی قیادت میں بظاہر خیر سگالی کے دورہ کا بہانہ کر کے مکہ کی طرف روانہ ہوئے جب یہ وفد مکہ میں پہنچا تو اکابر مکہ نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور آپس میں سلسلہ گفتگو شروع ہوا۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور اسلام کی روزافزوں ترقی کا انسداد فریقین کا مطمحِ نظر تھا پس حی بن اخطب اور ابوسفیان کے درمیان باہمی دوستانہ معاہدہ پر اتفاق رائے ہو گیا۔ ابوسفیان نے اپنے مذہب کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ اللہ کے گھر کے پاسبان مہمان نواز حجاج بیت اللہ کے خدمت گزار اور باپ دادا کے طریق پر بتوں کے پرستار ہیں لیکن محمدؐ ہمیں کافر کہتا ہے تو حی بن اخطب یہودی نے کہا تمہارا دین محمدؐ کے دین سے بدرجہا بہتر ہے تم اپنے دین پر قائم رہو اور اگر تم کو محمدؐ سے جنگ لڑنی پڑ جائے تو فکر مت کرو یہود کے تمام قبائل تمہارے شانہ بشانہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں، کفار قریش کے دلوں میں جنگِ بدر و احد کے زخم موجود تھے اور مسلمانوں سے انتقام

لینے کی تجویزیں پہلے سے سوچ رہے تھے یہودیوں کی تائید نے ان کی حاسدانہ و معاندانہ کدورتوں پر جلتی پر تیل کا کام کیا اور پیاس انتقام بجھانے کے لئے فریقین میں جنگی معاہدہ پر سو فیصدی اتفاق ہو گیا اور اکابر قریش میں سے پچاس سرداروں نے دیوار کعبہ سے اپنے سینے لگاکر اس عہد و پیمان کی پختگی کا یہودیوں کو یقین دلایا اور مدینہ پر فوج کشی کی تاریخ معین کر دی گئی اور اس کو صیغۂ راز میں رکھنے کا اہتمام کیا گیا۔ حی بن اخطب نے کفارِ قریش سے یہ وعدہ بھی کیا کہ میری قوم کا ایک قبیلہ جو بنو قریظہ ہیں اور وہ مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کا عہد و پیمان بھی کر چکے ہیں میں ان سے عہد شکنی کرا کے ساتھ لاؤں گا اور ان کی تعداد سات سو لڑاکے جوانوں پر مشتمل ہے (برہان)

قریشِ مکہ سے جنگی معاہدہ اور حملہ کی تاریخ کے تعین کے بعد یہ یہودی وفد قبیلہ غطفان کی آبادیوں میں پہنچا اور انہیں خیبر کی خرما کے ایک سال کی فصل کی پیش کش کر کے اپنے ساتھ ہم آہنگ کیا اور اسی طرح دوسرے عرب قبائل کو بھی اپنے ہم خیال کرتا ہوا واپس لوٹا۔

قریشِ مکہ کی طرف سے ایک لشکر کثیر التعداد حملہ آور ہو کر نکلا جن کی لڑاکا فوج چار ہزار جنگی جوانوں پر مشتمل تھی۔ اُن کے پاس ایک ہزار پانچسو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔ ابو سفیان اس لشکر کا سربراہ تھا اور علم فوج عثمان بن طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔

قبیلہ غطفان کی تین شاخیں تھیں۔ بنو فزازہ بنو مرہ اور بنو اشجع پس بنو فزازہ کا قائد عتیبہ بن حصین اور بنو مرہ کا علم بردار حارث بن عوف اور بنو اشجع کا سربراہ مسعر بن جبلہ اشجعی تھا اس زمانہ میں بنو غطفان اور بنو اسد دونوں قبیلے ایک دوسرے کے حلیف تھے لہٰذا بنو غطفان جب قریش کے ہمراہ نکلے تو بنو اسد کے جوانوں کو بھی میدانِ جنگ میں کودنا پڑا۔ چنانچہ طلحہ نامی شخص کی قیادت میں بنو اسد کے جنگی جوان بھی عازم پیکار ہو گئے اور قریش کی دعوت پر بنو سلیم کا لشکر بھی ابو الاعور سلمی کی قیادت میں روانہ ہو گیا۔ اور اس طریقہ سے قبائل عرب کا مجموعی فوجی لشکر دس ہزار کی تعداد تک پہنچ گیا۔ یہود قبائل ان کے علاوہ تھے۔

ادھر خبر رسانوں نے بارگاہِ نبوی میں اس سازش کی اطلاع پہنچا دی اور یہ تشویشناک خبر تمام مسلمانوں کے لئے ایک بڑے غم واندوہ کی موجب ثابت ہوئی۔ حضرت سلمان کا آزاد ہو کر مسلمانوں کے ہمراہ جنگ میں شریک ہونے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ حضورؐ نے جنگ لڑنے کی تجویز پر غور و خوض کرنے کے لئے مسلمانوں کو صورتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ مہاجرین و انصار نے مختلف تجاویز پیش کیں اور حضرت سلمان نے یہ تجویز عرض کی کہ ہمارے علاقہ ایران میں جب کسی حکمران پر کوئی زبردست بادشاہ چڑھائی کر دے اور کھلے میدان میں اس سے نبرد آزما ہونا مشکل ہو تو شہر کے آس پاس ایک خندق کھود دی جاتی ہے جس کو دشمن آسانی سے عبور نہ کر سکے پس ایک طرف سے لڑائی کو جاری رکھ کر دشمن کے حملہ کو پسپا کر دیا جاتا ہے اور شہر دشمن کی یلغار سے محفوظ رہتا ہے۔ پیغمبر کو حضرت سلمان کی تجویز پسند آئی اور تمام مہاجر و انصار مسلمانوں نے اس تجویز کی معقولیت سے اتفاق کیا پس حضورؐ نے مدینہ سے باہر کوہ سلع کے دامن میں نزولِ اجلال فرمانے کا تہیہ کر لیا جو مدینہ سے متصل تھا اور صورت یہ ہو گئی کہ مدینہ کے ایک جانب پہاڑ دوسری جانب فوج اور باقی دو جانبیں خندق کی وجہ سے محفوظ ہو گئیں اور فوج کی پشت کی طرف

پہاڑ اور پہلو میں مدینہ اور باقی دو جانبوں میں خندق ہوگئی۔ آپ نے شہر میں عبداللہ بن امّ مکتوم کو رہنے کی اجازت دے کر باقی تمام مردوں کو میدانِ جنگ میں حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا جن کی تعداد تین ہزار تھی آپ نے مہاجرین کا علم زید بن حارثہ کو دیا جو آپ کا متبنّٰی تھا اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے سپرد فرمایا۔ ایک روایت میں مردوں کی تعداد سات سو بیان کی گئی ہے۔ (برہان) اور معارج میں ہے چالیس چالیس گز دس دس جوانوں کے حوالے کئے اور چونکہ بنو قریظہ کے ساتھ اس وقت تک صلح تھی کلنگ تیشے اور ٹوکریاں ان سے بھی عاریۃً حاصل کر لی گئیں اور خندق کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔ حضورؐ نے بنفسِ نفیس اس کھدائی میں شرکت کی اور حضرت علیؑ نے بھی حصہ لیا اور حضرت سلمان چونکہ خندق کھودنے میں خوب ماہر تھا اور دس جوانوں کے برابر کام کرتا تھا اس لئے مہاجر چاہتے تھے کہ وہ ہمارے ساتھ ہو اور انصار اس کو اپنا بناتے تھے۔ جب ان کا آپس میں جھگڑا طے نہ ہو سکا تو حضورؐ نے فرمایا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ یعنی سلمان ہم اہلِ بیت میں سے ہے۔ معارج میں ہے کہ سلمان کو قیس بن صعصعہ کی نظرِ بد لگی اور وہ بیمار ہوگیا۔ جب حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے قیس کو سلمان کے لئے وضو کرنے کا حکم دیا اور اس کے اس پانی کو ایک برتن میں جمع کرکے حضرت سلمان کو اس سے نہلانے کا حکم دیا اور یہ کہ خالی برتن کو حضرت سلمان کی پشت کے پیچھے اُلٹا رکھ دیا جائے پس اس عمل سے نظرِ بد کا اثر جاتا رہا اور حضرت سلمان پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ خندق کھودنے پر کل چھ دن خرچ ہوئے پس مسلمانوں نے اپنے مال متاع اور اہل وعیال کو مدینہ کے مضبوط و ناقابلِ تسخیر قلعوں میں داخل کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سردی زوروں پر تھی اور گرانی و قحط سالی حد درجہ تک پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ خود رسالتمآب نے تین دن سے کچھ تناول نہ فرمایا تھا اور شکمِ اطہر پر پتھر باندھا ہوا تھا۔

نظرِ بد کا علاج

**معجزۂ پیغمبر**

معارج میں ہے کہ حضرت سلمان جس پارٹی کے ہمراہ خندق کھودنے میں مشغول تھے ان کے حصہ میں چالیس گز کا ٹکڑا تھا۔ کھدائی کے اثنا میں ایک سرخ رنگ کا پتھر ظاہر ہوا جو نہ نکل سکتا تھا اور نہ کلنگوں سے ٹوٹتا تھا جب ساری پارٹی تھک کر بے بس ہو گئی تو سلمان نے بارگاہِ نبوی میں جا کر اپنی اور اپنی پارٹی کی بے بسی کا ذکر کیا۔ حضورؐ خود بنفسِ نفیس تشریف لائے اور خندق میں اُتر گئے اور سلمان کے ہاتھ سے کلنگ لے کر ایسے زور سے مارا کہ وہ پتھر تنگا فتہ ہو گیا اور اس سے ایک ایسی روشنی نکلی جس سے تمام مدینہ منوّر ہو گیا۔ حضورؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور تمام صحابہ نے تکبیر کہی۔ پھر آپ نے دوسری مرتبہ کلنگ سے ضرب لگائی اور روشنی ظاہر ہوئی۔ آپ نے تکبیر کہی اور سب مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر تیسری مرتبہ اسی طرح ہوا تو حضرت سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کیا ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ آپؐ نے باقی صحابہ سے پوچھا کہ تم سب نے بھی دیکھا ہے جو کچھ سلمان کہہ رہا ہے۔ سب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ہم نے بھی دیکھا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلی روشنی میں میں نے کسریٰ کے محلات دیکھے اور جبرئیل نے کہا ان پر تیری اُمّت کو غلبہ حاصل ہوگا اور دوسری روشنی میں میں نے روم کے محلات دیکھے اور جبرئیلؑ نے خبر دی کہ تیری امت کا ان پر بھی غلبہ ہوگا اور تیسری روشنی میں میں نے صنعائے یمن کے محلات دیکھے اور مجھے بشارت دی گئی کہ تیری امت ان کی فاتح ہوگی۔ پھر آپ نے مدائن میں کسریٰ کے محلات کی تفصیل سُنائی جو سلمان

اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ پس سلمان خوش ہوا اور تمام مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور تفسیر برہان میں اس قدر اختلاف ہے کہ حضورؐ کو اطلاع دینے کے لئے جابر بن عبداللہ انصاری گئے تھے جب کہ آپ مسجد فتح میں آرام کرنے کے لئے تشریف رکھتے تھے۔ جابر کہتا ہے میں نے دیکھا کہ آپ سیدھے لیٹے ہوئے تھے اور چادر کو اکٹھا کرکے اپنے سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ آپ اطلاع ملتے ہی فوراً پہنچے اور وضو کی تجدید فرمائی اور لعابِ دہن پانی میں ڈال کر اس پتھر پر چھڑکا پس کلنگ مارا اور ہر سہ مرتبہ روشنی ظاہر ہوئی اور ہم نے علی الترتیب شام مدائن اور یمن کے محلات دیکھے۔ اس کے بعد وہ پتھر ریت کی طرح نرم ہو گیا اور ہم خندق کھودنے میں کامیاب ہو گئے۔ مجمع البیان میں ہے کہ حضورؐ ہر ضرب بسم اللہ پڑھ کر مارتے تھے۔

**دوسرا معجزہ**

جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ میں نے سہ روزہ فاقہ کی وجہ سے حضورؐ کے جسم اقدس میں کمزوری کے آثار دیکھے تو عرض کی کہ آپ میرے ہاں کھانا منظور فرما کر مجھے خدمت کا شرف بخشیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے گھر کیا کچھ موجود ہے تو میں نے عرض کی ایک صاع (تقریباً تین سیر) جو اور ایک بزغالہ آپؐ نے فرمایا جاؤ اور کھانا تیار کراؤ۔ جابر کہتا ہے میں خوشی خوشی گھر پہنچا اور عورت سے کہا تم یہ جو اچھی پیسو اور میں بکرے کو ذبح کرکے گوشت صاف کرکے تیرے حوالے کرتا ہوں۔ آج تو ہم بڑے خوش بخت ہیں کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ہمیں یہ شرف بخشا ہے کہ وہ بنفسِ نفیس غریب خانہ پر تشریف لاکر کھانا تناول فرمائیں گے۔ چنانچہ عورت نے جلدی سے آٹا تیار کر لیا اور جابر کہتا ہے میں نے گوشت تیار کرکے اس کے حوالہ کر دیا اور ہر ممکن جلدی سے ہم نے کھانا تیار کر لیا۔ پس میں بارگاہِ نبویؐ میں اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوا اور عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کھانا تیار ہے۔ آپ جس جس کو ساتھ لانا چاہیں تشریف لے آئیں اور مجمع البیان میں ہے جابر نے عرض کی آپؐ اور آپ کے ساتھ صرف دو آدمی اور تشریف لائیں۔ پس آپؐ نے بروایت معارج جابر سے فرمایا کہ فوراً جاؤ اور اپنی عورت سے کہو کہ تنور کا منہ بند رکھے اور دیگچے سے ڈھکنا اور سرپوش نہ اتارے۔ جب تک میں خود نہ پہنچوں۔ پس خندق کے کنارے پر کھڑے ہو کر تمام مہاجرین اور انصار کو آواز دی اور فرمایا تم سب میرے ساتھ چلو کیونکہ جابر نے ہماری سب کی دعوت کی ہے۔ اس وقت خندق کی کھدائی میں سات سو آدمی مصروفِ عمل تھے چنانچہ اعلانِ رسالتؐ سنتے ہی سب نے بیلچے کلنگ اور ٹوکریاں ڈال دیں اور حضورؐ کے ہمراہ چل کھڑے ہوئے۔ جابر یہ دیکھتے ہی گھبرا گیا اور اترے ہوئے چہرے کے ساتھ جلدی سے گھر پہنچا اور کہنے لگا آج ہماری بڑی رسوائی ہوگی۔ زوجہ نے دریافت کیا وہ کیسے؟ جواب دیا سات سو جوانوں کے ہمراہ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں۔ اس کی زوجہ جو دولت یقین و ایمان سے سرشار تھیں کہنے لگیں کیا تم نے اپنے گھر کی ساری پونجی کا ذکر حضورؐ سے نہیں کیا تھا۔ جابر نے کہا میں نے بتایا تھا کہ ایک صاع جو اور ایک بکرا ہے تو اس کی زوجہ نے کہا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں محمدؐ جانے اور دعوت جانے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اتنے میں حضورؐ پہنچ گئے اور تنور اور دیگ کے پاس کھڑے ہو کر اللہ سے برکت کی دعا کی اور اپنے لعابِ دہنِ مبارک سے ایک ذرّہ تنور میں اور ایک ذرّہ دیگ میں آمیخت فرمایا اور دس دس آدمیوں کو دستر خوان پر بیٹھنے کا حکم

دیا پس اپنے دستِ حق پرست سے دس دس آدمیوں کے لئے ایک برتن میں روٹی کے ٹکڑے ڈالتے اور اوپر شوربا ڈال کر ان کے سامنے رکھتے اور بکری کے بازو سے گوشت توڑ کر اوپر رکھتے جاتے تھے اور دس دس کی ٹولی یکے بعد دیگرے کھانے سے سیر ہو کر اٹھ جاتی تھی۔ آپ ہر ٹولی کا کھانا تیار کرنے کے لئے جب برتن میں روٹی اور شوربا ڈالتے تو مجھے فرماتے تھے۔ بکری کا بازو لاؤ چنانچہ اس سے گوشت الگ کر کے اوپر رکھ دیتے تھے۔ جب چوتھی ٹولی کے لئے آپ نے بازو مانگا تو میں نے ازراہ حیرت دریافت کیا حضورؐ بکری کے بازو تو دو ہوا کرتے ہیں اور میں تین تو پیش کر چکا ہوں لیکن آپ پھر مطالبہ فرما رہے ہیں تو آپ نے فرمایا اے جابر اگر تم خاموش رہتے تو بکرے کا ایک بازو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ بہر کیف جب تمام لوگ کھا چکے تو اہلِ مدینہ میں سے بھوکے لوگوں کو کھلایا گیا اور لوگوں کے گھروں میں بطور ہدیہ کے بھیجا گیا اور معارج میں ہے کہ ایک ہزار آدمیوں نے پُر شکم کھانا کھایا اور حالت یہ تھی کہ جب دیگچے اور تنور سے ڈھکنا و سرپوش اتار کر ایک ٹولی کے لئے کھانا برتن میں ڈالتے تھے تو پھر دیگچے اور تنور پر ڈھکنا و سرپوش دے دیا جاتا۔ جب دوسری ٹولی کے لئے ڈھکنا و سرپوش اتارتے تو دیگچہ گوشت سے پُر ہوتا اور تنور میں روٹیوں کی کمی نہ ہوتی۔ جابر کہتا ہے کہ سب سے آخر ہم نے خود کھایا اور ہمسایوں کو کھلایا اور اس کے بعد کافی دنوں تک ہم اسے کھاتے رہے۔ یہ روایت باختلاف الفاظ صحیح بخاری سے بھی نقل کی گئی ہے۔

**تیسرا معجزہ** بشر بن سعد کی لڑکی روایت کرتی ہے کہ جن دنوں خندق کی کھدائی شروع تھی تو مجھے میری ماں نے ایک مٹھی بھر خرما دے کر حکم دیا کہ اپنے باپ اور ماموں کو جا کر دے جو خندق کی کھدائی میں مصروفِ عمل تھے تاکہ خالی پیٹ نہ رہیں اور یہی ان کا صبح کا کھانا تھا (قحط کا زمانہ تھا اور پیٹ بھر کر کھانا میسر نہ تھا) وہ کہتی ہے میں اپنے باپ اور ماموں کو تلاش کر رہی تھی کہ حضورؐ نے مجھے دیکھ لیا۔ پس اپنے پاس بلا کر مجھ سے دریافت کیا کہ یہاں کیوں آئی ہو؟ پس میں نے بیان کیا کہ باپ اور ماموں کے لئے صبح کے کھانے کے بجائے ایک مٹھی بھر خرما لائی ہوں اور ان کو تلاش کر رہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ مجھے دے دو چنانچہ میں نے وہ چند خرمے آپ کے دستِ حق پرست پر ڈال دیئے۔ آپؐ نے ایک چادر کے دامن میں رکھ کر اوپر کپڑا ڈال دیا اور ایک شخص کو حکم دیا کہ خندق میں کام کرنے والے تمام لوگوں کو بلا لو۔ چنانچہ اُس نے تعمیلِ ارشاد میں سب لوگوں کو بلا لیا۔ آپ نے فرمایا اس کپڑے سے خرمے نکال کر کھاتے جاؤ پس سب آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں اور اپنے کام پر واپس چلے گئے اور جب دیکھا تو جس قدر کھجوریں لائی تھیں اسی قدر ابھی موجود تھیں۔

**القصہ** لشکرِ قریش کے پہنچنے سے تین روز پہلے خندق مکمل ہو گئی۔ اپنی ضروری آمد و رفت کے لئے اس میں آٹھ دروازے رکھے گئے اور ایک ایک گروہ کو بطور محافظ کے ان پر تعینات کیا گیا اور ہر گروہ کی سرکردگی دو دو آدمیوں کے حوالے کی ایک انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں سے پس کفارِ مکہ اپنے حلیف قبائل کے ہمراہ پہنچ گئے اور انہوں نے جرف اور غابہ کے درمیان بروایت برہان مقام عقیق پر اپنے ڈیرے ڈال کر مورچے جما لئے اور یہ مدینہ سے جانب غربی میں ہے اور قبیلہ غطفان نے مشرقی جانب کوہِ اُحد کے دامن میں خیمے نصب کر لئے اور اسی کے متعلق قرآنی ارشاد ہے وَاِذْجَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ

مِنْكُمْ ۔ یاد کرو جب دشمن تمہارے اوپر کی طرف سے (مشرق کی طرف سے) اور نیچے کی جانب سے (مغرب کی طرف سے) تم پر گھیرا ڈال چکا تھا اور تفسیر برہان میں قریش و دیگر عرب افواج کا مقام نزول مدینہ کی شرقی جانب اور بنو قریظہ کا محاصرہ غربی جانب سے لکھا ہے اور یہ کہ بنو قریظہ کی الگ بستی مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھی اور اس جگہ کا نام بئرالمطلب تھا۔ کفارِ مکہ نے مدینہ سے باہر اپنے فوجی ٹھکانے مضبوط کرنے کے بعد حی بن اخطب سے خواہش کی کہ حسبِ وعدہ بنو قریظہ کو مسلمانوں سے عہد شکنی پر آمادہ کرے اور ان سے ہماری کمان میں رہ کر اہلِ اسلام سے جنگ کرنے کا عہد و پیمان لے چنانچہ وہ پوشیدہ شب میں بنو قریظہ کی آبادی میں پہنچا جب کہ بنو قریظہ اپنے مضبوط قلعہ کا دروازہ بند کرکے سوئے ہوئے تھے۔ اس نے قلعہ کے دروازہ پر دستک دی تو بنو قریظہ کے سردار کعب بن سعد نے جان لیا کہ یہ حی بن اخطب ہی ہوگا پس اس نے اپنی عورت سے کہہ دیا کہ یہ تمہارا بھائی ہے جس کی بدبختی نے پوری قوم بنو نضیر کو مدینہ سے جلاوطن ہونے پر مجبور کیا۔ اب وہ ہماری بدبختی کے لئے آیا ہے اور اہلِ اسلام سے ہمیں عہد شکنی کی دعوت ہی دیتا ہے اس کا مقصود ہوگا حالانکہ مسلمانوں کا حسنِ سلوک ہمیں قطعاً عہد شکنی کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ اس نے دربان کو حکم دیا کہ اس خبیث النفس کے لئے دروازہ ہرگز نہ کھولا جائے اس نے کعب کے نام آواز دی کہ میں حی بن اخطب ہوں دروازہ کھولو۔ اُدھر سے کعب نے جواب دیا کہ تو منحوس دنا مبارک ہے تیری وجہ سے بنو نضیر کو بُرے دن دیکھنے نصیب ہوئے اب ہمارے لئے بھی تو کوئی بُرا پیغام لایا ہوگا۔ ہم مسلمانوں سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنے کے لئے کسی قیمت پر رضامند نہیں ہیں تم چلے جاؤ۔ ہم دروازہ ہرگز نہ کھولیں گے۔ حی بن اخطب نے جو انتہائی رُوباہ صفت انسان تھا کہا بھائی میں تیرے گھر سے روٹی نہیں کھاؤں گا۔ جس کا تجھے ڈر ہے میں تو ایک خیر خواہی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ جب اس نے بخل کا طعنہ دیا تو کعب نے دروازہ کھول دیا اور کہا تو چونکہ دروازہ سے ہم پر داخل ہوا ہے۔ بتاؤ کیا کہنا چاہتا ہے۔ حی نے کہا مکہ کے قریشی اور عرب کے تمام جنگجو قبائل دس ہزار کی تعداد میں اہلِ اسلام سے لڑنے آئے ہیں اور وہ ان کے نام ونشان کو مٹا کر واپس ہوں گے۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اہلِ اسلام کے عہد و پیمان کو توڑ دو اور قبائلِ عرب کے ساتھ اتفاق کرلو اور اگر تم نے سستی کی تو بہت پچھتاؤ گے لہٰذا اس موقعہ کو ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دو۔ کعب نے کہا یہ کھوکھلے بادل ہیں جو گرجتے ہیں اور برستے نہیں ہم نے محمد سے شرافت نجابت اور حسنِ سلوک اور مکارم اخلاق کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا لہٰذا ہم اپنے عہد کو قطعاً نہ توڑیں گے اور اس خفیہ بات چیت میں بنو قریظہ کے تمام اکابر علماء و امراء شریک تھے ان میں سے زبیر بن باطا جو نہایت سن رسیدہ تھا اور آنکھوں سے نابینا مگر تجربہ کار تھا کہنے لگا کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ خدا آخری زمانہ میں ایک نبی بھیجے گا جو مکہ میں مبعوث ہوگا اور مدینہ کی طرف ہجرت کرکے آئے گا۔ وہ زین کے بغیر گدھے کی سواری کرے گا اور وہ سر پر چادر اوڑھے گا۔ روٹی کے چند ٹکڑوں اور کھجوروں پر اس کی بسراوقات ہوگی۔ ہنس مکھ ہونے کے باوجود جنگجو و بہادر ہوگا۔ اس کی آنکھوں میں سُرخی اور کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔ تلوار کو حمائل رکھے گا اور کسی خطرے کے مقام سے خوفزدہ نہ ہوگا اور انتہائے عالم تک اس کی سلطنت کا سکہ ہوگا۔ اگر یہ وہی ہے تو عربوں کے یہ لشکر اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے اور نہ اس کو اس قسم کے اجتماعات گھبراہٹ میں ڈال سکتے ہیں بلکہ وہ سر بلک پہاڑوں سے بھی ٹکرانا ہونا چاہے تو غالب

رہے گا۔ حیی بن اخطب نے ازراہِ حسد و عناد اس پر بڑھتے ہوئے بات کاٹ کر کہا کہ یہ وہ نہیں ہے کیوں کہ یہ اسماعیل کی اولاد سے ہے اور آنے والے نبی کو بنی اسرائیل سے ہونا چاہیے۔ بہرکیف حیی بن اخطب بنو قریظہ کو اپنی شیطانی چالوں سے گمراہ کرنے میں بالآخر کامیاب ہو گیا اور ان کا عہد نامہ لے کر پھاڑ ڈالا اور انہیں جنگ کی تیاری کا پیغام دے کر واپس پلٹا۔

مسلمانوں نے ایک طرف کفارِ عرب کا انبوہِ کثیر دیکھا اور دوسری طرف بنو قریظہ کی عہد شکنی کی خبر بھی سنی تو ان کی حالت وہی تھی جس کو قرآنِ مجید نے بیان کیا ہے کہ خوف کے مارے ان کی آنکھیں نکل آئیں اور کلیجہ منہ کو آ گیا اور بعض لوگوں نے اللہ کے وعدوں پر بھی بدظنی شروع کر دی اور منافقین کو مسلمانوں میں بددلی پھیلانے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ حضورؐ نے زبیرؓ کو یہودیوں کی طرف حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تو انہوں نے بھی واپس آ کر یہ جواب دیا کہ وہ برسرِ پیکار ہیں اور لڑائی کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ چنانچہ اپنے قلعے اور مورچے مضبوط کر رہے ہیں اور حفاظتی تدابیر کو عمل میں لا رہے ہیں۔ پھر آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو بھیجا جو قبیلہ اوس سے تھے اور بنو قریظہ اور قبیلہ اوس کی آپس میں دوستی تھی پس انہوں نے جا کر انہیں خوب سمجھایا لیکن وہ نہ مانے اور آخر گالی گلوچ پر اتر آئے۔ پس مسلمانوں کا یہ وفد یہودیوں سے ناکام واپس پلٹا اور حضورؐ کو ان کے ناپاک عزائم کی اطلاع دے دی۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس زیادہ ہوا جس کی قرآنِ مجید حکایت کر رہا ہے کہ مومنوں کی سخت آزمائش کی یہ گھڑی تھی۔

| |
|---|
| هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١٢﴾ وَإِذْ |
| وہیں آزمائے گئے ایمان والے اور ہلا دیے گئے سخت ہلایا جانا اور جب کہ |
| يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَ |
| کہتے تھے منافق لوگ اور جن کے دلوں میں بیماری تھی نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ |
| رَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ |
| اور اس کے رسول نے مگر دھوکا کا۔ اور جب کہا ایک گروہ منافقوں نے اے مدینہ والو نہیں جگہ ہے |
| لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ |
| تمہارے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں پس پلٹ جاؤ اور ان میں سے ایک فریق نبی سے اجازت مانگنے لگا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ |

زُلْزِلُوا۔ یعنی ان کے پاؤں میں لغزش پیدا کی گئی تاکہ صراطِ مستقیم سے ڈگمگا جائیں۔

وَاِذْ یَقُوْلُ۔ منافق لوگوں کو کہنے کا موقعہ مل گیا کہ تمہارا رسول تو تم کو قیصر و کسریٰ اور یمن و شام کی فتوحات کی خبریں سنا رہا تھا۔ اس کا وہ وعدہ کہاں گیا۔ پس جن لوگوں کا ایمان کمزور تھا وہ سب بددل ہو گئے۔

وَاِذْ قَالَتْ۔ یعنی خوف کی حالت یہ تھی کہ بعض لوگوں نے بھاگ جانے کی ٹھان لی تھی اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اب تمہارا یہاں ٹھہرنا فضول ہے۔

بعض لوگوں نے گھر کے اکیلے ہونے کا بہانہ کر کے حضور سے چھٹی کی درخواست کی تھی جس کو قرآن مجید
نے فاش کر دیا کہ یہ بھاگنے کا بہانہ ہے اور جب کفارِ مکہ اور یہود یعنی قریظہ کا آپس میں گٹھ جوڑ ہو گیا تو یہودیوں نے کفارِ مکہ
کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں پر رات کی تاریکی میں شب خون مارا جائے جس کی اطلاع حضور تک بھی پہنچ گئی پس آپ نے
شہر کی آبادی محلات و قلعہ جات کی حفاظت کے لئے دو سو فوجی سپاہیوں کی جماعت کے ساتھ سلمہ بن اسلم کو تعینات فرما دیا
چنانچہ اس کے بعد کفار و یہود شب خون کی جرأت نہ کر سکے

جب لشکر کفار پوری تیاری کے ساتھ برائے لڑائی کے لئے قریب پہنچا تو خندق کے حفاظتی انتظام کو دیکھ کر ششدر رہ
گئے بس خندق کے اردگرد فوجی محاصرہ کر لیا گیا اور جانبین سے تیر اندازی شروع ہو گئی مسلمانوں کی جماعتیں خندق پر حفاظتی دستے
ہر وقت مصروف گشت رہتے تھے تاکہ اندر گھسنے کی جسارت نہ کر سکیں اور ہر وقت حضور بنفسِ نفیس خندق کے کنارے
پر پہرہ داروں کے ساتھ گھوما کرتے تھے (۱۸) [illegible]
قبیلہ غطفان و فزارہ کو کچھ دے کر واپس چلے جانے کی پیشکش کی گئی جو ان لوگوں نے برضا مندی کا اظہار کیا لیکن جب مسلمانوں
کی بھری محفل میں اس تجویز کو زیرِ غور لایا گیا تو سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے کہا اگر اللہ بذریعہ وحی کے حکم دے دے تو ہمیں
تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اگر ہماری مرضی پر چھوڑا جائے تو قطعاً عرب قبائل کو کسی لالچ کے ذریعے سے واپس کرنے پر ہم
رضا مند نہ ہوں گے کیونکہ اس طریقہ سے تو وہ لوگ الٹے ذہن ہمیں تنگ کریں گے اور ان کی للچائی ہوئی نگاہیں ہر وقت ہماری
آبادیوں کے تعاقب میں رہیں گی (۱۹) [illegible] اور کبھی ان کو اہل اسلام
پر چڑھ دوڑنے کی جرأت نہ ہو گی اور اس سلسلہ میں ہم خون کا آخری قطرہ قربان کر دینے سے گریز نہ کریں گے۔ جب قبائل
عرب کے سرداروں نے انصارِ مدینہ کے جرأت مندانہ الفاظ اور سرفروشانہ گفتگو سنی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور دلوں پر
رعب طاری ہو گیا

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کفار کا محاصرہ طول پکڑ گیا اور جنگ شروع ہو گئے کہ طرفین میں صرف تیر اندازی
ہی ہوتی رہی۔ بروایت معارج وہ عمرو بن عبدود کے پیچھے پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے لیکن خندق کو پار نہ کر سکے آخر کار
کفار کے پانچ جوانوں نے خندق عبور کرنے کا تہیہ کر لیا اور ان کے نام یہ ہیں (۱) عمرو بن عبدود عامری (۲) عکرمہ بن ابوجہل (۳)
ضرار بن خطاب (۴) ہبیرہ ابن وہب (۵) نوفل بن عبد اللہ یہ لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور خندق کے اردگرد چکر
لگا کر ایک تنگ مقام سے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر اندر آ گئے اور سب سے پہلے عمرو بن عبدود کے گھوڑے نے چھلانگ لگائی
یہ شخص قریش کا نامی گرامی پہلوان تھا اور مشہور شہسوار تھا یہ جنگ بدر میں شریک کارزار تھا اور زخمی ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے
وہ اُحد میں شریکِ جنگ نہ ہو سکا تھا اور اس کو ایک ہزار جوان کے برابر سمجھا جاتا تھا اور اس کا لقب فارس یلیل تھا جس کی وجہ یہ
ہے کہ ایک دفعہ قافلہ قریش میں یہ شخص موجود تھا جب مقام بدر کے قریب وادیِ یلیل میں پہنچے تو قبیلہ بکر کافی تعداد میں ان سے

سب پھر پیدل ہو گیا بلکہ انہی جانے سبب قافلہ والوں سے پہلے جانے کر کہا اور خود تنہا ان کے مقابلے میں کھو گیا یوں گویا کہ ڈٹ گیا حتی کہ سب کو مار بھگایا اور مدارج النبوۃ میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ قریش کا ایک قافلہ سفر تجارت میں رہا تھا اور عمرو بن عبد ود بھی ان میں موجود تھا، اچانک نہیں خبر ملی کہ ایک ہزار کھتر وں کا لوٹنے کے لیئے راستہ میں موجود ہیں تمام قافلہ والوں میں یہ خبر وحشت اثر سن کر خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی اور ہر شخص کو اس سے پہلے اپنی جان کی فکر تھی چنانچہ جونہی ڈاکو ظاہر ہوئے تو اس شخص (عمرو بن عبد ود) نے تلوار نیام سے نکالی اور شیر کی طرح ان پر حملہ آور ہو گیا اور اس کی جرات و جسارت کو دیکھ کر تمام ڈاکو بھاگ گئے اور پورے قافلہ کو کوئی گزند نہ پہنچ سکا اور ایک روایت میں ہے کہ ایک اونٹ کے بچے کو ایک ہاتھ میں اٹھا کر

عَوْرَةٌ ۚ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا

حالانکہ نہیں تھے وہ غیر محفوظ وہ صرف بھاگنا ہی چاہتے تھے ۔ اور اگر گھس آتے ان پر (مدینہ کی) اطراف سے

ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوا

پھر ان سے فتنہ (شرک) کا مطالبہ کیا جاتا تو یہ مان لیتے اور نہ توقف کرتے مگر تھوڑا ۔ اور تحقیق اس سے

عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾

پہلے وہ اللہ کے ساتھ عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کیئے ہوئے عہد کی باز پرس

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا

ہو گی ۔ کہہ دیجیئے نہ فائدہ دے گا تم کو بھاگنا اگر تم موت سے بھاگو یا قتل سے اور پھر (اگر بچ بھی جاؤ تو)

لَا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ

نہ نفع پاؤ گے مگر تھوڑا ۔ حیاتِ دنیاوی ، کہہ دیجیئے کون تم کو بچا سکے گا

اسے ڈھال بنا لیا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر لڑتا رہا یہاں تک کہ دشمن تتر بتر ہو گئے (اوراق الاحزاب)

پھر کچھ عرصہ بعد عمرو بن عبد ود خندق عبور کر کے اپنے ساتھیوں سمیت اندر گھس آیا تو حضرت علی علیہ السلام نے چند دوسرے جوانوں کو ساتھ لے کر اس جگہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا جہاں سے وہ گذرے تھے تا کہ ان کے بعد کوئی دوسرا اندر نہ آ سکے اور جو آ چکے ہیں وہ واپس نہ جا سکیں عمرو بن عبد ود نے خندق عبور کر کے کوہ سلع کے دامن تک گھوڑے کو جولان دیا اور پھر نیزہ کو زمین میں گاڑ کر ھل من مبارز کی آواز بلند کی اور قریشی جوان و نبائل عرب کے دوسرے بہادر خندق کے پرلے کنارے پر صف بستہ کھڑے ہو گئے ۔ ادھر جن لوگوں نے عمرو بن عبد ود کی شجاعت و بہادری کا حال سنا تھا وہ سناٹے میں آ گئے ۔ عمرو بن عبد ود نے رجز خوانی میں چند اشعار پڑھے جن میں اس نے اپنی شجاعت و جرات کا ذکر کیا ۔ یہ شخص سرا پا لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور مبارز طلبی کرتے ہوئے اس نے ڈینگیں مارنا بھی شروع کر دیا چنانچہ اس نے کہا مسلمانو! اب تمہاری جنت کہاں گئی جس کے متعلق تمہارا خیال تھا جو مارا جائے وہ سیدھا جنت میں جاتا ہے اور جناب

وہاں سے بھاگ نہیں سکتے تھے من الله الكاذب دیتے کوئی جواب کسی مشورہ کرا لیکن ایک بھی بھاگ جانے کی جرأت نہ تھی

اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ

اگر وہ تم پر مصیبت کا ارادہ کرے یا تم پر مہربانی کرنے کا ارادہ کرے اور نہیں پائیں گے وہ اپنے

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۱۷ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ

لئے اللہ کے سوا کوئی کارساز و مددگار تحقیق جانتا ہے اللہ روکنے والوں کو تم میں سے اور

وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۸

ان کو جو اپنے بھائیوں سے کہتے تھے ہمارے پاس آ جاؤ اور وہ خود بھی نہیں آتے لڑائی میں مگر کم

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ښ فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ

وہ بخیل ہیں تمہارے اوپر جان و مال کے لحاظ سے، پس جب خوف کا وقت آئے تو ان کو دیکھو گے کہ تمہاری طرف ان کی

اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ

نظریں لگی ہیں ان کی آنکھیں اس طرح چکر لگاتی ہیں جس طرح کہ ان پر موت کی غشی طاری ہو پس جب خوف چلا جائے

بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَي الْخَيْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ

تو تیز طرار زبانوں کے ساتھ تمہیں ملیں گے کہ نیکی کرنے پر زیادہ حریص معلوم ہوں گے ایسے لوگ مومن نہیں پس حبط کر دئیے

اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۱۹ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ

اللہ نے ان کے اعمال اور یہ ہے اللہ پر آسان وہ خیال کرتے ہیں لشکر

لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ

(واپس) نہیں گئے اور اگر آ جائیں لشکر تو یہ دوست رکھیں گے کہ کاش وہ بادیہ نشین ہوتے عربوں میں کہ

فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا

پوچھتے تمہاری خبروں کے متعلق اور اگر تم میں ہوتے بھی تو نہیں لڑائی میں

قد یعلم اللہ

عمرو بن عبدود کی آواز سن کر بعض لوگ اور بالخصوص منافق لوگ دوسروں کی بھی ہمت شکنی کرتے تھے چنانچہ تفسیر برہان میں ہے کہ ایک مہاجر مسلمان جس کے نام کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے سے کہا دیکھو یہ شیطان عمرو ہے اس کے ہاتھ سے بچ کر نکل جانا بہت مشکل ہے کیوں نہ ہو کر خود رسول اللہ کو اس کے سامنے بھیج دیں اور اپنی پچھلی برادری کے ساتھ مل جائیں پس اسی وقت یہ آیت اتری کہ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور ان کے حوصلے پست کرتے ہیں وہ خود بھی جنگ سے کتراتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنے پاس ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی

دکھوٹ ہوا کرتے ہیں ایسے منافق لوگ اس بات کو بھی گوارا نہیں کرتے کہ تمہاری فتح ہو اور اپنی جان و مال کے لحاظ سے وہ پوری طرح بخیل ہیں اور تمہاری بھلائی بھی نہیں کرنا چاہتے۔ خوف کے وقت تو ان کی آنکھوں کو مرنے والے کی طرح آرام نہیں آتا لیکن جب خطرہ ٹل جائے تو پھر ڈینگیں مارتے ہیں اور تیزی و طراری سے اپنی شجاعت کی داستانیں بیان کرتے ہیں اور نیکی پر اپنا حق بھی بہت جتاتے ہیں تاکہ مال غنیمت سے حصہ ملے ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں ان کو ان کی ظاہری نیکی کا کوئی اجر نہیں ملے گا کیونکہ یہ صرف ریاکاری ہے

**القصہ،** جب عمرو بن عبدود کی للکار پر کسی صحابی میں لبیک کی جرات نہ ہوئی تو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے دست بستہ بارگاہ نبوی میں عرض کی حضور میں حاضر ہوں آپ نے پھر صحابہ کی طرف رخ کر کے فرمایا کوئی ہے جو اس کے مقابلہ میں جائے لیکن خاموشی طاری رہی اور حضرت علیؑ نے پھر اپنے آپ کو پیش کیا لیکن آپ خاموش رہے جب عمرو بن عبدود نے تیسری بار مبارز طلبی کرتے ہوئے کہا کہ کیا تمہارے بھرے مجمع میں کوئی بھی مرد میدان نہیں ہے؟ تو پھر حضرت علیؑ نے کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کی کہ حضورؐ میرے اوپر نظر کرم فرمایئے اور اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا یا علیؑ یہ عمرو بن عبدود فارس یلیل ہے تو حضرت علیؑ نے جواب دیا سرکار! میں علی ابن ابی طالب ہوں پس علیؑ کو اپنے قریب کیا اپنی زرہ پہنائی اور تلوار ذوالفقار علیؑ کو عطا کی اور اپنا عمامہ سحاب علیؑ کو اپنے دست حق پرست سے باندھا جس کے نو پیچ ہوئے اور یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ احْفَظْہُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ وَمِنْ فَوْقِہٖ وَمِنْ تَحْتِہٖ (اے اللہ اس کی حفاظت کر سامنے سے پیچھے سے دائیں و بائیں سے اور اوپر و نیچے سے پس علیؑ دوڑ کر میدان میں اس طرح پہنچے جس طرح شیر اپنی مار پر آتا ہے۔ تفسیر برہان میں ہے حضورؐ نے اپنی مشہور زبان زد عوام حدیث ارشاد فرمائی بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الشِّرْکِ کُلِّہٖ یعنی سارے کا سارا ایمان سارے کے سارے شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ اور مدارج میں ہے کہ حضورؐ نے یہ دعا بھی فرمائی اے اللہ میرے چچا حمزہ کو تو نے احد میں مجھ سے جدا کیا اور عبیدہ کو جنگ بدر میں تو نے لے لیا یہ میرا بھائی علیؑ میدان میں جا رہا ہے۔ اس کی نگہبانی فرما اور مجھے تنہا نہ چھوڑ اور پھر چند قدم ساتھ بھی چلے اور علیؑ کو رخصت فرمایا حضرت علیؑ نے میدان کارزار میں قدم رکھتے ہی رجزیہ اشعار پڑھے جو عمرو کے رجزیہ اشعار کا جواب تھے۔

جب دو بدو ہوئے تو عمرو نے پوچھا آپ کون ہیں۔ علیؑ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں تو عمرو بن عبدود نے کہا تم کمسن لڑکے ہو اپنے چچوں اور بزرگوں میں سے کسی کو بھیجو میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا میں یقیناً تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے عمرو نے کہا تیرے باپ کی اور میری آپس میں گہری دوستی تھی اور اس دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ میں تیرا خون گرانا پسند نہیں کرتا آپ نے فرمایا میں تیرا خون گرانا یقیناً پسند کرتا ہوں اور وارد ہے کہ عمرو نے طیش میں آ کر یہ بھی کہا کہ کیا تیرے چچا زاد رسول اللہ کو تجھ پر رحم نہ آیا کہ تجھے قتل ہونے کیلئے میرے مقابلہ میں بھیج دیا میں اگر چاہوں تو تجھے نیزے کی انی میں پرو کر ایک ہاتھ سے اوپر اٹھا لوں کہ تو آسمان و زمین کے درمیان موت و حیات کی کشمکش میں لٹکتا رہے اور

تجھے چھوڑانے والا بھی کوئی نہ ہوگا آپ نے اس کی بات کا جواب نہایت متانت سے دیا کہ میرے چچا زاد رسول اللہؐ نے مجھے جان بوجھ کر بھیجا ہے کہ اگر قتل ہو جاؤں گا تب بھی میں جنتی ہوں گا اور تو جہنم میں جائے گا اور اگر تجھے قتل کروں گا تب بھی میرے لئے جنت اور تیرے لئے دوزخ ہوگا۔ آپ نے فرمایا وقت ضائع کرنے کے بجائے میں تیرے سامنے تین باتوں سے ایک کے اختیار کرنے کی پیشکش کرتا ہوں اور تو نے غلاف کعبہ کو پکڑ کر یہ عہد کیا ہوا ہے کہ میدان جنگ میں میرے سامنے جو شخص تین چیزیں پیش کرے گا ان میں سے ایک کو ضرور اختیار کروں گا عمرو بن عبدود نے جواب دیا بے شک آپ بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا پہلی بات تو یہ ہے کہ کلمۂ اسلام قبول کر لو اور توحید و نبوّت کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ اس نے جواب دیا یہ تو قابل قبول نہیں۔ آپ نے فرمایا دوسری بات یہ ہے کہ جنگ کئے بغیر فوجوں کو واپس لے جاؤ۔ اگر حضرت رسول اللہ اللہ کے سچے رسولؐ ہیں تو یہ تمہارے لئے باعث عزت و فخر ہے اور اگر معاذ اللہ جھوٹے ہیں تو عرب کی دوسری قومیں اس کا کام تمام کر دیں گی اور تمہارا مطلب لڑائی کے بغیر پورا ہو جائے گا۔ اُس نے کہا اس سے میری بزدلی ثابت ہوگی اور قریش کی عورتیں اور عرب کے شعراء مجھے بُرے القاب سے یاد کریں گے لہٰذا میں اس ذلت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور جنگ بدر میں زخم کھانے کے بعد میں نے منّت مانی تھی کہ جب تک جنگ بدر کا انتقام نہ لوں گا سر پر تیل کی مالش نہ کروں گا (معارج) آپ نے فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ جنگ کے لئے تیار ہو جا اور جس طرح میں پیادہ ہوں تو بھی گھوڑے سے اُتر کر میرے ساتھ نبرد آزمائی کر پس وہ فوراً گھوڑے سے اُترا اور گھوڑے کے چاروں پیر کاٹ دیئے اور آمادہ پیکار ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ طرفین نے ایک دوسرے پر ضربت وار کئے اور اس قدر گرد و غبار بلند ہوا کہ دونوں بہادر اس کے اندر چھپ گئے پس عمر بن عبدود نے پورے زور سے حضرت علیؑ پر تلوار سے حملہ کیا جس کی ڈھال آہنی ڈھال، فولادی خود اور دستار مبارک کو کاٹتی ہوئی سر اطہر کو زخمی کرنے میں کامیاب ہوئی حضرت علیؑ نے اس کو للکارا اور فرمایا جوان مرد سے لڑنے کے لئے اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لانا شیوہ شجاعت نہیں ہے اُس نے جونہی توجہ ہٹا کر مڑ کر دیکھا تو علیؑ کی تلوار اس کے قدموں کو کاٹ کر اسے زمین پر چت لیٹنے پر مجبور کر چکی تھی پس تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کرنے کو ہی تھے کہ بنا بر مشہور اس نے آپ کے منہ کی طرف تھوک دیا۔ آپ نے غصّہ کو پی کر اُسے ایک دفعہ چھوڑ دیا چنانچہ دیکھنے والوں کی حیرت کی حد نہ رہی کہ جب گرد و غبار کم ہوا تو گرے ہوئے دشمن سے علیؑ کو الگ پایا لیکن ایک یا دو لحظہ بعد علیؑ نے اس کا سر قلم کیا اور نہایت ناز و ادا سے چلتے ہوئے واپس بارگاہ نبوی میں پہنچے۔ حالت یہ تھی کہ آپ کے سر مبارک سے خون کی دھار بہہ رہی تھی اور تلوار کی دھار سے دشمن کا ناپاک خون ٹپک رہا تھا اور بنا بر مشہور آپ نے دریافت کیا کہ دشمن کو گرا کر چند لمحوں کے لئے اس کو چھوڑ کر الگ کیوں ہو گئے تھے تو علیؑ نے جواب دیا اس نے ازراہ گستاخی میری طرف تھوکا تھا جس سے میری طبیعت میں غصّہ کی ایک لہر دوڑ گئی تھی اور میں نے سوچا کہ یہ جہاد اللہ کے لئے ہے لہٰذا دشمن کو قتل کرنے میں اپنے ذاتی جذبات کو شامل نہ کروں اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب طرفین کی رد و بدل میں گرد و غبار بلند ہوا تو حضرت علیؑ نے بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت

میں میری جان ہے علیؑ نے عمرو کو مار گرایا ہے چنانچہ یہ منظر آنکھوں سے دیکھنے کے لئے عمر بن خطاب سب سے پہلے رزم گاہ میں پہنچے اور دیکھا کہ حضرت علیؑ دشمن کو قتل کر کے اس کی قمیص سے تلوار کو صاف کر رہے تھے پس واپس پلٹ کر حضورؐ کو علیؑ کی فتح کی خبر سنائی۔ معارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے عمرو کو قتل کرنے کے بعد اس کی قیمتی پوشاک اور زرہ و دیگر قیمتی سامان جنگ کی طرف نظر التفات نہ کی اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی فاتحانہ چال پر کسی نے زبان طعن دراز کی کہ یہ متکبرانہ ادا ہے تو حضورؐ نے فرمایا بے شک اللہ کو تکبر پسند ہے لیکن دشمن دین کے مقابلہ میں یا ہذا متکبرانہ انداز اللہ کو پسند نہیں ہے اور جب عمرو کا سر کاٹ کر ایک کر اٹھاتے ہوئے نازو ادا کے ساتھ تلوار لہراتے ہوئے پیغمبرؐ تک پہنچے تو عمر بن خطاب نے آپ سے دریافت کیا یا علیؑ دشمن کی قیمتی زرہ آپ نے کیوں نہ اتاری حالانکہ پورے عرب میں اس کی زرہ کی کوئی مثال نہیں ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس سے حیا ہے یہ بعید ہے کہ دشمن کو قتل کرکے اس کے جسم کو عریاں کر دوں۔ حضرت رسالتمآبؐ نے علیؑ کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش فرمایا۔ اَلْبَشِرْ يَا عَلِيُّ فَلَوْ وُزِنَ الْيَوْمَ

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢١﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ

شامل ہونے مگر کم — تحقیق ہے تمہارے لئے رسول اللہ (کے عمل) میں اسوہ حسنہ (اچھا نمونہ) اس کے لئے جو

يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢٢﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ

جو بھروسہ کرے اللہ پر اور یوم قیامت پر اور یاد کرے اللہ کو بہت — اور جب دیکھا مومنوں نے

الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَ

لشکروں کو تو کہنے لگے یہ وہی چیز ہے جو ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور سچ فرمایا اللہ نے

رَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٣﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور اس کے رسولؐ نے اور ان کے ایمان و تسلیم میں اضافہ ہی ہوتا گیا — مومنوں میں سے

عَمَلُكَ بِعَمَلِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ لَرَجَحَ عَمَلُكَ بِعَمَلِهِمْ یعنی اے علیؑ تم کو بشارت ہو کہ تیرا آج کا عمل اگر میری ساری امت کے جملہ اعمال کے ساتھ تولا جائے تو تیرا عمل زیادہ وزنی ثابت ہوگا کیونکہ مشرکین کے گھروں میں عمرو کے قتل کی وجہ سے کمزوری داخل ہو چکی ہے اور مومنوں میں برتری اور عزت نفس نے جگہ پالی ہے (برہان) اور مدارج میں یہ حدیث اس طرح ہے مُبَارَزَةُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ یعنی علیؑ کی لڑائی بروز خندق میری امت کے قیامت تک کے تمام اعمال سے افضل ہے اور اس حدیث کی زبان زد عوام اور مشہور عبارت اس طرح منقول ہے ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ یعنی علیؑ کی خندق کے دن کی ایک ضرب جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔

تفسیر برہان میں ہے کہ عمرو بن عبدود کے قتل ہو جانے کے بعد ہبیرہ بن وہب کے مقابلہ کے لئے آپ نے زبیر

کو بھی چنانچہ زبیر نے ہبیرہ کا ایک ضرب سے کام تمام کر دیا اس کے بعد آپ نے ضرار بن خطاب کا مقابلہ کیا [illegible] عمرو
بن خطاب کو دعوت [illegible] عمر نے [illegible] اسے تہہ تیغ کرنا چاہا لیکن ضرار نے دھمکی دی کہ [illegible] سخت [illegible] لڑائی میں تیر کا
استعمال لڑائی کے اصولوں کے خلاف ہے اگر تم نے ایسا کیا تو یاد رکھو مکہ میں رہنے والے تمام بنی عدی کے افراد کو میں موت
کے گھاٹ اتار دوں گا یہ سن کر حضرت عمر رک گئے [illegible] اور ضرار نے [illegible] کے سر پر نیزے کا ایک
ہلکا سا وار کیا اور کہا کہ [illegible] عمر [illegible] یاد رکھنا [illegible] میں [illegible] کہ [illegible] قریشیوں کے قتل نہ کرنے
کی قسم کھائی ہے اور حضرت عمر کو [illegible] اس کے بعد نوفل بن عبد اللہ مخزومی اور عکرمہ نے
راہ فرار اختیار کی لیکن نوفل [illegible] بھاگتے ہوئے [illegible] کا گھوڑا [illegible] اور وہ خندق میں گر گیا [illegible]
پر پتھر برسانے شروع کر دیئے [illegible] (۶۱) [illegible]
کا کام تمام کر دیا اور [illegible] ابوجہل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اہل کفار نے اپنے مقتول مردوں کے بدلے میں رقم دے
کر خریدنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا [illegible] کی قیمت [illegible] (۶۲) [illegible]
کی بہن جب بھائی کی لاش [illegible] کہنے لگی میں اس بات پر خوش ہوں کہ میرے بھائی کا قاتل کوئی شریف النفس انسان
تھا اللہ اپنے مرثیہ میں اس نے اس بات کا اعلان کیا کہ اگر اس قاتل کے علاوہ میرے بھائی کا کوئی اور قاتل ہوتا تو میں اپنے
بھائی کے غم میں ہمیشہ روتی رہتی [illegible]
اپنی نظیر آپ ہے [illegible] نے اس کے قیمتی لباس اور زرہ کو نہ اتارا تھا جس زمانہ میں خندق کھودی جا رہی تھی انہی دنوں
بنی نعیم بن مسعود اشجعی [illegible] ہوا اور اسلام کی صداقت [illegible] اسلام لائے [illegible] کفار قریش کے ساتھ
[illegible] (۶۳) [illegible]
اچھے مراسم تھے اور یہودیوں کے ساتھ بھی دوستانہ تھا عساکر کفار کے مدینہ تک پہنچنے سے تین دن پہلے یہ شخص پکا مسلمان ہو
چکا تھا چنانچہ جب [illegible]
کی ضرورت ہو تو خون کا آخری قطرہ بھی نصرت اسلام کے لئے بہا دینے میں [illegible] نہیں کروں گا اگر آپ چاہیں تو [illegible] مشرکین
میں پھوٹ ڈال سکتا ہوں [illegible] آپ نے فرمایا تیری شخصی امداد سے لشکر کے کفار میں [illegible] کا
پیدا کرنا زیادہ اہم ہے تو اس نے عرض کی اس سلسلہ میں جو بھی طریقہ اختیار کروں مجھے اجازت دیجئے اور ممکن ہے اس
کوشش میں [illegible] آپ نے فرمایا [illegible] اس سلسلہ میں تیری ہر
کوشش جائز ہو گی اور تجھے اس کا اجر ملے گا۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا اس کو اپنی دوستانہ
روش اور سابقہ تعلقات [illegible] پر مطمئن کرنے کے بعد کہا کہ میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری کامیابی کا دل و جان سے
خواہاں ہوں لیکن اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ یہودیوں کا مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ ہو چکا ہے اور یہودیوں نے یہ بات
تسلیم کر لی ہے کہ ہم لشکر کفار کے ساتھ مل کر ان کے چیدہ چیدہ افراد کو قتل کر ڈالیں گے اور مسلمانوں کی کامیابی کا راز بھی اسی

میں مضمر ہے اور اس کارنامہ پر رسول اللہؐ قبیلہ نضیر و قبیلہ قینقاع کے متروکہ املاک ان کو واپس کر دیں گے۔ لہذا تم ہوشیار رہنا اور یہودیوں کے فریب اور جھانسے میں نہ آنا۔ ابوسفیان نے نعیم کی بات سے خوب اثر لیا اور اس کو دل میں جگہ دی۔ پس نعیم نے دوسرے عرب قبائل سے بھی اسی حقیقت کا اظہار کیا۔ اور انہیں بھی یہود کی چالوں سے چوکنا و چوکس رہنے کی دعوت دی اس کے بعد وہ سیدھا بنو قریظہ کے پاس پہنچا اور ان سے اپنے قدیمانہ دوستانہ مراسم کی تجدید کرنے کے بعد کہا میں ایک خیر خواہی کا پیغام لے کر تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا ہے۔ اور کفار قریش سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور اس کا قبول کرنا تمہارے لئے فائدہ مند سمجھتا ہوں کہ کفار قریش اور قبائل عرب دُور دُور سے کھچ کر آئے ہیں اور اہل اسلام کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے۔ تو اُن کی مراد بر آئے گی اور ان کی فتح سمجھی جائے گی لیکن اگر وہ مغلوب ہو گئے یا تھک کر واپس نامراد چلے گئے۔ تو تمہارا کوئی ٹھکانا نہ ہوگا کیونکہ تم میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ جب کفار قریش و عرب تم کو بلائیں تو ان کے دس چیدہ چیدہ افراد کو بطور رہن اپنے گھروں میں رکھ لینا کیونکہ اس طرح وہ بصورت ناکامی واپس کہ نہ جا سکیں گے اور ان کی خاطر باقی قبائل بھی تمہاری نصرت و امداد میں ضرور حصہ لیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مسلمانوں کی زد سے بچ سکو گے بنو قریظہ کو نعیم کی یہ تجویز نہایت پسند آئی۔ اور انہوں نے اس کو خوب سراہا۔ اور مجمع البیان میں اس طرح ہے کہ نعیم نے پہلے یہود سے ملاقات کی اور بعد میں کفار سے آکر کہا۔ کہ یہودیوں اور مسلمانوں کا دوبارہ اس امر پر سمجھوتہ ہوا ہے کہ وہ تم سے چیدہ چیدہ آدمی لے کر ذبح کر ڈالیں گے اور پھر مسلمانوں کے ساتھ مل کر تمہیں شکست فاش دیں گے۔

**رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ**

ایسے مرد ہیں جو ثابت رہے اس پر جو اللہ سے عہد کر چکے تھے ان میں سے کچھ تو چل بسے

**وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۲۳ لِّيَجْزِيَ**

اور کچھ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی تاکہ بدلہ

**اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ**

دے اللہ سچوں کو اپنے سچ کا اور عذاب دے

رِجَالٌ جنگ احزاب میں منافقوں اور مومنوں کے کردار کی الگ الگ نشاندہی کی گئی ہے منافقوں کی حالت کا پہلے ذکر فرمایا کہ جونہی اُن کی نظر کفار کے لشکروں پر پڑی تو وہ اللہ و رسولؐ کے کئے ہوئے وعدوں سے بھی بدظن ہو گئے اور لوگوں میں بھی بددلی پھیلانے کے درپے ہو گئے لیکن مومنوں کی یہ حالت تھی کہ کفار کے لشکر جمع ہوئے تو ان کے چہروں میں نکھار اور ایمان میں جلا پیدا ہوئی اور وہ آپس میں کشادہ پیشانی سے پیش آتے رہے۔ اور کہتے تھے یہ تو وہی ہے جس کا اللہ و رسولؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کیونکہ حضورؐ پہلے سے عساکر کی چڑھائی اور اسلام کی فتح کا مژدہ سنا چکے تھے۔ نیز خندق کی کھدائی کے وقت بھی قیصر و کسریٰ اور یمن کی فتوحات کی خوشخبری دے چکے تھے۔

پس جن لوگوں کے دل مطمئن تھے وہ تہ دل سے سرور تھے اور ان کے ایمان و تسلیم میں اضافہ ہو رہا تھا چنانچہ اس آیت مجیدہ میں فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے سچے دل سے اللہ کے ساتھ عہد کیا ہوا ہے۔ وہ اسے صدقِ دل سے نبھاتے بھی ہیں۔ چنانچہ مومنوں میں سے بعض تو اپنے عہد پر وفا کرتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز یا موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ اور بعض اس کے منتظر ہیں اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے۔ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے مصداق احد و بدر کے شہداء ہیں اور بعض روایات میں حضرت حمزہ کا خصوصیت سے ذکر ہے اور مَنْ يَّنْتَظِرُ سے مراد تمام وہ لوگ ہیں۔ جو عہد خداوندی پر قائم ہیں۔ اور دینِ خداوندی کی خدمت ان کی زندگی کا اصلی مقصود ہے اور روایاتِ اہلِ بیت علیہم السلام میں ہے کہ اس کے مصداق حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

**القصہ** عمرو بن عبدود کے مارے جانے کے بعد کفار میں سے کسی کو خندق پار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اور تفسیر برہان کی روایت کے مطابق محاصرہ نے پندرہ دن طول کھینچا لیکن معارج النبوۃ میں محاصرۂ مدینہ کا کل زمانہ تیئس دن ۲۴ دن ۲۷ دن یا ۲۹ دن مذکور ہے۔ ابوسفیان نے حی بن اخطب کو بلا کر کہا۔ کہ تیرے یہودیوں کی فوج کہاں گئی ان کو بلاؤ تاکہ مل کر کوئی تجویز سوچیں۔ اور مسلمانوں پر ایسا بھرپور حملہ کریں۔ کہ تھوڑے وقت میں اپنے مقصد کی کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں۔ چنانچہ جب حی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس پہنچا اور قریش کا مطالبہ دہرایا۔ تو انہوں نے نعیم بن مسعود کی تجویز کے مطابق قریش کے دس چیدہ آدمی اپنے پاس رہن رکھنے کا مطالبہ کیا تاکہ مسلمانوں پر کامیاب نہ ہو سکنے کی صورت میں قریشی لوگ ہم کو نہ چھوڑ جائیں اور اگر مسلمان بعد میں ہمیں چھیڑنا چاہیں تو قریشی لوگ اپنے سرداروں کی خاطر ہمارا ساتھ دینے پر مجبور ہو جائیں۔ حی بن اخطب نے بلا شرط اُن کے میدان میں آنے پر اصرار کیا۔ اور کہا کہ اب تم مسلمانوں سے عہد و پیمان کو توڑ چکے ہو۔ اور کفار کے ساتھ بھی اگر شریک نہیں ہوتے تو تمہارا عرب میں کوئی غمگسار و مددگار نہ رہے گا۔ بنو قریظہ نے وہی پہلا جواب دیا کہ اگر کفار کی فتح نہ ہو سکے اور وہ واپس چلے جائیں تو ہم اکیلے مسلمانوں سے ارکھاتے رہیں گے لہٰذا ہمارے اطمینانِ قلب کی خاطر قریش کے چیدہ آدمی ہمارے قبضہ میں ہونے چاہئیں۔ حی نے کہا میں حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر قریش نامراد واپس جائیں گے۔ تو میں انجام کار تمہارا شریک ہوں گا کعب نے کہا قریشیوں کی طرف سے بھی ہمیں اسی قسم کا عہد و پیمان چاہیے

الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

دے منافقوں کو اگر چاہے یا ان کی توبہ قبول کرے (اگر توبہ کریں) تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ

اور دفع کیا اللہ نے ان کو جو کافر تھے اپنے غم و غصہ کے ساتھ کہ نہ پا سکے مطلب کو اور بچا لیا اللہ نے

الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ ع ۳

مومنوں کو لڑائی سے اور ہے اللہ قوت والا غالب اور

چنانچہ حی بن اخطب نے واپس آکر ابوسفیان کو یہودیوں کا معاملہ سنایا تو وہ کہنے لگا نعیم نے سچ کہا تھا۔ یہ سؤروں اور بندروں کی اولاد ہمارے ساتھ وفا نہیں کرے گی۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ام طوال سے

بروز ہفتہ ابوسفیان نے عکرمہ بن ابوجہل کو چند اکابر قریش کے ہمراہ بنوقریظہ کی طرف روانہ کیا کہ سردی زوروں پر ہے اور گھاس وچارا کی کمی کی وجہ سے ہماری سواریاں نہایت لاغر ہو چکی ہیں۔ ہم یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھہر نہیں سکتے۔ لہٰذا تم ہمارے ساتھ فوراً مل جاؤ۔ تاکہ مشترکہ کمان میں بھرپور حملہ کر کے اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ یہودیوں نے جواب دیا۔ کہ آج ہفتہ کا دن ہے اور ہمارے لئے یہ دن نہایت مبارک وعید ہے ہم اس دن کی حرمت کو ضائع کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ہم قریش کے ساتھ مشترکہ کمان میں تب شامل ہوں گے جب قریش کے چیدہ افراد ہمیں بطور رہن دیئے جائیں گے تاکہ جنگ کو ادھورا چھوڑ کر واپس نہ جا سکیں جب ابوسفیان کو یہ اطلاع ملی تو اس نے یہود کو پیغام بھیجا کہ ہم ایک آدمی بھی بطور رہن دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اگر ہمارے ساتھ شریک جنگ ہو جاؤ تو ٹھیک ورنہ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی یہودیوں نے کہا۔ واقعی نعیم بن مسعود کی بات سچی نکلی پس اس طرح دشمنان اسلام میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور ان کا شیرازہ بکھر گیا۔

تفسیر برہان میں ہے کہ حضورؐ پہلے خوشخبری اور پیشین گوئی سنا چکے تھے کہ عرب قبائل ہر طرف سے ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ اور یہودی بھی عہد شکنی کریں گے۔ لیکن بالآخر فتح ہماری ہوگی۔ منافقوں کو اس پر باور نہ ہوا۔ اور انہوں نے لشکر کفار کا طویل محاصرہ دیکھ کر قسم قسم کی باتیں بنائیں اور بہانے بنا کر گھروں کو چلے جانے کی اجازتیں بھی مانگیں۔ اور تھوڑے آدمیوں کے سوا اکثریت اس لپیٹ میں آ گئی جس طرح اللہ نے ان کے حال کی سابق آیت میں حکایت فرمائی ہے۔ اس طویل محاصرہ کے دوران حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام ایک فوجی دستے کی کمان کرتے ہوئے ساری رات شہر مدینہ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ اور کسی بھی کافر کو مدینہ کی طرف گھس آنے کا موقعہ نہیں دیتے تھے اور خندق کے پار جا کر قریش کے فوجی کیمپوں کے قریب ایک جگہ نماز ادا فرماتے تھے۔ اور وہ جگہ اب تک مسجد علی کے نام سے معروف ہے۔ اور یہ مسجد مسجد فتح سے قریباً ایک تیر کے فاصلہ پر ہے۔ جناب رسول اللہؐ نے جب مسلمانوں کی گھبراہٹ اور بے چینی دیکھی تو مسجد فتح میں تشریف لے گئے جو پہاڑی کے اوپر واقع ہے۔ اور یہ دعا مانگی اور یہ بدھ کا دن تھا۔ (معارج) يَا صَرِيخَ الْمَكْرُوبِيْنَ وَيَا مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ وَيَا كَاشِفَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اَنْتَ مَوْلَايَ وَوَلِيِّيْ وَوَلِيُّ آبَائِيَ الْاَوَّلِيْنَ اِكْشِفْ عَنَّا غَمَّنَا وَهَمَّنَا وَكَرْبَنَا وَاكْشِفْ عَنَّا شَرَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ بِقُوَّتِكَ وَحَوْلِكَ وَقُدْرَتِكَ چنانچہ فوراً جبرئیل کا نزول ہوا اور عرض کیا کہ آپ کی دعا مستجاب ہے اللہ نے افواج کفار کے ناکام پلٹنے کا خود انتظام فرمایا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ ایک تیز و تند اور نہایت سرد ہوا بھیجے گا جو کفار کے حوصلوں کو پست کر دے گی پس ایسی تیز ہوا چلی کہ کفار کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور ان کی کھانے کی دیگیں الٹ گئیں اور ان کے تمام فوجی ٹھکانے درہم برہم ہو گئے اور دوسری طرف ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا جس کی وجہ سے وہ حوصلے چھوڑ بیٹھے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے حذیفہ بن یمان روایت کرتا ہے۔ کہ ہمیں جنگ خندق کے موقع پر سخت مصائب کا سامنا تھا۔ قحط کی وجہ سے بھوک کی شدت تھی۔ سردی زوروں پر تھی۔ خوف وہراس اور شب وروز کی محنت شاقہ کی بدولت تھکان کی وجہ سے بدن چور چور تھا حضرت رسالتمآبؐ نے کافی وقت نماز میں گذارا۔ اور پھر ارشاد فرمایا کوئی ایسا شخص ہے جو افواج قریش کا پتہ کر کے مجھے فوراً اطلاع دے ایسا کرنے والا جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے جواب دینے کی بھی ہمت نہ کی۔ پھر آپؐ نے حذیفہ کو

مخصوص طور پر بلایا اور تفسیر برہان میں ہے حذیفہ کہتا ہے میں نے تیسری دفعہ عرض کی لبیک آپ نے فرمایا جواب دینے میں تم نے تاخیر کیوں کی۔ تو میں نے جواب دیا حضورؐ بھوک، ٹھنڈک اور خوف یہ اس میری خاموشی کا سبب ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اللہ نے خبر دی ہے کہ کفار کے حوصلے پست ہو گئے ہیں۔ اور وہ نامراد واپس جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ تم ابھی ابھی جاؤ اور حقیقت حال کی خبر لاؤ۔ اور اس کے علاوہ کوئی اور کام نہ کرنا حذیفہ کہتا ہے میں کانپتا ہانپتا روانہ ہوا جب خندق پار کر کے ابوسفیان کے خیمے کے پاس پہنچا تو حضورؐ کی دعا سے سردی اور خوف ختم ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ کفار کے حوصلے پست تھے وہ بھی سردی کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔ جو آگ جلاتے تھے وہ پوری طرح اُن کو گرم نہ کر سکتی تھی۔ ابوسفیان آگ پر کھڑے ہو کر پہلو بدل رہا تھا۔ وہ کسی وقت روشن ہوتی اور کسی وقت بجھ جاتی آخر وہ قریش سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ محمدؐ کے گمان کے مطابق اگر ہمارا مقابلہ آسمان والوں (فرشتوں) سے ہے تو یقیناً ہم اس مقابلہ سے قاصر ہیں البتہ اگر ہمارا مقابلہ اہل زمین سے ہوتا تو یقیناً جیت ہماری ہوتی۔ پھر کہنے لگا دیکھو کہیں محمدؐ کا جاسوس یہ باتیں نہ سن رہا ہو۔ میں نے فوراً اپنے سے دائیں جانب کھڑے ہوئے شخص سے پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے جواب دیا عمرو عاص پھر بائیں طرف والے سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا معاویہ۔ اور یہ میں نے اس لئے کیا کہ مجھ سے کوئی نہ پوچھ لے کہ تم کون ہو؟ پس ابوسفیان نے حکم دیا کہ اس رات کی تاریکی میں واپس چلو۔ چنانچہ جلدی کی وجہ سے اپنے اونٹ کے پاؤں کھولنا بھی بھول گیا۔ اور اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اور بحالت سواری اس کے پاؤں کھولے میں نے کمان میں تیر ڈال کر اُسے قتل کرنا چاہا۔ اور یہ موقعہ اُس کے قتل کے لئے نہایت مناسب تھا لیکن فوراً حضورؐ کا فرمان یاد آ گیا کہ آپؐ نے فرمایا تھا کوئی نیا کام نہ کرنا۔ پھر اُس نے خالد بن ولید سے کہا کہ ہم دونوں کو جلدی نہ کرنی چاہیے پہلے کمزور لوگوں کو روانہ کر لیں پھر خود روانہ ہوں گے۔ چنانچہ نہایت تیزی سے انہوں نے کوچ کیا۔ اور حذیفہ کہتا ہے میں واپس پلٹا تو حضورؐ نماز میں مشغول تھے۔ میرے پاؤں کی آہٹ سن کر آپؐ نے چادر کا دامن دراز کیا۔ اور میں اس میں چھپ کر بیٹھ گیا تاکہ سردی میں تخفیف ہو۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہو چکے۔ تو میں نے حقیقت حال کی خبر دی آپؐ نے فرمایا بس قریش کی آخری چڑھائی تھی۔ اب اُن میں ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی ہمت نہیں ہو گی۔ البتہ ہم اُن سے لڑیں گے آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اب رات کا بقیہ حصہ اسی جگہ گذارو اور صبح کو دن چڑھے شہر میں جانا۔ اور بعض لوگ تو اس قدر گھبرا چکے تھے کہ جب اُن کو کفار کے چلے جانے کی اطلاع دی گئی۔ تو بھی اُن کو یقین نہ آتا تھا جس طرح کہ آیت ۲۰ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ تفسیر برہان میں ہے کہ ابن مسعود کی قرأت اس طرح تھی وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ بِعَلِيٍّ یعنی حضرت علی کی وجہ سے اللہ نے مومنوں سے جنگ کو ٹال دیا۔ یعنی عمرو بن عبدود کا مارا جانا کفار کی ہزیمت کا سبب بنا اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

اس جنگ میں کفار میں سے تین آدمی واصل جہنم ہوئے۔ (۱) عمرو بن عبدود (۲) عبداللہ بن نوفل مخزومی اور (۳) عثمان بن جبیر جو قبیلہ عبدالدار میں سے تھا۔ اس کو تیر لگا تھا اور اسی زخم کے ساتھ مکہ میں پہنچ کر واصل جہنم ہوا۔ اور مسلمانوں میں سے پانچ انصار نے جام شہادت نوش کیا۔ (۱) سعد بن معاذؓ (۲) انس بن اوسؓ (۳) عبداللہ بن سہیلؓ (۴) طفیل بن نعمانؓ (۵) کعب بن زیدؓ۔

## غزوۂ بنو قریظہ

بروایت مجمع البیان جب کفار قریش اور قبائل عرب ناکام واپس پلٹ گئے اور مسلمان اپنے گھروں میں آئے جناب رسالتمآبؐ نے واپس آکر اپنا جنگی لباس اتارا و غسل فرمایا اتنے میں جبرئیل کا نزول ہوا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپؐ نے تو جنگی لباس اُتارا ہے لیکن ہم فرشتوں نے ابھی تک جنگی پوزیشن نہیں چھوڑی پس حضورؐ نے اعلان کرا دیا کہ نماز عصر بنو قریظہ کے ہاں ہی پڑھنی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے پھر دوبارہ جنگی آلات سنبھال لئے آپ نے فوج کا علم حضرت علیؑ کے سپرد فرمایا چنانچہ راستہ سے بنی غنم کے جوان بھی ہمراہ ہو گئے۔ بروایت معارج آپؐ نے بلال کو شہر میں منادی کرنے پر مامور فرمایا اور حضرت

اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ

اتارا ان کو جنہوں نے ان (کفار) کی مدد کی تھی اہل کتاب میں سے ان کے قلعوں سے اور

قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب کہ ایک فریق (مردوں) کو تم نے قتل کیا اور دوسرے فریق (عورتوں اور بچوں) کو قید کیا اور

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ

اور تمہیں ان کی زمینوں اور گھروں اور مالوں کا وارث بنایا۔ اور ایسی زمین کا بھی جس کو تم نے روندا

تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۱۹

نہیں اور اللہ ہر شئے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

علیؑ کو علم دے کر روانہ فرمایا۔ خود بنفس نفیس زرہ پہنی۔ اور ڈھال ہاتھ میں لی اور ظریفا نامی گھوڑے پر سوار ہو کر عبداللہ بن اُم مکتوم کو مدینہ میں ٹھہرنے کو کہا۔ اور روانہ ہو گئے۔ اور تین ہزار چھوٹے بڑے سب آپ کی تاسی میں چل کھڑے ہوئے۔ ان میں ۳۶ گھوڑے سوار تھے۔ اور باقی پیادہ تھے۔ راستہ سے قبیلہ بنی النجار کے جوانمرد بھی جو مسلح ہو کر انتظار میں کھڑے تھے ہمرکاب ہو گئے صحابہ میں سے بعضوں نے جلدی میں نماز عصر پڑھ لی تھی اور بعضوں نے قضا کر کے مغربین کے بعد پڑھی اور آپؐ نے کسی کو اس بارے میں کچھ نہ کہا۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب میں بنو قریظہ کے قلعہ کے قریب پہنچا تو ایک شخص نے قلعہ کے اوپر سے جھانک کر کہا وہی آگیا ہے جس نے عمرو بن عبدود کو تہ تیغ کیا تھا۔

اور دوسرا بولا۔ قَتَلَ عَلِيٌّ عَمْرًا علیؑ نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا۔ وَصَارَ عَلِيٌّ صَقْرًا علیؑ اسلام کا شہباز ہے

قَصَمَ عَلِيٌّ ظَهْرًا علیؑ نے کفر کی کمر توڑ دی۔ اَبْرَمَ عَلِيٌّ اَمْرًا علیؑ نے اسلام کی جڑیں مضبوط کر دیں۔

اُهْتِكَ عَلِيٌّ سِتْرًا علیؑ نے کفر کا پردہ چاک کر دیا

بعض بدزبان لوگوں نے حضرت علیؑ اور جملہ اہل اسلام کو ناسزا الفاظ سے یاد کیا۔ جس کی حضرت علیؑ نے جناب رسالتمآبؐ کو اطلاع دیدی۔ جب حضورؐ قلعہ کے قریب پہنچے تو آپؐ نے آواز بلند فرمایا۔ اے سؤروں اور بندروں کی اولاد۔ اے طاغوت کے پرستار کیا تم نے مجھ کو لیا ہاں

دیتے ہو تو کعب بن اسعد نے قلعہ سے جھانک کر عرض کی اور دوسری روایت میں ہے کہ ہر طرف سے یہودیوں نے کہنا شروع کر دیا اے ابوالقاسم یہ الفاظ آپکے شایانِ شان نہ تھے۔ پس آپ حیا و شرم سے خاموش ہو گئے۔ حتیٰ کہ دوش اقدس سے ردا بھی گر گئی۔ تفسیر برہان میں ہے کہ قلعہ کے نزدیک اردگرد کھجوروں کے درخت بکثرت تھے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا پس وہ دور دور ہو گئے اور ہر طرف مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ اور مروی ہے کہ اس محاصرہ نے پچیس دن تک طول کھینچا۔ اس طول محاصرہ سے یہودی تنگ آ گئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اور قبائل عرب اور قریش کے چلے جانے کے بعد حی بن اخطب بھی انہی کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ پس کعب بن سعد جو نہایت خوبصورت جوان تھا اس نے تمام یہودیوں کو جمع کر کے انکے سامنے تین باتیں پیش کیں۔ کہ ان میں سے ایک کو قبول کر لو۔ پہلی بات جو سب سے موزوں تر اور نہایت قابل قبول ہے وہ یہ کہ اس شخص کی بیعت کر لو اور اسکی تصدیق میں تاخیر نہ کرو کیونکہ مجھے اور تم سب کو یقین ہے کہ سچا رسول ہے اور توراۃ بھی اسکی تصدیق کرتی ہے۔ اس صورت میں ہماری جان و مال و ناموس محفوظ رہیں گی اور دین و دنیا کی بھلائی کا راز سب اسی میں مضمر ہے یہودیوں نے جواب دیا۔ یہ تو ناقابل قبول ہے ہم اپنے آبائی مذہب سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ کعب نے کہا دوسری بات یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر دو۔ اور تمام جوان مرد تلواریں لے کر مقابلہ پر ڈٹ جاؤ۔ اگر کامیابی ہوگی تو ہم عورتیں نئی کر لیں گے۔ اور اولاد بھی ہو جائے گی۔ پس ہماری نسل قائم رہے گی۔ اور اگر مارے جائیں گے تو بچوں اور عورتوں کی فکر سے آزاد ہوں گے۔ یہودیوں نے اس کے ماننے سے انکار کیا کہ ان بے گناہوں کا قتل ہمیں منظور نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ تیسری بات یہ ہے کہ آج ہفتہ کی رات ہے اور اس رات میں محمد اور اُن کے ساتھی ہماری طرف سے مطمئن ہوں گے۔ پس ہم آج رات شبخون مار کے ان کو ختم کر دیں اور پھر باطمینان زندگی بسر کریں۔ انہوں نے جواب دیا ہم ہفتہ کی عزت کو برباد کرنا نہیں چاہتے۔ اُس نے کہا میرے خیال میں تم میں سے کسی مرد کی اب خیر نہیں ہے۔ تفسیر برہان میں ہے یہودیوں میں سے ایک شخص غزال بن شمول نے حضورؐ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ بنو نضیر کا سا سلوک کریں۔ ہماری جانوں کی حفاظت کی ضمانت دے دیں ہم خالی ہاتھ نکل جائیں گے اور گھر و جائداد اور سارا مال و متاع آپ کے لئے چھوڑ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا یہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ بلکہ تم میرے صحابہ میں سے کسی ایک کا فیصلہ قبول کر لو۔ تو انہوں نے سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور کر لیا۔

جنگ خندق کے دوران سعد بن معاذ کو ہاتھ کی رگ میں ایک تیر لگا تھا جس سے مسلسل خون نکل رہا تھا۔ اور وہ نہایت کمزور ہو چکا تھا پس اس کو اُٹھا کر لائے۔ پس آنحضرتؐ نے دو دفعہ یہودیوں سے دریافت کیا۔ کہ کیا میرا فیصلہ تم کو منظور ہے۔ انہوں نے ہر دو دفعہ ہاں میں جواب دیا تب اس نے باذن پیغمبر یہ فیصلہ سنایا۔ کہ ان کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر و غلام بنایا جائے اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دئیے جائیں۔ آپؐ نے سعد بن معاذ کا فیصلہ سن کر نہایت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور کہا۔ کہ تو نے وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ سات آسمانوں کے اوپر کر چکا ہے۔ پس ان کو قید کر کے مدینہ میں لایا گیا۔ اور اُسامہ کے گھر میں رکھا گیا۔ اور بچوں کو بمع اسباب خارج بنی نجار کی ایک بڑھیا رملہ بنت حارث کے گھر میں محبوس رکھا گیا۔ پس ان کے چار سو یا چھ سو یا نو سو باختلاف روایات

مردوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ بعد میں ان کے اموال اور عورتوں، بچوں کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ اور کچھ برائے فروخت سعد بن زید انصاری کے ذریعے نجد کی طرف بھیجے گئے جن کی قیمت سے جنگی سامان خرید اگیا۔ ان کے قتل کے لئے بقیع میں خندقیں کھودی گئیں۔ اور تین راتوں میں شام سے صبح تک ایک ایک کو لے جا کر وہاں قتل کیا جاتا رہا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ کعب بن اسد جو نہایت خوبصورت جوان تھا جب حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ تو آپ نے اس سے فرمایا۔ کہ کعب تو نے اپنی قوم کے اس عالم کی بات پر یقین نہ کیا جو شام کی طرف سے آیا تھا۔ اور اس نے میری تمام اوصاف بیان کی تھیں کہ مکہ میں مبعوث ہو گا۔ اور مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آجائے گا۔ وہ روٹی کے خشک ٹکڑوں اور کھجوروں پر بسر اوقات کرے گا۔ برہنہ پشت گدھے پر سوار ہو گا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی ہو گی کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی۔ گردن میں تلوار حمائل کئے رہے گا۔ اور جنگ کرنے سے نہ گھبرائے گا۔ اور اس کی سلطنت کی حدود آبادی کے آخری کنارے تک ہوں گی۔ یہ سن کر وہ عرض کرنے لگا۔ حضورؐ واقعی آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہودی مجھے موت کے ڈر سے مسلمان ہو جانے کا طعنہ دیں گے۔ تو میں ضرور ایمان لاتا۔ اور آپ کی تصدیق کرتا۔ لہٰذا اب میری موت و حیات دین یہود پر ہی ہے۔ پس آپ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

اَنۡزَلَ الَّذِیۡنَ۔ یعنی جن لوگوں نے قریش اور قبائل عرب کی مسلمانوں کے خلاف مدد کی تھی یعنی بنو قریظہ ان کو اللہ نے اپنے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بھر دیا پس مسلمانوں نے ان کے مردوں کو قتل کر دیا۔ اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔

وَاَرۡضًا لَّمۡ تَطَئُوۡهَا۔ اس سے مراد خیبر لیا گیا ہے کیونکہ بنو قریظہ کے بعد فتح ہوا۔ اور بعضوں نے روم و ایران مراد لیا ہے۔

**شہادت سعد بن معاذؓ** غزوہ بنو قریظہ کی فتح کے بعد سعد بن معاذ کے زخم سے خون کافی بہہ چکا تھا۔ پس آخر کار اس نے جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ حضرت رسالتمآبؐ اس کی تکفین و تجہیز میں خود شامل ہوئے۔ اور اس کے جنازے کو کندھا دیا۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ فرشتوں نے اس کی مقتا بعت میں حصہ لیا ہے۔ اور اس کی میت کو کندھا دیا جناب رسالتمآب نے اس کے دفن کے بعد تسبیح و تکبیر کی آواز بلند کی۔ جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ سعد کی موت پر عرش الٰہی میں جنبش پیدا ہوئی۔ اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کشادہ ہوئے۔ اور ستر ہزار فرشتوں نے جنازہ میں شمولیت کی۔ اور باایں ہمہ جب اس کو قبر میں سلایا گیا۔ اور تعویذ قبر بند ہوا۔ تو اس کو قبر نے فشار کیا اس لئے میں نے تسبیح و تکبیر کی آواز بلند کی۔ اور اس کی برکت سے اس کی نجات ہوئی۔ (معارج) اور مروی ہے کہ آپؐ نے سعد بن معاذ کی فشار قبر کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ کہ وہ اہل خانہ سے ترشروئی یا بداخلاقی سے پیش آتا تھا۔

آج بروز جمعہ بتاریخ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء مطابق ۲۸ شوال ۱۳۹۱ھ ۷ بجے شام مغربی پاکستان کی [illegible] سرحد پر جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا۔

## رکوع نمبر ۴ ازواجِ پیغمبرؐ کو تنبیہ

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہدیجئے اگر تم زندگی دُنیا اور اس کی

وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (۲۸)

زینت کی خواہشمند ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دُوں اور تمہیں طلاق دیدوں اچھے طریقے سے

وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ

اور اگر تم اللہ رسول اور نیا مت کے گھر کی خواہشمند ہو تو تحقیق اللہ نے

أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا (۲۹) يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ

تیار کیا ہے نیکی کرنے والیوں کے لیئے تم میں سے اجرِ عظیم اے نبی کی بیویو جو

يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ

کرے گی تم میں سے غلطی ظاہر تو بڑھایا جائیگا اس کا عذاب

ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا (۳۰)

دوگنا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جنابِ رسالتمآبؐ کی بیویوں نے آپ سے کچھ سوالات کیئے اور ایک دوسری پر حسد کی وجہ سے حضورؐ کو کچھ اذیت پہنچائی جس کی سرزنش کے طور پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس وقت آپ کے حبالۂ نکاح میں نو بیبیاں تھیں۔ (۱) عائشہ (۲) حفصہ (۳) ام حبیبہ بنتِ ابی سفیان (۴) سودہ بنت زمعہ (۵) ام سلمہ بنتِ ابی امیہ (۶) یہ پانچ خاندانِ قریش سے تھیں۔ (۶) صفیہ خیبریہ جو حی بن اخطب یہودی کی بیٹی تھی۔ اور فتحِ خیبر کے بعد حضورؐ کے نکاح میں آئی (۷) میمونہ بنت حارث ہلالیہ (۸) زینب بنتِ حجش اسدیہ یہ آپ کی پھوپھی زاد تھی جو پہلے آپ کے متبنیٰ زید کی منکوحہ تھی (۹) جویریہ بنتِ حارث جو بنی المصطلق سے تھی۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حفصہ نے کسی بات میں حضورؐ کو اذیت پہنچائی تو باہمی نزاع کو ختم کرنے کے لیے آپؐ نے اس کے باپ عمر کو بلا بھیجا۔ جب عمر پہنچا اور اس نے اپنی دختر کو مخاطب کرکے وجہِ نزاع پوچھی تو وہ رسول اللہ سے کہنے لگی۔ یا رسول اللہؐ! آپؐ خود ہی سچ سچ بیان فرمائیں۔ عمر نے یہ گستاخانہ بات سن کر بیٹی کے منہ پر زور سے طمانچہ رسید کیا پھر دوسرا مارنا چاہا تو حضورؐ نے روک لیا۔ تو وہ کہنے لگا اے دشمنِ خدا تو رسول اللہؐ سے کہتی ہے کہ سچ سچ بیان فرمائیں۔ یہ اللہ کا رسولؐ جھوٹ کب کہتا ہے خدا کی قسم اگر حضورؐ بنفسِ نفیس خود تشریف فرما نہ ہوتے۔ اور ان کا احترام پیشِ نظر نہ ہوتا۔ تو میں تجھے مار مار کر موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ پس اس کے بعد حضورؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ماہ تک علیحدہ رہے۔ اور کسی بیوی کے پاس نہ گئے۔ پس یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیاتِ مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو اختیار دے دو کہ کیا وہ دنیاوی زینت کو پسند کرتی ہیں۔ اور طلاق چاہتی ہیں یا خدا اور رسولؐ اور جنت کی خواہش مند ہیں۔ اور آپ کے حبالۂ عقد میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ اس تخییر میں اہلِ اسلام کے نزدیک فقہی نقطۂ نظر سے اختلاف ہے۔ مذہبِ شیعہ امامیہ کے علماء کا اتفاق ہے کہ یہ تخییر صرف حضرت پیغمبرؐ کا خاصہ ہے اگر وہ اپنی عورتوں کو اس قسم کا اختیار دیدیں۔ اور وہ آزادی اور طلاق کو پسند کریں تو صیغۂ طلاق کہے بغیر وہ مطلقہ سمجھی جائیں گی۔ اور ان کے لئے طلاق بائن متصور ہوگی اور اگر وہ خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کو اختیار کریں تو وہ حسبِ سابق بیویاں شمار ہوں گی۔ چنانچہ جب یہ آیتیں اتریں تو سب سے پہلے جناب ام سلمہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور عرض کی۔ حضورؐ! میں نے خدا اور رسولؐ کو اختیار کیا ہے اور مجھے دنیاوی عیش و آرام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے تمام عورتوں نے یہی الفاظ دُہرائے اور حضورؐ سے اپنی سابق غلطی کی عملاً معافی مانگ لی۔ اور مذہبِ شیعہ کے علماء کے فتویٰ کے مطابق اگر کوئی دُوسرا آدمی عورتوں کو اس قسم کی تخییر دیدے تو عورت کی علیحدگی سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بلکہ اُسے صیغۂ طلاق جاری کرنا پڑے گا۔ اور ابوحنیفہ کا قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ عورت اگر طلاق پسند کرے۔ تو اس کی ایک طلاق سمجھی جائے گی اور یہ حکم تمام اُمت پر نافذ العمل ہوگا اور مالک کا قول ہے کہ تین طلاقیں سمجھی جائیں گی۔ اور شافعی کا قول یہ ہے کہ مرد اگر طلاق کی نیت کرے گا۔ تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔

مَنْ يَأْتِ نبی کی بیویوں کو سرزنش کی گئی ہے کہ اگر تم نے کوئی غلطی کی تو اس کی سزا دوگنی بڑھائی جائے گی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سزا دوگنی ہوگی۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ ایک ضعف کا معنی ہے دوگنا۔ اور دو ضعف کا معنی ہے سہ گنا۔ اور قرآن مجید میں چونکہ ضِعْفَيْنِ ہے اس لئے اس سے مراد سہ گنا سزا ہے۔ اور تفسیر برہان و مجمع البیان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ جو آیت ازواجِ نبیؐ کے متعلق وارد ہے وہ سادات یعنی اولادِ پیغمبرؐ کو بدرجۂ اولیٰ شامل ہے یعنی ہم میں سے نیکی کرنے والوں کا اجر دوگنا بڑھ جائے گا اور گنہگار کی سزا بھی دوگنی بڑھ جائے گی۔

بِفَاحِشَةٍ۔ محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اس مقام پر فاحشہ کا معنی جانتے ہو تو میں نے عرض کی کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس جگہ فاحشہ سے مراد علی امیرالمومنین علیہ السلام سے جنگ کرنا ہے۔ اور دوسری روایت میں آپؑ نے فرمایا فاحشہ سے مراد تلوار لے کر خلیفۂ حق کے خلاف خروج کرنا ہے۔

(برہان)

# پارہ ۲۲

**رکوع ۱** وَمَنْ يَّقْنُتْ۔ یہ قنوت سے ہے اور اس کا معنی ہے وہ طاعت جس میں دوام پایا جائے اور باقی وضاحت اس آیت کی گذشتہ آیت کی تفسیر میں مرقوم ہو چکی ہے اور رزق کریم سے مراد وہ رزق ہے جو ہر کمزوری و مصیبت سے محفوظ ہو۔ اور اس سے مراد جنّت کی نعمات ہیں۔

يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ۔ آیت مجیدہ میں زوجات پیغمبرؐ کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ بلکہ اگر تقویٰ کرو تو عام عورتوں سے تمہارا مرتبہ بہت بلند ہے کیونکہ تمہاری نسبت پیغمبرؐ سے ہے اور۔ نے ان کی فضیلت کو تقویٰ کے ساتھ مشروط کر دیا ہے اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے" کہ اگر تم میں تقویٰ کی صفت نہ پائی گئی۔ تو عام عورتوں سے بھی تمہاری حیثیت گر جائے گی۔ اور یہ تمہارا انتہائی گھٹیا پن ہو گا۔ اور مقصد وہی ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ کہ نیکی کرنے سے ثواب زیادہ ہو گا۔ اور غلطی کرنے سے گناہ اور سزا زیادہ ہو گی۔ اور یہی قرین عقل ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ

اور جو خشوع کرے تم میں سے اللہ و رسولؐ کے لئے اور عمل صالح بجالائے تو اُس کو ہم دیں گے

اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ

اس کا بدلا دو دفعہ اور ہم نے تیار کیا ہے اُس کے لئے عمدہ رزق اے نبی کی بیویو

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

تم نہیں ہو دوسری عام عورتوں کی طرح اگر تم تقویٰ کو اختیار کرو پس نرم بات کرو (کسی غیر مرد کے ساتھ)

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ

کہ خواہش کرنے لگے (تمہاری) ایسا شخص جس کے دل میں بیماری ہو اور نیکی کی بات کیا کرو اور ٹھیری رہو

فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ

اپنے گھروں میں اور نہ باہر نکلو گذشتہ جاہلیت کے زمانہ کی طرح اور

اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی

فَلَا تَخْضَعْنَ یعنی نامحرم مردوں سے نرم باتیں مت کرو۔ اور ہنس مکھی سے پیش نہ آؤ۔ ورنہ جو لوگ دل میں نفاق کی بیماری یا شہوت زناکاری رکھتے ہیں۔ وہ تمہارے متعلق بھی غلط خواہشات اپنے اندر رکھ لیں گے۔ اسی لئے اچھی عورت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے۔ کہ غیر محرم مردوں سے کلام تلخ و ترش لہجے میں کرے۔

وَقَرْنَ۔ یہ امر حاضر جمع مونث مخاطب کا صیغہ ہے۔ اس کی اصل وقار یا قرار ہو سکتی ہے۔ اگر وقار سے ہو تو مثال واوی ہو گا جس طرح وَعَدَ يَعِدُ سے امر عِدْنَ آتا ہے۔ اسی وزن پر قِرْنَ بروزن عِلْنَ ہو گا۔ اور فاء فعل کو محذوف مانا جائے گا۔ بنابریں بعض

قاریوں نے وَقِرْنَ پڑھا ہے۔ اور اگر قرار سے ہو تو مضاعف ثلاثی اِقْرَرْنَ بروزن اِفْعَلْنَ اس کی اصل ہوگی۔ کراہت مثلین سے بچتے ہوئے پہلی را کو یا سے تبدیل کیا جائے گا جس طرح قِیْرَاط اور دِیْنَار میں پہلی را، اور نون کو یا بنا کر قیراط اور دینار کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمع مکسر میں ان کا اصلی حرف واپس آکر قراریط اور دنانیر ہو جاتا ہے۔ پس لفظ مذکور اقیرن ہوا۔ یا متحرک اور اس کا ماقبل حرف صحیح ساکن تھا۔ پس یا کا فتحہ قاف کو دیا تو ہمزہ وصلی اور یا حذف کر دیئے گئے۔ اور قِرْنَ رہ گیا۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ۔ تبرج کا معنی ہے زینت کرکے ناز و ادا سے اپنی نمائش کرتے ہوئے گھر سے نکلنا یا یہ کہ سر پر اوڑھنی اس طریقہ سے کرنا کہ رخساروں کا بعض حصہ اور گلے کا ہار اور کانوں کے بندے وغیرہ نظر آتے رہیں جس طرح آجکل کے فیشنی برقعے ہیں۔

اَلْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ اس سے مراد قبل از اسلام کا زمانہ ہے اور کسی مدت کی تحدید کرنا غیر موزوں ہے تفسیر برہان میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسالتمآبؐ سے دریافت کیا۔ کہ بعد از وفات آپ کو غسل کون دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہر نبی کو اس کا وصی غسل دیا کرتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کا وصی کون ہے تو فرمایا کہ علی بن ابی طالبؑ ہے۔ میں نے عرض کی۔ وہ آپ کے بعد کس قدر عرصہ زندہ رہیں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تیس برس کیونکہ یوشعؑ بن نونؑ جو حضرت موسیٰؑ کا وصی تھا۔ وہ حضرت موسیٰؑ کے بعد تیس برس ہی زندہ رہا۔ اور صفرا بنت شعیبؑ موسیٰؑ کی بیوی نے اس پر خروج کیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ میں تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ لیکن حضرت یوشعؑ کو فتح ہوئی اور انہوں نے زوجۂ موسیٰؑ کے ساتھ اچھائی سے برتاؤ کیا اسی بنا پر ازواج نبی کو اس آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ پہلے کی سی جہالت کی طرح تم اپنے گھروں سے نہ نکل پڑنا۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ

سوائے اس کے نہیں کہ چاہتا ہے اللہ کہ دور رکھے تم سے رجس کو اے اہل بیت

وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ

اور تم کو پاک رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔ اور یاد کرو جس کی تلاوت کی جاتی ہے تمہارے گھروں

اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ﴿۳۴﴾ ع

میں آیات خداوندی میں سے اور حکمت سے تحقیق اللہ لطیف و خبیر ہے۔

## آیت تطہیر

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ الخ۔ اس آیت مجیدہ کا نام آیت تطہیر ہے۔ اور یہ آیت فضائل ومناقب اہل بیتؑ کے لئے منبع وسرچشمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں اس کا وجود اہل بیتؑ کے خلاف لکھنے بولنے اور سوچنے والوں کا ناطقہ بند کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس آیت مجیدہ میں چند امور قابل وضاحت ہیں۔ تاکہ مقصد کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ (۱) کلمہ حصر لفظ اِنَّمَا (۲) ارادہ (۳) اذہاب (۴) رجس (۵) بیت (۶) اہل البیت۔ (۷) تطہیر

کلمہ حصر لفظ اِنَّمَا۔ علماء معانی کے نزدیک لفظ اِنَّمَا کلمہ حصر ہے اور یہ اس لئے آتا ہے کہ اس کے مابعد کے لئے جو چیز ثابت ہو

اس کے غیر سے اس کی نفی ہو اور اس کے مابعد کے لئے جس امر کی نفی ہو غیر کے لئے اس کا ثبوت ہو۔ مثال کے طور پر اگر کہا جائے اِنَّمَا لَكَ عِنْدِي دِرْهَمٌ تو اس کا مقصد یہی ہے کہ میرے پاس تیرا صرف ایک درہم ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اگر کہا جائے اِنَّمَا فِي الدَّارِ زَيْدٌ تو اس کا مقصد یہ ہے کہ گھر میں صرف ایک زید ہے اور کوئی نہیں ہے۔ پس اس کلیے کے ماتحت آیت مجیدہ کے معنی میں یہ ماننا پڑے گا۔ کہ اہلِ بیتؑ ہی اس فضیلت کے ساتھ مختص ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی فرد اس فضیلت میں ان کا شریک نہیں ہے۔

## ارادہ کا مطلب

تفسیر مجمع البیان میں علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ اس جگہ ارادہ سے مراد صرف ارادہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ ارادہ ہے جس پر تطہیر اہلِ بیتؑ مترتب ہوئی کیونکہ صرف ارادہ میں تو سب انسان شریک ہے۔ کیونکہ اللہ ہر انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ غلطی سے دُور رہے۔ اور اخلاقِ شائستہ و عاداتِ شریفہ سے آراستہ ہو لہٰذا اس ارادہ میں اہلبیتؑ کی تخصیص ناقابلِ فہم ہے نیز یہ آیت مقامِ مدح میں ہے اور صرف ارادہ موجبِ مدح نہیں ہو سکتا۔ جب تک متعلقِ ارادہ کا عمل اس کے موافق نہ ہو۔ پس ارادہ کی اہلِ بیتؑ سے تخصیص اور اس کا مقامِ مدح میں ہونا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اس جگہ ارادہ سے مطلق ارادہ مقصود نہیں بلکہ وہ ارادہ مقصود ہے جس پر تطہیر اہلِ بیتؑ مترتب ہوتی ہے گویا اس جگہ ارادہ تکوینیہ ہے نہ کہ تشریعیہ کیونکہ اللہ کا ارادۂ تشریعیہ کسی خاص فردِ بشر سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر انسان سے اجتنابِ رجس اور اتصافِ طہارت کا ارادہ رکھتا ہے۔

اللہ چونکہ قدیم ہے اور ارادہ اس کے صفاتِ ثبوتیہ میں سے ہے اور اس کے صفات عینِ ذات ہیں۔ بنا بریں اس کا ارادہ بھی قدیم ہے لیکن جب اس کا ارادہ حادث ہونے والی چیزوں سے متعلق ہوتا ہے تو یہ تعلق بھی حادث ہوتا ہے اور یہ ارادہ کے قدیم ہونے کے منافی نہیں ہے۔ پس جب سے اللہ کے ارادۂ تکوینیہ کا تعلق اُن کی ایجاد سے ہو رہا تھا۔ اور ان کا نور زیورِ تخلیق سے آراستہ ہو کر باعثِ ایجادِ کائنات بن رہا تھا۔ تب سے ارادۂ خداوندی ان سے رجس کی دُوری اور طہارت سے آراستگی کا فیصلہ کر چکا تھا پس معلوم ہوا کہ یہ جب سے ہیں طاہر و مطہر ہیں اور ہر رجس و عیب سے پاک و پاکیزہ ہیں۔

## اِذھابِ رجس

اس کا معنی دفعِ رجس بھی کیا گیا ہے اور رفعِ رجس بھی کیا گیا ہے دفعِ رجس کا معنی ہے پاک رکھنا اور رفعِ رجس کا معنی ہے پاک کرنا۔ پس رفعِ رجس (پاک کرنا) وہاں ہوتا ہے جہاں پہلے رجس (نجاست یا عیب) ہو اور دفعِ رجس وہاں ہوتا ہے جہاں پہلے رجس (نجاست یا عیب نہ ہو) اس جگہ آیت مجیدہ میں اذہاب کا معنی رفعِ رجس (دور کرنا رجس کا) نہیں ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ پہلے رجس تھا اور پھر رفع کیا گیا۔ اور یہ عصمت کے خلاف ہے۔ بلکہ اس جگہ مراد دفعِ رجس (دُور رکھنا رجس کا) ہے یعنی پاک تھے اور ان کو پاک رکھا گیا اور اس کے کئی وجوہ ہیں۔

## وجہ اوّل

جس چیز کی پاکیزگی مطلوب ہو اُس کو پاک کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ورنہ اگر پاکیزگی مطلوب نہ ہو تو پاک کرنے کا حکم عبث ہو گا۔ اور جس چیز کی پاکیزگی مطلوب ہو اُس کو پہلے سے ہی پاک رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ نجس ہونے کی صورت میں پاک کرنے کی زحمت نہ اُٹھانا پڑے۔ مثلاً مسجد کی پاکیزگی مطلوب ہوتی ہے۔ لہٰذا پاک کرنے سے پہلے

اس کا پاک رکھنا واجب ہے اور نجاست کی آلودگی سے ہر ممکن طریق سے اس کو بچانا ضروری ہے اور اگر کسی وجہ سے وہ آلودۂ نجاست ہو جائے۔ تب اُس پر پاک کرنے کا حکم نافذ ہوگا۔ اسی طرح نماز کے لئے لباس و جسم کی پاکیزگی مطلوب ہے تو عقلمندی و دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ اُن کو پاک رکھا جائے۔ اور بصورت نجاست اُن کو پاک کر دیا جائے۔ تو جس چیز کی پاکیزگی مطلوب ہو اُس پر نجاست دو طرح سے وارد ہو سکتی ہے یا تو پاک رکھنے والے کی لاعلمی اور کوتاہی و غفلت سے وہ چیز نجس ہو گی۔ اور یا اُس کی بےبسی و مجبوری سے اُس میں نجاست گھس آئے گی۔ اور پھر مجبوری یا لاعلمی کے دُور ہونے پر نجاست کو دُور کرنے کی نوبت آئے گی۔ اب اس مقام پر دیکھنا یہ ہے کہ اہل بیتؑ کی طہارت اور ان سے رجس کا دُور کرنا مقصود خداوندی ہے یا نہیں اگر مقصود خداوندی نہ تھا۔ تو اس کا خصوصیت سے تذکرہ کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اور اگر مقصود خداوندی تھا۔ اور یقیناً تھا یعنی ان کی پاکیزگی مطلوب الٰہی تھی۔ تو اس کا لازمی معنی یہ ہے۔ کہ جب سے ان کو پیدا کیا۔ طاہر و طیب پیدا کیا اور ہر قسم کے رجس کو ان سے دُور رکھا۔ کیونکہ دُور کرنے کی نوبت تو تب آئے گی۔ جب پاک رکھنے والے کی لاعلمی و غفلت یا بےبسی و مجبوری کی وجہ سے رجس ان تک پہنچے حالانکہ اللہ لاعلمی اور بےبسی و اضطرار کے عیوب سے پاک و منزّہ ہے۔

**دوسری وجہ** روات حدیث اور ارباب سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ علیہم السلام کو چادر کے نیچے جمع کیا۔ اور عرض کی اے پروردگار! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ (چنانچہ بعد میں حسب ضرورت روایات پیش کی جائیں گی) پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔ اس وقت حسنین شریفین کا سن بہت چھوٹا تھا۔ اور ظاہری تکلیف کے لحاظ سے اُن پر احکام شرعیہ اور خطابات تکلیفیہ عائد نہ تھے۔ بنا بریں اگر رجس کا دُور کرنا مراد لیا جائے تو حسنین شریفین کے حق میں پھر بھی رجس کا دُور رکھنا مراد ہوگا۔ کیونکہ زمانۂ تکلیف سے پہلے رجس و گناہ کا ان پر تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور بیک وقت مشترک لفظی سے ایک ہی استعمال میں دو معانی مراد لینا جائز نہیں۔ کہ یہ کہا جائے اذھاب رجس کا معنی بعض افراد جو بالغ ہیں۔ ان کے حق میں ہے۔ رجس کا دور کرنا۔ اور بعض افراد جو نابالغ ہیں۔ ان کے حق میں اذہاب رجس کا معنی ہے دُور رکھنا۔ اور جب مشترک لفظی کا بیک وقت دو معنوں میں استعمال ناجائز ہے۔ اور حسنین شریفینؑ کے حق میں اسکا معنی یقیناً رجس سے دُور رکھنا ہے۔ تو سب اہل کساء یعنی خمسہ نجباء کے حق میں اذھاب رجس کا معنی رجس کا دُور رکھنا ہی ہوگا نہ کہ دُور کرنا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ بےعیب ہیں۔ پاک و پاکیزہ ہیں۔ اور ان سے رجس کو دُور رکھا گیا ہے۔

**تیسری وجہ** یہ وجہ مطلب کی تائید کے لئے ہے نہ کہ اثبات کے لئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کے بعد حکم ہوا طَهِّرَا بَيْتِيَ چونکہ اللہ کو کعبہ کی پاکیزگی مطلوب تھی اس لئے اپنے خلیل کو اس کی تطہیر کا حکم دیا اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب خلیل کو تطہیر کا حکم ہو رہا تھا اس سے پہلے بھی بیت اللہ طاہر و پاکیزہ تھا کیونکہ اس کی تعمیر میں کسی کافر و مشرک و نجس کا ہاتھ شامل نہ تھا پس وہاں تطہیر کا معنی پاک کرنا نہ تھا بلکہ پاک رکھنا تھا۔ اور اسی مناسبت سے کہ قرآن کا بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے اس جگہ بھی تطہیر سے مراد پاک رکھنا ہے نہ کہ پاک کرنا کیونکہ جب اس نے ان کو خلق فرمایا تو پاکیزہ خلق کیا اور اس کے بعد جب ان کی پاکیزگی

مطلوب بارگاہ حق نوان کو ہر قسم کے رجس سے پاک رکھا جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔

**رجس کا معنی**

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ رجس کا معنی ہے شیطانی عمل اور ہر وہ کام جس میں اللہ کی خوشنودی نہ ہو اور بالعموم مفسرین نے اس قسم کا ہی ترجمہ کیا ہے لیکن اللہ کے ارادۂ تکوینیہ سے اس کا دور ہونا ناقابل فہم ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ان امور کا تعلق ارادہ تشریعیہ سے ہے نہ کہ تکوینیہ سے اور جن اعمال و اوصاف میں انسان کو نفیاً و اثباتاً قدرت دی گئی ہے اُن میں سے بعض کا مثبت پہلو رجس ہے جس طرح جھوٹ، زنا، بخل، بزدلی اور حرام خوری وغیرہ اور ان کا منفی پہلو پاکیزگی و طہارت ہے اور بعض کا منفی پہلو رجس ہے۔ نماز نہ پڑھنا، زکوٰۃ نہ دینا، مکارم اخلاق کو اختیار نہ کرنا وغیرہ اور ان کا مثبت پہلو ہی پاکیزگی ہے۔ اور اعمالِ اختیاریہ میں رجس سے بچنا اور پاکیزگی کو اپنانا ہر مومن کا فریضہ ہے اور لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے بموجب کوئی شخص نہ نیکی پر مجبور ہے اور نہ برائی پر — لہذا ارادۂ تکوینیہ کا ان سے واسطہ نہیں ہے ورنہ جبر لازم آئے گا۔ البتہ وہ چیز جو اہلِ بیتؑ سے مخصوص ہے اور اللہ نے اس میں ان کو ممتاز فرمایا ہے وہ ہے قوتِ عمل میں پختگی اور بنیادی اوصاف کمال میں مضبوطی اور توفیق تام۔ پس وہ ہر غلط اور ناشائستہ کام سے اپنے اختیار سے گریز کرتے ہیں اور ہر نیکی و خوبی کا اپنے اختیار سے خیر مقدم کرتے ہیں اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت سخت سے سخت رکاوٹ یا کٹھن و دشوار گذار منازل بھی اس بارے میں ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں پیدا کر سکتے پس وہ بات کے پکے عہد کے سچے ارادے کے دھنی اور خوشنودیٔ خدا کے متوالے ایسے عزم صمیم کے ساتھ منازل زندگی کو طے کرتے ہیں کہ راستے میں حائل ہونے والا کوہِ گراں بھی ان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے پس وہ اپنے بلند ارادوں سے باطل کے طوفان کا دھارا بدل دیتے ہیں اور خود نہیں بدلتے اور یہ قوتِ عمل میں پختگی ہی کی بدولت ہے جو عطیۂ پروردگار ہے اور اسی کی عطا کردہ توفیق کامل ہر وقت ان کے شاملِ حال رہتی ہے جو ان کی عصمت و طہارت کی منازل کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اسی طرح انسانی ضمیر و خمیر میں ہر وہ عادت و صفت جو انسانیت کے دامن پر باعثِ ننگ و عیب ہو مثلاً بخل، بزدلی، حسد، کینہ اور جہالت وغیرہ اس قسم کے تمام اوصاف سے اللہ نے ان کو محفوظ رکھا ہے اور بنیادی اوصافِ کمال مثلاً سخاوت، جرأت، شجاعت، رحم، کرم، ایثار، علم و معرفت اور حلم وغیرہ جیسے صفات میں ان کو اعلیٰ درجہ پر توفیق عطا فرمائی ہے پس وہ ہر صفتِ بد سے منزہ اور ہر صفتِ خیر سے آراستہ ہیں اللہ کے ارادۂ تکوینیہ نے ان کو ہر قسم کے رجس سے دور رکھا اور اس کے مقابلہ میں ہر صفتِ خیر سے ان کو آراستہ کیا اور یہ امور وہبی ہیں نہ کہ کسبی۔

**تطہیر**

طہارت کا مفہوم رجس کے متضاد تمام پہلوؤں کو شامل ہے تاکہ تخلیہ و تجلیہ کے دونوں مرحلے پورے ہو سکیں۔ پس جن جن اوصاف و اطوار اور عادات و افعال کو رجس کہا جائے گا اور ان سے دور رہنا اور محفوظ ہونا تخلیہ کا مقام ہے اور ان کے متضاد اعمال کو اپنانا تجلیہ کی منزل ہے پس جہاں مثبت پہلو رجس ہو گا اس کے مقابل کا منفی پہلو طہارت ہو گا اور جہاں منفی پہلو رجس ہو گا اس کا مثبت پہلو طہارت ہو گا۔ پس جھوٹ کے مقابلہ میں سچ، طہارت، بخل کے مقابلہ میں سخاوت طہارت، بزدلی کے مقابلہ میں شجاعت طہارت، جہالت کے مقابلہ میں علم طہارت، بے حیائی کے مقابلہ میں حیا طہارت، بے نمازی کے مقابلہ میں نماز طہارت اور

بداخلاقی کے مقابلہ میں خوش اخلاقی طہارت و علی ہذا القیاس اور آیت مجیدہ میں اہل بیتؑ کے لئے ہر رجس و عیب سے دور ہونے اور ہر انسانی کمال و فضیلت سے آراستہ ہونے کی ضمانت دی گئی ہے گویا نقائص سے تخلیہ اور فضائل سے تجلیہ کی ہر دو بلند منازل پر وہ فائز ہیں اور دنیا کا کوئی انسان فضل و کمال اور عصمت و عظمت کے میدان میں ان کی گرد راہ کو بھی نہیں چھو سکتا۔

**بیت کا معنی** اس میں الف ولام عہد خارجی کا ہے اور بیت سے مراد بیت نبوت و رسالت ہے اور بعضوں نے بیت سے مراد بیت اللہ لیا ہے اور بعضوں نے بیت سے مراد مسجد نبوی لی ہے اور میرے نزدیک ہر معنی کے لحاظ سے اہل بیت کا اطلاق جن افراد پر ہے وہی اس کے حقیقی مصداق ہیں۔

**اہل البیت** بعض لوگوں نے اہل البیت کا مصداق ازواج نبی کو قرار دینے کی کوشش کی ہے اس مناسبت سے کہ اس سے پہلے کی آیات اور اس کے بعد کی آیات سب ازواج نبی کے متعلق ہیں لیکن یہ قول عقلاً و نقلاً باطل ہے جس کی چند وجوہ ہیں۔

**وجہ اوّل** اس سے قبل و بعد کی آیات کا ازواج کے حق میں ہونا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ آیت ازواج کے حق میں نہیں ہے کیونکہ پہلی آیات میں ازواج کی طرف راجع ضمیریں جمع مؤنث کی ہیں اور بعد والی آیت میں بھی جمع مؤنث ہیں پس اس درمیان کے حصے میں ضمیروں کا جمع مذکر مخاطب سے بدل جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے مصداق ازواج نہیں بلکہ یہاں اہل بیت کوئی اور افراد ہیں جن میں اکثریت مردوں کی ہے۔

**وجہ دوم** مقدم آیات میں سرزنش و توبیخ کا پہلو واضح ہے جن میں کھلے طور پر اگرچہ نہ سہی لیکن دبے پیر وہ کسی حد تک ازواج کی مذمت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور بعد والے حصہ میں بھی ان کو راہِ راست پر گامزن ہونے اور قرآنی ہدایت پر عمل کرنے کو کہا گیا ہے جس سے اگر مذمت نہ سہی لیکن مدح بھی تو نہیں سمجھی جا سکتی اور درمیانی حصہ میں مدح کے پہلو کا واضح ہونا یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ ما قبل و ما بعد کا مصداق کوئی اور ہے اور درمیانی حصہ کا مصداق کوئی اور ہے جن کے مدارج و مراتب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

**وجہ سوم** آیتِ مجیدہ اپنے مصداق کو معصوم ثابت کرتی ہے اور صحابہ ہوں یا ازواج ان میں سے کسی کی عصمت کسی بھی فرقہ کے نزدیک مسلم نہیں ہے اور خمسہ طاہرہ کی عصمت مسلم ہے لہذا ان کے علاوہ اور کوئی بھی اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتا اور ضمیروں کا مذکر ہونا اور آیت میں مدحیہ پہلو کا واضح ہونا اس مقصد کی واضح دلیل ہے۔

**وجہ چہارم** ارباب سیر اور رواتِ حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس مقام پر اہل بیت سے مراد محمد علی فاطمہ حسن اور حسین ہیں چنانچہ یہ روایت کتبِ فریقین میں حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور آیات کی ترتیب میں مقدم و مؤخر سے مناسبت کا نہ ہونا نرالا نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس قسم کے شواہد بہت زیادہ موجود ہیں جہاں مقدم کسی مطلب کو لئے ہوئے ہے تو مؤخر کسی معنی کیلئے ہے اور درمیانی حصہ کسی اور مطلب کیلئے ہے اور فصحاء عرب کے نزدیک اس صفت کو تفنن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نیز یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن مجید کو جمع کرنے والی کمیٹی نے ترتیب آیات میں عمداً یا سہواً اس صورت حال کو جنم دیا ہو۔

**وجہ پنجم** | تفسیر برہان میں صحیح مسلم سے منقول ہے زید بن ارقم کہتا ہے کہ مدینہ و مکہ کے درمیان جناب رسالتمآبؐ نے مقام خم پر ایک خطبہ پڑھا جس میں حمد و ثنا اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا لوگو! میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں قریب ہے کہ میرے پاس خدا کا فرستادہ فرشتہ آئے اور میں تم میں سے چلا جاؤں اَنَا تَارِکٌ فِیکُمْ ثَقَلَیْنِ اَوَّلُهُمَا کِتَابُ اللّٰهِ فِیْهِ الْهُدٰی وَ النُّوْرُ فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰهِ وَ اسْتَمْسِکُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَ رَغَّبَ فِیْهِ ثُمَّ قَالَ وَ اَهْلُ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ۔

ترجمہ:۔ میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب جس میں ہدایت اور نور ہے پس اللہ کی کتاب کو پکڑو اور اس کا دامن تھامے رہو پھر آپؐ نے اللہ کی کتاب سے تمسک رکھنے پر بہت زور دیا اور اس کے بعد فرمایا اور (دوسری) میری اہلبیت میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کا واسطہ دیتا ہوں میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ گویا آپ نے اہل بیت کے متعلق تاکید فرمائی پس حاضرین میں سے ایک شخص حصین نامی نے روائے حدیث زید بن ارقم سے دریافت کیا۔ مَنْ اَهْلُ بَیْتِهٖ یَا زَیْدُ اَلَیْسَ نِسَاءُهٗ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ قَالَ وَلٰکِنَّ اَهْلَ بَیْتِهٖ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَةَ بَعْدَهٗ۔

ترجمہ:۔ اے زید حضورؐ کے اہل بیت کون لوگ ہیں؟ کیا اس کی بیویاں اہل بیت نہیں ہیں؟ تو زید نے جواب دیا حضورؐ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

دوسری روایت میں زید بن ارقم سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَحَدُهُمَا کِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ مَنِ اتَّبَعَهٗ کَانَ عَلَی الْهُدٰی وَ مَنْ تَرَکَهٗ کَانَ عَلٰی ضَلَالَةٍ وَ ثَانِیْهِمَا اَهْلُ بَیْتِیْ فَقُلْنَا مَنْ اَهْلُ بَیْتِهٖ نِسَاءُهٗ؟ قَالَ لَا اَیْمُ اللّٰهِ اِنَّ الْمَرْاَةَ تَکُوْنُ مَعَ الرَّجُلِ الْعَصْرَ ثُمَّ الدَّهْرَ ثُمَّ یُطَلِّقُهَا فَتَرْجِعُ اِلٰی اَهْلِهَا وَ قَوْمِهَا۔ اَهْلُ بَیْتِهٖ اَصْلُهٗ وَ عُصْبَتُهُ الَّذِیْنَ حُرِّمُوا الصَّدَقَةَ بَعْدَهٗ۔

ترجمہ:۔ آپ نے فرمایا میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب جو اللہ کی رسی ہے جو اس کی اتباع کرے گا ہدایت پر ہوگا اور جو اس کو چھوڑے گا وہ گمراہ ہوگا اور دوسری میری اہل بیت تب ہم نے سوال کیا اے زید کیا رسول کی بیویاں اس کی اہل بیت سے ہیں؟ تو کہنے لگا نہیں خدا کی قسم اگر عورت ایک عرصہ دراز اور مدتِ مدیدہ تک ایک مرد کے حبالۂ نکاح میں رہے پھر جب اس کو طلاق دے گا تو وہ اپنی قوم کی طرف چلی جائے گی۔ حضورؐ کے اہل بیت تو وہ ہیں جو آپ کا خاندان ہیں اور وہ رشتہ دار ہیں جن پر حضورؐ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

اس مقام پر چند احادیث کا نقل کرنا مناسب ہے جو اس بارے میں وارد ہیں۔

(۱) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ اِلَی النَّبِیِّ تَحْمِلُ حَرِیْرَةً لَهَا فَقَالَ ادْعِیْ زَوْجَكِ وَ ابْنَیْكِ فَجَاءَتْ بِهِمْ فَطَعِمُوْا ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْهِمْ کِسَاءً

اُم سلمہ سے منقول ہے کہ جناب فاطمہؑ ایک دفعہ جناب رسالتمآبؐ کے پاس پہنچیں کہ وہ شیرینی اٹھائے ہوئے تھیں آپ نے فرمایا کہ اپنے شوہر اور بچوں کو بھی بلا لو پس وہ ان کو لائیں تو سب نے مل کر کھایا پھر آپؐ نے ان پر

لَهُ خَيْبَرِيًّا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ وَ عِتْرَتِيْ فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَنَا مَعَهُمْ قَالَ اَنْتِ عَلٰى خَيْرٍ (مجمع البیان)

خیبری چادر ڈال دی اور دعا مانگی اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور عترت ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے تو میں نے کہا یا رسول اللہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں آپ نے فرمایا تو نیکی پر ہے۔

(۲) وَعَنْ تَفْسِيْرِ الثَّعْلَبِيْ. قَالَتْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَلْاٰيَة قَالَتْ فَاَخَذَ فَضْلَ الْكِسَاءِ فَغَشَّاهُمْ بِهٖ ثُمَّ اَخْرَجَ يَدَهٗ فَاَلْوٰى بِهَا اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ وَحَامَّتِيْ فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا فَاَدْخَلْتُ رَاْسِيَ الْبَيْتَ وَقُلْتُ اَنَا مَعَكُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّكِ اِلٰى خَيْرٍ اِنَّكِ اِلٰى خَيْرٍ۔

تفسیر ثعلبی سے منقول ہے ام سلمہ کہتی ہیں کہ پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ الخ پس آپ نے چادر کے کنارے پکڑ لئے اور ان کو پوری طرح اندر داخل کر لیا اور ہاتھ باہر نکال کر آسمان کی طرف بلند کئے اور دعا مانگی اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور خواص ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے تو میں نے سر داخل کر کے عرض کی یا رسول اللہ میں بھی آپ کے ہمراہ ہوں؟ تو آپ نے فرمایا تو اچھائی پر ہے تو اچھائی پر ہے۔

(۳) بِاِسْنَادِهٖ قَالَ الْمُجَمِّعُ دَخَلْتُ مَعَ اُمِّيْ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَاَلَتْهَا اُمِّيْ اَرَاَيْتِ خُرُوْجَكِ يَوْمَ الْجَمَلِ قَالَتْ اِنَّهٗ كَانَ قَدَرًا مِنَ اللّٰهِ فَسَاَلَتْهَا عَنْ عَلِيٍّ فَقَالَتْ تَسْاَلِيْنِيْ عَنْ اَحَبِّ النَّاسِ كَانَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَزَوْجَتُهٗ كَانَتْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا وَجَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِثَوْبٍ عَلَيْهِمْ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ وَحَامَّتِيْ فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا مِنْ اَهْلِكَ قَالَ تَنَحَّيْ فَاِنَّكِ اِلٰى خَيْرٍ وَفِي الْبُرْهَانِ السُّؤَالُ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ۔

ان کے اسناد سے منقول ہے مجمع کہتا ہے میں اپنی ماں کے ہمراہ عائشہ کے پاس پہنچا تو میری ماں نے پوچھ لیا کہ جمل کے دن آپ کا خروج کیسا تھا؟ تو کہنے لگیں بس اللہ کی تقدیر ایسی تھی پھر میری ماں نے علی کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگیں تو نے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جو تمام لوگوں میں سے رسولؐ اللہ کو زیادہ محبوب تھا اور اس کی بیوی بھی تمام لوگوں میں سے رسولؐ اللہ کو زیادہ پیاری تھیں میں نے خود علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کو ایک دفعہ دیکھا کہ رسولؐ اللہ نے ان پر چادر ڈال دی اور دعا مانگی اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت اور خواص ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے وہ کہتی ہے کہ میں نے کہا یا رسولؐ اللہ میں بھی تیرے اہل سے ہوں تو فرمایا ہٹ جا تو اچھی ہے۔ لیکن تفسیر برہان میں ہے کہ یہ سوال ام سلمہ نے کیا تھا بقول عائشہ۔

(۴) وَبِاِسْنَادِهٖ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ

اور ان ہی کے اسناد سے ابو سعید خدری نبی علیہ السلام سے روایت

قَالَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِیْ خَمْسَةٍ فِیَّ وَفِیْ عَلِیٍّ وَحَسَنٍ وَحُسَیْنٍ وَفَاطِمَةَ
کرتا ہے کہ یہ آیت پانچ تن کے حق میں اتری ہے دیں علی حسن حسین اور فاطمہ)

تفسیر مجمع البیان میں علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ عامہ وخاصہ دونوں کی کتب میں اس مضمون کی احادیث بکثرت وارد ہیں اور تفسیر برہان میں مسند احمد بن حنبل اور اہل سنت کی صحاح ستہ سے کافی احادیث اس موضوع کی نقل کی ہیں۔ اور بطریق اہل بیت اس کی موضوع کی احادیث بحدِ تواتر وارد ہیں اور بعض میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ اس آیت مجیدہ کے مصداق پنجتن پاک کے علاوہ علی زین العابدینؑ سے لے کر حضرت قائم آل محمد تک آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ یعنی پنجتن پاک اس کے تنزیلی مصداق ہیں اور باقی آئمہ اس کے تاویلی مصداق ہیں تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت علیؑ نے ابوبکر سے اپنے احتجاج میں حدیث کساء کا تذکرہ کیا تھا جس کو اس نے تسلیم کیا تھا اور مجلس شوریٰ میں بھی آپ نے اپنی اس فضیلت کو پیش کیا تھا جس کا کسی نے انکار نہیں کیا تھا بلکہ تسلیم کیا تھا۔ اور کتب شیعہ میں حدیث کساء ایک مشہور و معروف حدیث ہے جس کا پڑھنا اور سننا مستحب قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کا ورد مصائب و آلام وسعت رزق اور استجابت دعا کے لئے کافی لوگوں کا معمول ہے بہرکیف اس کی برکات بے حد ہیں اور یہ آل محمدؐ کا وہ قصیدہ ہے جو ان کے تمام کمالات وفضائل کو شامل ہے اور ان کی عصمت وطہارت پر نص قاطع ہے۔ مفاتیح الجنان میں شیخ عبداللہ بحرانی کی کتاب عوالم العلوم سے بروایت جابر بن عبداللہ انصاری منقول ہے

عَنْ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ قَالَ (جابر) سَمِعْتُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ اَنَّهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ اَبِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فِیْ بَعْضِ الْاَيَّامِ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا فَاطِمَةُ فَقُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ قَالَ اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ بَدَنِیْ ضُعْفًا فَقُلْتُ لَهٗ اُعِيْذُكَ بِاللّٰهِ يَا اَبَتَاهُ مِنَ الضُّعْفِ فَقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِيْتِيْنِیْ بِالْكِسَاۗءِ الْيَمَانِیْ فَغَطِّيْنِیْ بِهٖ فَاَتَيْتُهٗ بِالْكِسَاۗءِ الْيَمَانِیْ فَغَطَّيْتُهٗ بِهٖ وَصِرْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاِذَا وَجْهُهٗ يَتَلَاْلَاُ كَاَنَّهُ الْبَدْرُ فِیْ لَيْلَةِ تَمَامِهٖ وَكَمَالِهٖ فَمَا كَانَتْ اِلَّا سَاعَةً وَاِذَا بِوَلَدِیَ الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ اَقْبَلَ وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا اُمَّاهُ فَقُلْتُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا قُرَّةَ عَيْنِیْ وَثَمَرَةَ فُؤَادِیْ فَقَالَ يَا اُمَّاهُ اِنِّیْ اَشَمُّ عِنْدَكِ رَائِحَةً طَيِّبَةً كَاَنَّهَا رَائِحَةُ جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فَقُلْتُ نَعَمْ اِنَّ جَدَّكَ تَحْتَ الْكِسَاۗءِ فَاَقْبَلَ الْحَسَنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَحْوَ الْكِسَاۗءِ وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَدَّاهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَاْذَنُ لِیْ اَنْ اَدْخُلَ مَعَكَ تَحْتَ الْكِسَاۗءِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِیْ وَيَا صَاحِبَ حَوْضِیْ قَدْ اَذِنْتُ لَكَ فَدَخَلَ مَعَهٗ تَحْتَ الْكِسَاۗءِ فَمَا كَانَتْ اِلَّا سَاعَةً وَاِذَا بِوَلَدِیَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ اَقْبَلَ وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا اُمَّاهُ فَقُلْتُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِیْ وَيَا قُرَّةَ عَيْنِیْ وَثَمَرَةَ فُؤَادِیْ فَقَالَ لِیْ يَا اُمَّاهُ اِنِّیْ اَشَمُّ عِنْدَكِ رَائِحَةً طَيِّبَةً كَاَنَّهَا رَائِحَةُ جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فَقُلْتُ نَعَمْ اِنَّ جَدَّكَ وَاَخَاكَ تَحْتَ الْكِسَاۗءِ فَدَنَى الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَحْوَ الْكِسَاۗءِ وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَدَّاهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَنِ اخْتَارَهُ اللّٰهُ اَتَاْذَنُ لِیْ اَنْ اَكُوْنَ مَعَكُمَا تَحْتَ الْكِسَاۗءِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِیْ وَيَا شَافِعَ اُمَّتِیْ قَدْ اَذِنْتُ لَكَ فَدَخَلَ مَعَهُمَا تَحْتَ الْكِسَاۗءِ فَاَقْبَلَ عِنْدَ ذٰلِكَ اَبُو الْحَسَنِ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ

قال السلام عليك يا بنت رسول الله فقلت وعليك السلام يا ابا الحسن ويا امير المومنين فقال يا فاطمة انی
اشم عندك رائحة طيبة كانها رائحة اخی وابن عمی رسول الله فقلت نعم ها هو مع ولديك تحت الكسآء
فاقبل علی عليه السلام نحو الكسآء وقال السلام عليك يا رسول الله اتاذن لی ان اكون معكم تحت الكسآء قال له و
عليك السلام يا اخی ويا وصيی وخليفتی وصاحب لوائی قد اذنت لك فدخل علی عليه السلام تحت الكسآء ثم اتيت
نحو الكسآء وقلت السلام عليك يا ابتاه يا رسول الله اتاذن لی ان اكون معكم تحت الكسآء قال وعليك السلام يا بنتی
ويا بضعتی قد اذنت لك فدخلت تحت الكسآء فلما اكتملنا جميعا تحت الكسآء اخذ ابی رسول الله صلی الله عليه وآله
بطرفی الكسآء واوما بيده اليمنی الی السمآء وقال اللهم ان هؤلاء اهل بيتی وخاصتی وحامتی لحمهم لحمی ودمهم
دمی يؤلمنی ما يؤلمهم ويحزننی ما يحزنهم انا حرب لمن حاربهم وسلم لمن سالمهم وعدو لمن عاداهم و
محب لمن احبهم انهم منی وانا منهم فاجعل صلواتك وبركاتك ورحمتك وغفرانك ورضوانك علی وعليهم و
اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا فقال الله عز وجل يا ملائكتی ويا سكان سمواتی انی ما خلقت سمآء مبنية ولا
ارضا مدحية ولا قمرا منيرا ولا شمسا مضيئة ولا فلكا يدور ولا بحرا يجری ولا فلكا تسری الا فی محبة هؤلاء الخمسة
الذين هم تحت الكسآء فقال الامين جبرآئيل يا رب ومن تحت الكسآء فقال عز وجل هم اهل بيت النبوة ومعدن
الرسالة هم فاطمة وابوها وبعلها وبنوها فقال جبرآئيل يا رب اتاذن ان اهبط الی الارض لاكون معهم سادسا
فقال الله نعم قد اذنت لك فهبط الامين جبرآئيل وقال السلام عليك يا رسول الله العلی الاعلی يقرئك السلام و
يخصك بالتحية والاكرام ويقول لك وعزتی وجلالی انی ما خلقت سمآء مبنية ولا ارضا مدحية ولا قمرا منيرا
ولا شمسا مضيئة ولا فلكا يدور ولا بحرا يجری ولا فلكا تسری الا لاجلكم ومحبتكم وقد اذن لی ان ادخل معكم
فهل تاذن لی يا رسول الله فقال رسول الله صلی الله عليه وآله وعليك السلام يا امين وحی الله انه نعم قد
اذنت لك فدخل جبرآئيل معنا تحت الكسآء فقال لابی ان الله قد اوحی اليكم يقول انما يريد الله ليذهب عنكم
الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا فقال علی عليه السلام لابی يا رسول الله اخبرنی ما لجلوسنا هذا تحت الكسآء
من الفضل عند الله فقال النبی صلی الله عليه وآله والذی بعثنی بالحق نبيا واصطفانی بالرسالة نجيا ما ذكر خبرنا
هذا فی محفل من محافل اهل الارض وفيه جمع من شيعتنا ومحبينا الا ونزلت عليهم الرحمة وحفت بهم الملائكة
واستغفرت لهم الی ان يتفرقوا فقال علی عليه السلام اذا والله فزنا وفاز شيعتنا ورب الكعبة فقال النبی ثانيا يا
علی والذی بعثنی بالحق نبيا واصطفانی بالرسالة نجيا ما ذكر خبرنا هذا فی محفل من محافل اهل الارض وفيه
جمع من شيعتنا ومحبينا وفيهم مهموم الا وفرج الله همه ولا مغموم الا وكشف الله غمه ولا طالب حاجة
الا وقضی الله حاجته فقال علی عليه السلام اذا والله فزنا وسعدنا وكذلك شيعتنا فازوا وسعدوا فی الدنيا والآ

وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ه اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

رکوع ۲ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ جب اسماء بنت عمیس زوجہ جعفر طیار اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئیں تو انہوں نے ازواجِ نبی سے دریافت کیا کہ ہمارے متعلق بھی قرآن مجید کی کوئی آیت اتری ہے تو انہوں نے نفی میں جواب دیا پس وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ عورتیں تو خسارہ میں رہیں آپ نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اس نے عرض کی کہ ان کا کبھی بھی خیر سے ذکر نہیں ہوا جس طرح کہ مردوں کا ذکر ہوتا ہے پس یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ کارِ خیر کرنے والے مرد ہوں یا عورتیں سب کے لئے اللہ کے نزدیک بخشش اور اجرِ عظیم مقرر ہے مسلمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اطاعتِ خدا و رسولؐ کے لئے پوری طرح اپنے آپ کو حاضر کر دیں اور جھک جائیں اور مومنین سے مراد ہے کہ اللہ و رسولؐ کی ہر بات کی تصدیق کریں اور اس پر ایمان لائیں اور ان کے کسی فرمان میں شک و شبہ نہ کریں۔ اور حدیث میں ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ ترجمہ یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور مومن وہ ہے جس کے ہمسائے اس کے شر سے محفوظ رہیں آپ نے فرمایا مَا اٰمَنَ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهٗ طَاوٍ ترجمہ۔ اس شخص کا میرے اوپر کوئی ایمان نہیں جو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ

تحقیق مسلمان مرد و عورتیں اور مومن مرد و عورتیں اور عبادت پر ثابت قدم

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ

رہنے والے مرد اور عورتیں اور سچے مرد اور عورتیں اور صابر مرد اور عورتیں

وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ

اور خشوع کرنے والے مرد اور عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں

وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ

اور روزہ دار مرد اور عورتیں اور اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھنے والے مرد و عورتیں

وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً

اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد و عورتیں ان سب کے لئے اللہ نے مقرر کی ہے بخشش

وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا

اور اجر عظیم اور نہیں کسی مرد مومن و عورت کے لئے (جائز) جب

وَالذّٰكِرِیْنَ بروایت ابو سعید خدری جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جب عورت و مرد دونوں رات کو بیدار ہو کر

باوضو نماز میں مشغول ہوں تو وہ ذاکرین میں شمار ہوتے ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص تسبیح فاطمہ پڑھ کر سو جائے وہ ذاکرین میں محشور ہوگا۔

**زینب بنت جحش سے نکاح**

اِذَا قَضَى اللّٰهُ ۔ آیتِ مجیدہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ کلبی کے لئے زینب بنت جحش اسدی کو خطبہ کیا اور یہ حضورؐ کی پھوپھی امیمہ کی لڑکی تھی پہلے تو خوش تھی کہ شاید حضورؐ مجھے اپنے لئے خطبہ کرنے آئے ہیں لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ زید بن حارثہ کے لئے تشریف لائے ہیں تو سوچ میں پڑ گئی بلکہ مجمع البیان میں ہے اس نے صاف انکار کر دیا اور اس کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی اس رشتہ سے انکار کر دیا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی کہ جب خدا و رسولؐ کسی معاملہ میں فیصلہ دیں تو کسی مومن و مومنہ کو حق نہیں پہنچتا کہ اپنی مرضی کو اس میں دخل دے چنانچہ زینب نے فوراً رضامندی ظاہر کی اور حضورؐ نے اس کا نکاح زید سے کر دیا اور شادی ہوگئی اور حق مہر خود ادا کیا۔

اِذْ تَقُوْلُ ۔ حقیقت یہ ہے کہ زینب کی زید کے ساتھ شادی تو ہوگئی لیکن نباہ نہ ہو سکا۔ زید خاموش طبع شریف النفس انسان تھا اور زینب اگرچہ بہت شریف عورت تھی لیکن زنانہ مزاج کے پیشِ نظر اپنے بات پر اس کو کوستی تھی کہ تم غلام ہو میں آزاد ہوں تم قبیلہ میں پست ہو اور میں قریش خاندان سے تعلق رکھتی ہوں وغیرہ) پس زید ان باتوں سے تنگ آ گیا

قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

فیصلہ کرے اللہ اور اُس کا رسولؐ کسی معاملہ کا کہ وہ اپنے معاملہ میں اپنی مرضی کی کریں

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶ وَ

اور جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اُس کے رسولؐ کی تو وہ کھلی گمراہی میں ہوگا اور

اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ

جب آپ نے کہا اُس کو جس پر اللہ نے انعام کیا اور تم نے انعام کیا کہ روک لے

عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ

اپنے لئے اپنی بیوی کو اور اللہ سے ڈر اور تم چھپاتے تھے اپنے دل میں جس کو اللہ ظاہر کرنے

وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ

والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ سے ڈرنا ہی سزاوار ہے پس جب پورا کیا زید نے

مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ

اس عورت سے اپنا مطلب ہم نے اس کی تیرے ساتھ شادی کر دی تاکہ نہ رہے مومنوں پر حرج

فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ

اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے متعلق جب وہ اپنا مطلب پورا کر لیں اور اللہ کا فیصلہ

اور بالآخر اس نے حضورؐ سے عرض کی کہ میں اس کو اپنے حبالۂ نکاح میں نہیں رکھ سکتا کیونکہ اس کی زبان کی تلخی و ترشی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے آپ نے بہت سمجھایا کہ عورتوں کی اس قسم کی عادت سے دل برداشتہ نہ ہو بلکہ جس طرح بھی ہو سکے اس سے نباہ کرنے کی کوشش کرو چنانچہ قرآن مجید صراحت سے اس امر کا تذکرہ کر رہا ہے۔

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ :- اس مقام پر بعض مفسرین نے سخت غلطی کھائی ہے اور ایسی بے سر و پا حکایات لکھ دی ہیں کہ شانِ رسالت کے سخت منافی ہیں (اور یہ کہ ایک مرتبہ حضورؐ بنفسِ نفیس کسی کام کے لئے زید کے گھر چلے گئے وہ چونکہ نہایت حسین و جمیل خاتون تھی اس کو دیکھ کر کلمہ سبحان اللہ زبان پر جاری فرمایا اور دل میں اس کی محبت جاگزین ہو گئی اور اس سے شادی کرنے کی ٹھان لی جب زید گھر میں پلٹا تو اُسے عورت نے سارا ماجرا سنایا تو زید نے سمجھا کہ حضورؐ زینب سے شادی کرنا چاہتے ہیں پس اس نے عورت کو اس غرض سے طلاق دینا چاہی تاکہ حضورؐ اس سے شادی کر سکیں، اور آیت مجیدہ میں خدا اسی امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو چیز تم چھپانا چاہتے تھے ہم نے ظاہر کر دی) یہ مفروضہ بالکل ناقابلِ قبول ہے اصل بات یہ ہے کہ خداوند کریم نے حضورؐ پر یہ بات منکشف کر دی تھی کہ زینب تیری ازواج میں شامل ہو گی پس یہ بات حضورؐ کے دل میں تھی اور اس کا کسی وقت بھی آپ نے اظہار نہ کیا اور نہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ جاہل، حاسد اور منافق لوگوں کی زبان درازی کا ڈر تھا کیونکہ وہ فوراً کہہ دیتے کہ اپنے متبنّیٰ کی بیوی پر ڈورے ڈال رہا ہے۔ پس اگرچہ آپ کو وحی پر یقین تھا کہ وہ ایک دن ضرور میرے نکاح میں آئے گی لیکن نہ اس کی کبھی خواہش کی اور نہ اشارہ کنایہ سے زید یا زینب کو یہ بات بتلائی۔ اور قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا کا صاف معنی یہ ہے کہ زید کا دل اس سے بھر چکا تھا اور زینب کو دل و جان سے طلاق دینا چاہتا تھا پس جب اس نے حضورؐ کے سامنے اپنی اس خواہش کا ذکر کیا تو آپ نے اس کو پُر زور الفاظ میں تاکیدی لہجہ سے فرمایا کہ اپنی عورت کو اپنے گھر میں رکھو اور اس کو طلاق نہ دو۔ حضورؐ کو اگرچہ معلوم تھا کہ بفرمانِ خداوندی وہ میرے حبالۂ نکاح میں آئے گی لیکن اس کا قطعاً کسی وقت بھی اظہار نہ فرمایا اور اس راز کو مخفی رکھا۔ اور خدا فرماتا ہے کہ لوگوں کے ڈر سے آپ جس کو مخفی کر رہے تھے خدا نے اس کو ظاہر کر دیا۔ مجمع البیان اور برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ کا فرمان ہے جس چیز کو آپ چھپاتے ہیں اللہ نے اس کو ظاہر کر دیا اور جس چیز کو اللہ نے ظاہر کیا وہ یہ ہے کہ اللہ نے زینب کو اپنے حکم سے رسول اللہ کے حبالۂ نکاح میں دے دیا اگر کوئی اور چیز مثلاً زینب کی محبت یا زید کی طلاق کی خواہش بھی حضورؐ کے دل میں ہوتی تو خدا حسبِ وعدہ اس کو بھی ظاہر فرما دیتا۔ پس اللہ کا صرف نکاح و تزویج کا ظاہر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حضورؐ کے دل میں صرف زینب کی تزویج پوشیدہ تھی کیونکہ اس کی آپ کو وحی ہو چکی تھی۔

اور تفسیر مجمع البیان میں ہے زینب باقی تمام ازواجِ نبی پر فخر کیا کرتی تھی کہ میرا نکاح اپنے حبیب سے اللہ نے کیا ہے اور تمہارا نکاح تمہارے والدین کی ولایت سے ہوا ہے اور بروایت انس بن مالک زینب کی عدت گزرنے کے بعد آپ نے زید کو ہی مامور فرمایا تھا کہ زینب کو میری طرف سے خطبہ کرو چنانچہ جب زید نے آکر زینب کو بشارت دی تو وہ اس وقت آٹا خمیر کر رہی تھی یہ خوشخبری سن کر آٹا چھوڑ دیا اور شکر کے طور پر دو رکعت نماز ادا کی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوئی اور چونکہ اللہ

کی جانب سے زَوَّجْنَاکَھَا نازل ہو چکا تھا اس لئے حضورؐ جب تشریف لائے تو زینب سے اندر آنے کی اجازت لینے کی ضرورت نہ سمجھی اور ولیمہ کے طور پر آپ نے ایک بکری ذبح کی اور لوگوں کی روٹی اور گوشت سے ضیافت فرمائی اور دوسری کسی شادی کے موقعہ پر آپ نے اس قسم کا ولیمہ نہ کیا اور مروی ہے کہ زینب جب حضورؐ کے گھر میں آئی تو اس نے عرض کی حضورؐ مجھے تین طرح کا فخر حاصل ہے ایک یہ کہ میرا اور آپ کا جد ایک ہے یعنی میرا نانا عبدالمطلب ہے اور آپ کا دادا عبدالمطلب ہے اور دوسرے یہ کہ میرا نکاح آسمانوں پر اللہ نے کیا ہے اور تیسرے یہ کہ میرے لئے نکاح کا وکیل جبریل تھا۔ اور تفسیر برہان میں ہے دربارِ مامون میں عصمت الانبیاء پر تقریر کرتے ہوئے امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ پوری مخلوق میں سے تین شخصیتیں ہیں جنکے نکاح اللہ نے کئے ہیں پہلا نکاح حضرت آدمؑ کا حوا سے دوسرا نکاح حضرت محمد مصطفےٰؐ کا زینب سے اور تیسرا نکاح حضرت علیؑ کا جناب فاطمہؑ سے۔

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ دو بڑی وجہیں ہیں جن کی بنا پر حضورؐ نے زینب سے شادی کی۔ ایک تو یہ کہ زینب بنت جحش شریف النفس اور خود دار عورت تھی اُس نے رسول کے حکم کی لاج رکھتے ہوئے زید سے نکاح منظور کر لیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ اس کو محسوس کرتی رہی اور اس رشتہ کو اپنی خفت سمجھتی رہی اور حضورؐ کو اس کا بڑا احساس تھا اس لئے جب زید نے طلاق دی تو آپ نے بحکم پروردگار اس سے شادی کر لی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ جن کو اپنا منہ بولا بیٹا بناتے تھے ان کو اپنا وارث بھی بناتے تھے اور ان کی بیوی کو صحیح معنوں میں اپنی بہو سمجھتے تھے پس اس سے نکاح کرنا ناجائز جانتے تھے۔ اسی سورہ کے ابتداً میں وراثت کی نفی کا حکم بیان ہو چکا ہے کہ اولوالارحام ہی اقرب فالاقرب کے لحاظ سے متوفّی کے وارث ہو سکتے ہیں نہ بھائی چارہ وراثت کا موجب ہو سکتا ہے اور نہ متبنّٰی ہونا وراثت کا سبب بن سکتا ہے اور اس مقام پر متبنّٰی کی بیویوں کی حرمت کے رواج کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور عملی طور پر رسولؐ اللہ کو اپنے متبنّٰی کی مطلقہ زینب سے شادی کا حکم دیا گیا تاکہ لوگوں پر قطعی طور پر واضح ہو جائے کہ متبنّٰی کی بیوی بہو نہیں ہوا کرتی بلکہ بیٹے کی بیوی بہو ہوا کرتی ہے۔

مَا کَانَ عَلَى النَّبِیِّ۔ جب حضرت رسالتمآبؐ نے زینب سے شادی کر لی تو منافق لوگوں نے خوب بغلیں بجائیں اور باچھیں کھول کھول کر مسلمانوں پر الزام تراشی میں مشغول ہوئے کہ دیکھو اس نے اپنی بہو سے شادی کر لی اور زیادہ سے زیادہ شادیاں کرتا جا رہا ہے تو پروردگار نے ان آیات میں ان کی تردید فرمائی کہ میرے احکام پر عمل کرنا نبی کے فرائض میں سے ہے اور کسی کا کوئی اعتراض ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں ڈال سکتا اور کثرتِ ازدواج پر اگر اعتراض کریں تو ان سے پہلے بنی اسرائیل کے انبیاء بھی زیادہ سے زیادہ شادیاں کرتے رہے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک سو عورت سے شادی کی اور حضرت سلیمان نے تین سو عورتوں سے شادی کی اور آپ کے گھر میں سات سو کنیزیں بھی تھیں اور کثرتِ ازدواج پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ہم نے تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۱۰ تا صفحہ ۱۱۸ پر مفصل دیا ہے۔

وَلَا یَخْشَوْنَ۔ اس آیت میں اللہ نے واضح فرمایا ہے کہ میرے مبلغ تبلیغ احکام میں صرف مجھ سے ہی ڈرتے ہیں اور لوگوں سے ہرگز نہیں ڈرا کرتے۔ تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں سے ڈرنا رسول کی شان نہیں لیکن گذشتہ آیت میں حضرت رسالتمآبؐ

کے متعلق صاف فرمایا ہے کہ تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ اللہ سے ہی ڈرنا زیادہ مناسب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تبلیغِ احکام میں نبی لوگوں سے نہیں ڈرا کرتے اور اس لحاظ سے جنابِ رسالتمآبؐ نے کبھی کسی سے خوف نہیں کھایا جب مکہ کی سرزمین میں کفر و شرک کی تیز سے تیز تر آندھیوں کے مقابلہ میں ان کے پائے ثبات میں تزلزل نہ پیدا ہوا اور بڑی سے بڑی طاقتوں سے ذرہ بھر نہ جھجکے نہ گھبرائے اور ببانگِ دہل اعلائے کلمۂ حق میں کوشاں رہے تو اب مدینے میں تو وہ بات ہی نہ تھی۔ البتہ منافق لوگوں کی طرف سے اپنے ذاتی افعال میں طعنہ زنی اور مکر و فریب کے لوگوں میں بدظنی و غلط فہمیاں پھیلانے کی سازشوں سے آپ کو خطرہ تھا اور زینب سے شادی کا خطرہ اسی نوعیت کا تھا۔

اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٣٨﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ

ہو کے رہتا ہے — نبی پر کوئی حرج نہیں اس چیز میں جو اللہ نے اس پر فرض کی ہو

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿٣٩﴾

سنت اللہ کی ان لوگوں میں جو پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ کا فیصلہ قضائے حتمی ہوا کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا

جو لوگ تبلیغ کرتے ہیں اللہ کے پیغامات کی اور اس سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے سوا

اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿٤٠﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

اللہ کے اور کافی ہے اللہ کافی ہے اللہ جزا دینے والا نہیں ہے محمد باپ کسی کا تم مردوں میں سے

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٤١﴾ ع

ولیکن اللہ کا رسول اور نبیوں کا خاتم ہے اور اللہ ہر شئ کو جاننے والا ہے۔

**ماکان۔** یعنی جنابِ رسالتمآبؐ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں اور آپؐ چار شہزادوں ابراہیمؑ، قاسمؑ، طیب و طاہر کے اگرچہ باپ تھے لیکن چونکہ وہ بچپنے ہی میں انتقال کر گئے۔ اور حسنین شریفین کے بھی آپؐ باپ بنصِ قرآن تھے لیکن بوقت نزولِ آیت ان میں سے صفتِ رجولیت سے متصف کوئی نہ تھا کیونکہ لغتِ عرب میں رجل کا اطلاق جوان سال مرد پر ہوتا ہے۔ امام حسنؑ کے متعلق آپ نے فرمایا اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ تحقیق میرا یہ فرزند سردار ہے اور حسنینؑ کے متعلق فرمایا اِبْنَایَ هٰذَانِ اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا میرے یہ دونوں فرزند امام ہیں جہاد کے لئے کھڑے ہوں یا صلح کر کے بیٹھ جائیں نیز آپ نے فرمایا اِنَّ کُلَّ بَنِیْ بِنْتٍ یُنْسَبُوْنَ اِلٰی اَبِیْهِمْ اِلَّا اَوْلَادُ فَاطِمَةَ فَاِنِّیْ اَنَا اَبُوْهُمْ یعنی لڑکی کی اولاد ہمیشہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوا کرتی ہے مگر اولادِ فاطمہؑ میری طرف منسوب ہوگی پس میں ان کا باپ ہوں۔ (مجمع البیان)

**ختم نبوت**

خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ قرآن مجید کی اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ خاتم الانبیاء تھے اور ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ حضورؐ کے بعد آنے والا جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا جھوٹا ہوگا اور ہم نے ختم نبوت پر مکمل و مدلل

بحث مقدمہ تفسیر انوار النجف کے صفحہ ۱۰۱ تا صفحہ ۱۰۶ پر سپرد قلم کی ہے اور جناب جابر بن عبداللہ انصاری سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝۴۱ وَسَبِّحُوهُ

اے ایمان والو یاد کرو اللہ کو یاد بہت اور اسکی تسبیح کرو

بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝۴۲ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ

صبح و شام وہ وہ ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے

حضورؐ نے فرمایا باقی انبیاء میں میری مثال اس طرح ہے کہ جس طرح کوئی معمار ایک عالی شان محل تعمیر کرے اور اس میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دے تو جو بھی اس مکان میں داخل ہو گا تمام مکان کی زیبائش و آرائش اور پختگی و مضبوطی کی تعریف کرنے کے بعد اس اینٹ کی کمی محسوس کرے گا۔ پس میں اس نبوت و رسالت کے عالی شان و خوبصورت پختہ و مضبوط اور دلکش و عجیب محل میں آخری اینٹ ہوں لہذا میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ روایت بخاری و مسلم اور ترمذی سے نقل کی گئی ہے (مجمع البیان)

## رکوع ۳ ذکرِ خدا

ذِكْرًا كَثِيرًا تفسیر مجمع البیان میں آئمہ طاہرین علیہم السلام سے مروی ہے کہ جو شخص تسبیحاتِ اربعہ یعنی سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ تیس مرتبہ پڑھے وہ اللہ کا ذکر کثیر کرنے والوں میں سے ہوگا۔ اور عمران بن ایمن نے جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو شخص تسبیح فاطمہؑ پڑھے گا وہ ذکر کثیر کرنے والوں میں سے ہوگا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جبریل نے حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں آکر عرض کی۔ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ عَدَدَ مَا عَلِمَ وَزِنَةَ مَا عَلِمَ وَمِلْأَ مَا عَلِمَ۔ جو شخص یہ کلمات پڑھے وہ ذکر کثیر کرنے والوں میں سے ہوگا اور شب و روز کے ذکر کرنے والوں سے بھی اس کا ذکر افضل ہوگا۔ اس کے لئے جنت میں باغات ہوں گے اس کے گناہ اس طرح گریں گے جس طرح خشک پتے درخت سے گرتے ہیں اور اللہ ان کی طرف نظرِ رحمت کرے گا اور جس پر اللہ کی نظرِ رحمت ہو اس پر عذاب نہیں آسکتا۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر چیز کے لئے حد ہے مثلاً فرائض کی حد ہے ماہ رمضان کے روزوں کے لئے حد ہے حج کے لئے حد ہے وعلی ہذا القیاس۔ لیکن ذکرِ خدا کی کوئی حد مقرر نہیں ہے چنانچہ اس نے خود فرمایا ہے کہ اللہ کا ذکر زیادہ کرو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے والد بزرگوار اللہ کا بہت ذکر کرتے تھے چلتے پھرتے اور کھانا کھاتے وقت حتیٰ کہ لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے بھی ذکرِ خدا سے الگ نہ ہوتے تھے اور لوگوں سے باتیں کرنا ان کو ذکرِ خدا سے غافل نہ کر سکتا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی زبان مبارک حلق کے ساتھ چمٹ چکی ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کو وردِ زبان رکھا کرتے تھے ہم سب کو اکٹھا کر کے رات بھر طلوعِ شمس تک ذکر کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور قرآن پڑھنے والوں کو تلاوت کا حکم دیتے تھے اور جو نہ پڑھ سکے اُسے ذکر کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

اور جس گھر میں قرأت قرآن اور اللہ کا ذکر ہوتا رہے اس میں برکت ہوتی ہے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور شیاطین دور ہو جاتے ہیں اور ایسا گھر آسمان والوں کے لئے اس طرح چمکتا ہے جس طرح زمین والوں کے لئے آسمان کے تارے چمکتے ہیں۔ اور جس گھر میں قرآن نہ پڑھا جائے اور ذکرِ خدا نہ کیا جائے اس گھر سے برکت چلی جاتی ہے فرشتے دور ہو جاتے ہیں اور شیطانوں کا ڈیرہ لگ جاتا ہے الخ اور جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جس شخص کو ذکرِ خدا کرنے والی زبان مل گئی گویا اس کو خیر کثیر ہاتھ لگی۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا جو اللہ کا ذکر زیادہ کرے خدا اس کو دوست رکھتا ہے اور اسے دنیا میں نفاق سے اور آخرت میں جہنم سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ کا ذکرِ کثیر کرے وہ جنت میں رحمت خدا کے سایہ میں ہوگا۔

بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔ اس سے صبح و شام کی نمازیں مراد لی گئی ہیں اور ان کو اس لئے خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ دن اور رات کے فرشتے ان کی گواہی دیتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ۔ اللہ کی صلوات سے مراد بخشش و رحمت اور فرشتوں کی صلوات سے مراد دعائے مغفرت و رحمت ہے تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص محمدؐ و آل محمدؐ پر ایک دفعہ صلوات پڑھے تو خدا اور ملائکہ اس پر ایک سو دفعہ صلوات بھیجتے ہیں اور جو شخص ایک سو دفعہ صلوات پڑھے اللہ اور فرشتے ایک ہزار مرتبہ اس پر صلوات بھیجتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے جب حضورؐ کا نام آئے تو زیادہ سے زیادہ صلوات پڑھا کرو کیونکہ جو شخص

وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

اور اس کے فرشتے تاکہ نکالے تمکو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور وہ مومنوں پر

رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا

مہربان ہے ان کا آپس کا تحیۃ جزا کے ملنے کے دن سلام ہوگا اور ان کے لئے اس نے تیار کیا ہے اجر

كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ

بڑا اے نبی ہم نے تم کو بھیجا ہے شاہد و مبشر و

نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ

نذیر بناکر اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور روشن چراغ بناکر اور خوشخبری دو

الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ

مومنوں کو کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا ثواب ہے اور نہ اطاعت کر

الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى

کافروں اور منافقوں کی اور درگذر کر ان کی تکلیف سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور کافی

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ

ہے اللہ کارساز اے ایمان والو جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر

صلوات پڑھے تو خدا فرشتوں کی ایک ہزار صف کے ساتھ ایک ہزار دفعہ اس پر صلوات بھیجتا ہے اور خدا اور فرشتوں کی صلوات کی وجہ سے
اللہ کی تمام مخلوق اس پر صلوات بھیجتی ہے اس کے بعد بھی جو شخص ایسا نہ کرے وہ مغرور ہے اور اس سے اللہ اور اس کا رسول اور اہل بیت
بری و بیزار ہیں۔

طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ

ان کو طلاق دیدو پہلے اس سے کہ ان کو مس کرو۔ تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں جسے وہ

تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا

گذار دیں۔ پس ان کو فائدہ پہنچاؤ اور روانہ کردو اچھے طریقے سے اے نبیؐ ہم نے تجھ پر

أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ

حلال کیں تیری وہ بیویاں جن کے حق مہر تم نے ادا کر دیئے اور وہ جن کے تم مالک ہو

مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ

اس مال سے جو بطور فئی کے دیا تجھے اللہ نے اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور ماموں کی

خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً

بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی۔ اور کوئی مومن عورت

إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً

اگر ہبہ کرے اپنا نفس نبیؐ کو اگر نبی چاہے کہ اس نکاح کرے دیں، صرف

لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ

تیرے لئے ہے نہ کہ عام مومنوں کے لئے تحقیق ہم نے جانا جو کچھ ہم نے ان پر فرض کیا ان کی بیویوں کے بارے میں

وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا

اور وہ جن کے وہ مالک ہیں۔ تاکہ تم پہ کوئی حرج نہ رہے۔ اور ہے اللہ بخشنے والا

مِنَ الظُّلُمَاتِ: ظلمت سے مراد جہالت اور نور سے مراد معرفت یا ظلمت سے مراد گمراہی اور نور سے مراد ہدایت کی گئی ہے نیز دوزخ اور جنت بھی ان کی تاویل کی گئی ہے اور مزید تشریح جلد ۱ سورہ نور کی تفسیر میں ملاحظہ ہو۔

يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ: تحت اللفظی معنی کے علاوہ ممکن ہے کہ ضمیر غائب کا مرجع ملک الموت ہو یعنی جس دن مومن سے ملک الموت کی ملاقات ہوگی تو ملک الموت کا تحیہ یہ ہوگا کہ پہلے مومن کو سلام کہے گا اور ملائکہ کے جمع کے صیغے میں ملک الموت کا ذکر ضمنی طور پر پہلے ہو چکا ہے لہذا ضمیر کا مرجع قرار دیا جا سکتا ہے۔

دَعْ اَذٰىهُمْ: تحت اللفظی معنی کے علاوہ ممکن ہے ضمیر جمع غائب مفعول کے معنی میں ہو یعنی کافروں کو تکلیف دینے سے پرہیز کرو کیونکہ اللہ خود ہی ان کو اپنے کرتوتوں کا بدلہ دے گا اور یہ جہاد کے حکم سے پہلے کی بات ہے۔

الْمُؤْمِنَاتِ۔ فقہی مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی منکوحہ کو ہم بستری سے پہلے طلاق دیدے تو اس عورت پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے بلکہ طلاق کے بعد وہ فوراً دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور اس کی یہ طلاق بائن ہوگی مرد پر ایسی صورت میں نصف حق مہر واجب الادا ہوتا ہے اور آیت کے فرمان کے مطابق مطلقہ عورت کو حق مہر کے علاوہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ دے کر باعزت گھر سے رخصت کرنا چاہیئے تاکہ وہ شکستہ خاطر نہ ہو طلاق کے مفصل احکام تفسیر کی جلد ۳ میں گذر چکے ہیں۔

رَحِيمًا ۝ ٥٠ تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ وَمَنِ

مہربان۔ پیچھے ہٹا دو جسے چاہو۔ ان (اپنی بیویوں) میں سے اور بلالو اپنی طرف جسے چاہو اور جس کو

ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا

اپنالو ان میں سے جن کو الگ کر چکے ہو تو کوئی گناہ نہیں تم پر یہ بات زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اور غمزدہ نہ ہوں اور راضی رہیں اس پر جو بھی ان کو دو۔ سب کی سب اور اللہ جانتا ہے

مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝ ٥١ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ

جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا حلیم ہے نہیں حلال تم پر عورتیں

مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ

علاوہ اور نہ یہ کہ تبدیل کرو ان کے بدلہ میں بیویاں اگرچہ پسند ہو تمہیں ان کا حسن

إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ۝ ٥٢ ع ۴

مگر وہ جن کے تم مالک ہو اور اللہ ہر شئے کا نگہبان ہے

أُجُورَهُنَّ۔ عورت کا حق مہر فوراً ادا کر دینا بہتر ہے اور اگر فوراً ادا نہ کر سکے تو عورت کی رضامندی سے اپنے اوپر قرض ٹھہرالے۔

وَمَا مَلَكَتْ۔ اس میں غنیمت اور انفال سے حاصل ہونے والی عورتیں شامل ہیں حضور کے پاس مالِ غنیمت میں سے ماریہ قبطیہ والدۂ ابراہیم تھی اور انفال میں سے حضرت صفیہ اور جویریہ تھیں جن کو آزاد کرکے آپ نے نکاح کیا تھا۔ بناتِ عم سے مراد قریش کی عورتیں اور بناتِ خال وخالات سے مراد بنی زہرہ کی عورتیں ہیں اور ابتدائی دور میں چونکہ نکاح میں ہجرت کی شرط تھی اس لئے ہجرت کی قید بڑھادی گئی ہے اور فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا تھا۔

إِنْ وَهَبَتْ۔ یہ حضرت رسالت مآبؐ کے خواص میں شامل ہے کہ اگر کوئی عورت اپنا نفس حق مہر لئے بغیر حضورؐ کو بخش دے تو صیغہ نکاح جاری کئے بغیر وہ آپ پر حلال ہوگی لیکن باقی امت کے لئے ایسا کرنا صحیح نہیں ہے حضورؐ کی زوجات میں سے جس نے اپنا نفس حضور کو ہبہ کیا تھا وہ میمونہ بنت حارث یا زینب بنت خزیمہ ام المساکین انصاریہ یا خولہ بنت حکیم یا ام شریک اسدیہ باختلافِ اقوال منقول ہے اور آخری قول حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا۔ یعنی ہبہ کے لفظ سے عورت کا حلال ہو جانا صرف پیغمبر کے لئے ہے دوسرے مومنوں کے لئے نہیں ہے اور دوسرے مومنوں کے لئے حلال ہونے کے متعلق اور تعداد کے متعلق جو کچھ ہم نے فرض کیا ہے وہ معلوم ہے اور ان کے لئے کنیزوں کے احکام بھی الگ ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام کے لئے جائز ہے کہ غنیمت میں آنے والی کنیزوں میں سے اپنے لئے انتخاب کر سکے اور یہ حق انتخاب دوسروں کے لئے نہیں ہے

## ازواج پیغمبر

تُرْجِیْ۔ پیغمبر کا یہ خاصا بھی ہے کہ ان پر بیویوں میں تقسیم واجب نہیں ہے ان کو اختیار ہے جس عورت کی باری پیچھے ہٹا دیں اور جس کو چاہیں مقدم کر لیں وہ چاہیں تو بعض عورتوں کی باری مقرر ہی نہ کریں اور بعض کی باری مقرر کر دیں بلکہ یہ بھی ان کو اختیار ہے کہ ایک کی باری میں دوسری کے ہاں چلے جائیں نیز اگر کسی عورت کو بذریعہ طلاق الگ کر دیں تو پھر بھی ان کو اختیار ہے کہ اس کو ازواج میں شامل کریں اور حضورؐ کے ان خواص میں ان کی بیویوں کی بھلائی کا راز بھی مضمر ہے کیونکہ ان کو تسلی رہے گی کہ علیحدگی کے باوجود بھی وہ حضورؐ کے تصرف میں آسکتی ہیں اور حرم میں رہنے کے شرف سے وہ محروم نہیں ہو سکتیں

اس آیت مجیدہ کو آیہ تخییر کہا جاتا ہے اور اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب رسولؐ اللہ کی بعض بیویوں نے ایک دوسری پر غیرت کرنا اور جھگڑنا شروع کیا تو حضورؐ کو بہت رنج پہنچا پس آپ پورا ایک مہینہ ان میں سے کسی کے پاس نہ گئے تو یہ آیت اتری کہ آپ عورتوں کو بلا کر ان پر اس حکم خداوندی کی وضاحت کر دیں۔ کہ اگر وہ آزاد ہونا چاہیں اور دنیاوی تعیش کو ترجیح دیں تو بے شک اُن کو چلے جانے کی کھلی چھٹی ہے لیکن اگر خدا و رسول کو پسند کریں تو ان تشریحات کو پہلے سے ذہن نشین کر لیں۔ (۱) وہ مومنوں کی مائیں متصور ہوں گی لہٰذا ان کے ساتھ کسی مومن کا نکاح نہ ہو سکے گا (۲) وہ تا زیست کسی مرد سے شادی نہ کر سکیں گی (۳) رسولؐ اللہ کو اختیار ہوگا کہ جس کو چاہے علیحدہ کر دے جسے چاہے اپنے پاس رکھے (۴) رسولؐ اللہ کو اختیار ہوگا کہ عورتوں کے لئے باریاں مقرر کرے یا نہ کرے نیز یہ بھی اختیار ہوگا کہ بعض کے لئے باریاں مقرر کرے اور بعض کے لئے نہ کرے (۵) ان کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ تقسیم میں کمی یا بیشی کرے (۶) وہ نان ونفقہ و دیگر معاشرتی امور میں بھی مساوات کے پابند نہ ہوں گے بلکہ ان کی صوابدید کے فیصلہ پر تم کو راضی رہنا پڑے گا۔ اور یہ سب ان کے خواص ہیں پس جب حضورؐ کی بیویوں نے حکم پروردگار سنا تو سب نے سر تسلیم خم کر لیا اور تمام شرائط مان لیں اور حضورؐ کے اخلاقِ کریمانہ میں سے ہے کہ آپ نے اس کے باوجود بھی برتاؤ میں برابری کو ملحوظ رکھا یہ الگ بات ہے کہ حضورؐ کی افتادِ طبع کے پیش نظر بعض بیویاں اپنی باری کو دوسریوں کے لئے بخش دیا کرتی تھیں۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جناب رسالت مآبؐ کی ازواج کی تعداد سترہ منقول ہے ان میں سے دو ایسی ہیں جن کے ساتھ ہمبستری نہیں ہوئی اور باقی پندرہ ہیں ان میں سے تیرہ عقدِ نکاح میں تھیں اور دو کنیزیں تھیں وہ جن کے ساتھ ہمبستری نہیں ہوئی وہ عمرہ اور شنباء ہیں۔ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد انہوں نے شادی کی تھی چنانچہ ایک کا شوہر جذام کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور دوسرا پاگل ہو گیا۔ (صافی)

منکوحہ بیویوں کے نام یہ ہیں (۱) خدیجہ بنت خویلد (از قریش) (۲) سودہ بنت زمعہ (از بنی اسد) (۳) ام سلمہ ہند بنت ابو امیہ

(از بنی مخزوم) (۴) اُم عبداللہ عائشہ بنت ابی بکر (از بنی تیم) (۵) حفصہ بنت عمر (از بنی عدی) (۶) زینب بنت خزیمہ اُم المساکین (انصاریہ) (۷) زینب بنت جحش (از بنی اسد) (۸) اُم حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان (از بنی اُمیہ) (۹) میمونہ بنت حارث (از بنی ہلال) (۱۰) زینب بنت عمیس (۱۱) جویریہ بنت حارث (۱۲) صفیہ بنت حی بن اخطب (از بنی اسرائیل یہودیہ) (۱۳) خولہ بنت حکیم ان میں سے ایک وہ ہے جس کا نکاح ہبہ کے صیغہ سے ہوا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ

اے ایمان والو! نہ داخل ہو نبی کے گھروں میں - مگر یہ کہ اجازت دی جائے تم کو

إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا

کھانے کی طرف (پس اس وقت جاؤ کہ) نہ انتظار کرنے والے ہو دیگ کی لیکن جب بلائے جاؤ تو داخل ہو پس جب

طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ

کھا چکو تو چلتے بنو اور نہ (بیٹھے رہو) باتوں میں مانوس ہو کر - تحقیق یہ بات

يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا

تکلیف دیتی ہے نبی کو پس وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ نہیں شرم کرتا حق بات کہنے سے اور جب

سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ

مانگو ان عورتوں سے کوئی چیز تو مانگو ان سے پس پردہ یہ بات

أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ

باعث پاکیزگی ہے تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے اور تمہیں جائز نہیں کہ تکلیف دو رسول اللہ کو

وہ دو بیویاں جو کنیزیں تھیں ایک کا نام ماریہ تھا جو قبطی نسل سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری کا نام ریحانہ تھا اور ان تمام میں سے افضل جناب خدیجہ ہیں اور ان کے بعد اُم سلمہ اور ان کے بعد جویریہ کو فضیلت حاصل ہے۔ جن لوگوں نے حضرت عائشہ کی فضیلت بیان کی ہے وہ صرف حضرت خدیجہ کی فضیلت کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جناب فاطمہؑ کی والدہ تھیں اور گیارہ اماموں کی جدہ ماجدہ ہونے کا ان کو شرف حاصل تھا ورنہ قرآن مجید میں جہاں کہیں ازواج نبی کو سرزنش کی گئی ہے۔ شان نزول کے لحاظ سے حضرت عائشہ ان میں پیش پیش ہیں لہٰذا ان کی افضلیت کا اعلان کرنا آیات قرآنیہ سے انحراف کرنے کے مترادف ہے جناب خدیجہ کی فضیلت کے متعلق احادیث ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں درج کی ہیں۔

## رکوع ۴ معاشرہ کے احکام

لَا تَدْخُلُوا۔ آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں وارد ہے کہ جب حضورؐ نے زینب بنت جحش سے شادی کی تو دعوت ولیمہ میں صحابہ کرام کو

بلایا آپ نے اس دعوت میں کھجور ستو اور بکرے کے گوشت کا انتظام کیا ہوا تھا پس لوگ جوق در جوق آتے رہے اور کھانا کھا کر واپس جاتے رہے جب تمام لوگ کھانا کھا چکے اور گھروں کو چلے گئے تو تین آدمی آپس میں بات چیت کرنے میں مصروف ہو گئے اور کافی دیر تک بیٹھے رہے حضورؐ کے اخلاق کریمانہ نے گوارا نہ کیا کہ ان کو چلے جانے کا حکم دیں پس خود اُٹھ کھڑے ہوئے اور گھر سے باہر ٹہلنے لگ گئے کچھ دیر کے بعد جو واپس آئے تو ان آدمیوں کو مصروفِ گفتگو پایا ان کے اس رویّے کا آپ کو کافی دکھ پہنچا پس یہ آیت نازل ہوئی اس میں معاشرتی طور پر چند درس آموز باتیں شامل ہیں جو بظاہر اگرچہ صحابہ سے متعلق ہیں لیکن تادیب کے طور پر قیامت تک کے تمام اہل اسلام کے لئے ناقابلِ فراموش ہدایات ہیں (۱) نبی کے گھر میں اجازت لئے بغیر داخل ہونا ممنوع ہے اسی لئے قیامت تک کے لئے نبی علیہ السلام کے روضہ میں داخلہ بھی جائز نہیں جب تک کہ پہلے اذنِ دخول نہ پڑھ لیا جائے کیونکہ وہی نبی کا گھر ہے اور حکم مذکور نبی کی ظاہری دنیاوی زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور تمام آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ضرائح مقدسہ میں بھی بغیر اذنِ دخول کے جانا ممنوع ہے اور یہی آیت مجیدہ حکم مذکور کی دلیل ہے لیکن کس قدر بدترین تھے وہ انسان جنہوں نے باوجود لَا تَدْخُلُوا [illegible] اس کی وضاحت بھی [illegible] وفاتِ پیغمبر کے بعد رسول کے گھر کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور اجازت کے بغیر رسول زادی کے گھر میں داخل ہو گئے۔ (۲) قرآنی ہدایت کے مطابق اگر دعوت کے بعد کسی کے گھر میں جانا ہو تب بھی اس قدر پہلے نہ جائیں کہ کھانا تیار ہونے اور دیگ کے پک جانے کا کافی دیر تک انتظار کرتے رہیں۔ کیونکہ یہ امر بھی صاحب خانہ کے مزید الجھن کا باعث ہوتا ہے۔ البتہ اگر صاحبِ منزل کی خواہش ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے (۳) آیتِ مجیدہ میں چونکہ امر ہے اِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا کہ جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ۔ اس سے صاف واضح ہے کہ دعوت کا قبول کرنا محبوبِ پروردگار ہے اسی بنا پر مستحب ہے کہ اگر کوئی شخص سنتی روزے سے بھی ہو اور اس کو کسی مومن کی طرف سے کھانے کی دعوت مل جائے تو اپنا روزہ دار ہونا جتلائے بغیر دعوت میں شریک ہو جائے تو اس صورت میں اس کو روزے کا ثواب بھی ملے گا اور دعوتِ مومن کے قبول کرنے کا بھی اُسے اجر ملے گا۔ لیکن دورِ حاضر میں بعض مقامات پر مروج ہے کہ لوگ روزہ اسی نیت سے رکھتے ہیں کہ ابھی کوئی مومن دعوت کر کے افطار کرا دے گا بلکہ بعض اوقات دعوت کرنے والوں کو کہلا یا جاتا ہے کہ مجھے روزہ ہے لہٰذا مجھے بھی دعوت میں شامل کرنا تو اس قسم کا روزہ یا دعوت مذکورہ بالا حکم کے تحت میں داخل نہیں ہے بلکہ ظاہراً نہ اس قسم کا روزہ روزہ ہے اور نہ یہ دعوت دعوت ہے۔ احکام شرعیہ کو مل مسخر بنانے سے گریز کرنا چاہیے۔ (۴) آیتِ مجیدہ میں صاف حکم ہے کہ کھانا کھا چکنے کے بعد فوراً چلے جانا چاہیئے کیونکہ زیادہ دیر تک بیٹھ کر صاحبِ منزل کے ذاتی امور اور خانگی مشاغل میں مخل ہونے سے گریز کرنا ضروری ہے البتہ اگر صاحبِ منزل اپنی شوق و محبت سے مزید بیٹھ جانے کو کہیں تو اس کی خواہش کو رد نہ کرنا چاہیئے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اس آیتِ مجیدہ میں اللہ نے بوجھل اور ڈھیٹ قسم کے آدمیوں کے رویّہ کو برداشت نہیں کیا اور تا قیامت امتِ محمدیہ کے لئے یہ آیت بہترین درس ہے کہ انسان کو دوسرے کے لئے کسی وقت بوجھ نہ بننا چاہیئے۔ (۵) جب نبی کی بیویوں سے کچھ طلب کرنا ہو تو پردہ سے پیچھے کھڑے ہو کر مانگ لو اور یہ حکم پردہ مردوں اور عورتوں ہر دو کے لئے پاکیزگی دل کا باعث ہے اور یہ حکم بھی معاشرہ انسانیہ کی تندرستی کا بہترین ضامن ہے بلکہ معاشرتی خرابیوں کی جڑ ہی بے پردگی ہے اور حکم مذکور

امہات المومنین سے مختص نہیں بلکہ مردوں کی عدم موجودگی کی صورت میں اگر کسی گھر سے کچھ لینا ہو تو بے پردہ اندر نہ جانا چاہیئے بلکہ پردہ کی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے اہل خانہ سے اپنی مطلوبہ چیز حاصل کرنی چاہیئے اور قیامت تک کے مومنین و مومنات کو ان معاشرتی آداب سے آراستہ ہونا ضروری ہے اور تفسیر صافی میں ہے کہ جبریل بغیر اجازت کے کبھی خانۂ رسولؐ میں داخل نہ ہوتا تھا اور وہ آپ کے سامنے غلاموں کی طرح بیٹھتا تھا۔

وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْٓا تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ طلحہ نے کہا تھا کہ میں رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد عائشہ سے شادی کروں گا اور ایک روایت میں ہے کہ دو آدمیوں نے آپس میں یہ بات کی تھی کہ ہماری عورتوں سے محمدؐ نکاح کرے اور اس کی عورتوں سے ہم نکاح نہ کریں ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے بلکہ ان کی وفات کے بعد ہم بھی ان کی عورتوں سے شادی کریں گے۔ ایک کا ارادہ عائشہ سے اور دوسرے کا امِ سلمہ سے نکاح کرنے کا تھا پس یہ آیت اتری اور ازواجِ نبی سے نکاح کرنے کی حرمت واضح ہو گئی اور حذیفہ سے مروی ہے اس نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو جنت میں میری بیوی رہنا چاہتی ہو تو میرے بعد کسی سے شادی نہ کرنا کیونکہ جنت میں بیوی آخری شوہر کی ہو گی اور حضورؐ سے یہ فرمایا ہے کہ عورت اپنے متعدد شوہروں میں سے اس کو ملے گی جو دنیا میں اچھے اخلاق سے پیش آتا ہو گا۔

اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ

اور نہ نکاح کرو اس کی بیویوں سے اس کے بعد ہمیشہ تحقیق

ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ

یہ بات اللہ کے نزدیک بڑی ہے اگر تم ظاہر کرو کسی شے کو یا اسکو مخفی کرو

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ

تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے نہیں کوئی گناہ انکے پر

فِيْٓ اٰبَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ

اپنے باپوں اور بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور

اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَاۗىِٕهِنَّ وَلَا مَا

بھانجوں (سے پردہ نہ کرنے) میں اور نہ عورتوں اور مملوک غلاموں

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ

اور کنیزوں سے (پردہ نہ کرنے) میں اور ڈرو اللہ سے تحقیق اللہ ہر شے پر

شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ

گواہ ہے۔ تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں

لَا جُنَاحَ ۔ جب پردہ کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی حضورؐ یہ فرمایئے کہ ہم اپنی ماؤں اور بہنوں سے بھی پردہ کیا کریں تو یہ آیت اتری کہ باپ بھائی بھتیجا بھانجا وغیرہ جو محارم ہیں ان سے کوئی پردہ نہیں ہے۔

وَلَا نِسَآءِ هِنَّ اس مقام پر اضافت ایسی ہی ہے جس طرح دوسرے مقام پر رِجَالِكُمْ میں ہے یعنی اپنی عورتوں سے کوئی پردہ نہیں ہے البتہ بیگانی عورتیں مثلاً یہود و نصاریٰ کی عورتیں ان سے مومن عورتوں کو پردہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ ان کے محاسن اپنے مردوں کو نہ بیان کریں۔

## درود شریف

وَ صَلُّوْا عَلَيْهِ صلوات کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو مراد رحمت بھیجنا اور جب فرشتوں کی طرف ہو تو مراد ان کی پاکیزگی بیان کرنا اور جب مومنوں کی طرف ہو تو مراد دعائے رحمت کرنا ہے یعنی نبی پر اللہ رحمت نازل کرتا ہے فرشتے آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور تمام مومنوں کو حکم ہے کہ تم اُن کے لئے رحمت کی دعا کرو اور یہی معنی تفسیر صافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے۔ پس صلوات کا معنی ہے قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ یعنی کہو اے اللہ رحمت نازل فرما محمدؐ و آلِ محمد پر۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا ان کے لئے طلبِ رحمت کی دعا چھوٹا منہ بڑی بات والا معاملہ ہے ہم کون ہیں ان کے لئے دعا کرنے والے؟ اور خصوصاً مذکورہ صورت میں جب کہ آیت مجیدہ کا پہلا حصہ یہ ہے کہ اللہ ہماری دعا سے پہلے ہی حضورؐ پر مسلسل طور پر باران رحمت برسانے کا اعلان فرما رہا ہے تو ان کے حق میں ہم سے طلبِ دعا کا مطالبہ کس لئے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا ان کے لئے دعا کرنا محسن کے احسان کی حق شناسی کے طور پر ہے۔ ورنہ اس دعا کا نتیجہ اور بازگشت ہمارے ہی لئے ہے اور خدا انہی کے طفیل اور وسیلہ سے ہم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا ہے جس طرح درختوں کے پتے جب پانی کے طالب ہوتے ہیں اور پیاس کی وجہ

عَلَى النَّبِيِّ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

نبی پر اے ایمان والو! تم اس پر درود بھیجو اور ان کی اطاعت کرو حق اطاعت

سے ان میں کملاہٹ نمودار ہو جاتی ہے تو درختوں کے منفذ میں پانی ڈالا جاتا ہے پس اس کا اثر شاخوں تک پہنچ کر تمام پتوں کو ہرا بھرا کر دیتا ہے اگر وہی پانی براہِ راست پتوں پر چھڑکا جاتا تو پتے استعداد و قابلیت نہ رکھنے کی بدولت اس کو گرا کر ضائع کر دیتے پس نہ خود فائدہ حاصل کرتے اور نہ کسی ہمسائے پتے یا شاخ کو اس سے کچھ فائدہ پہنچتا اور ویسے کے ویسے کملائے رہتے تو گویا پتوں کو سرسبز و شاداب رکھنے کا وسیلہ درختوں کی جڑیں اور تنے ہوا کرتے ہیں اسی بنا پر متعدد احادیث میں اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام بارگاہِ ربوبیت سے فیض حاصل کرنے کے لئے ہمارا بہترین وسیلہ ہیں پس درود شریف میں ان کے لئے طلب رحمت کی دعا کی فرمائش بھی مثال سابق کی روشنی میں اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ہم لوگ درختوں کے پتوں کی طرح فیوض و برکاتِ خداوندی سے براہِ راست استفادہ کرنے کے قابل نہیں ہیں لہٰذا ان کے لئے طلبِ رحمت کی دعا کریں جو ہمارے ساتھ وہی نسبت

رکھتے ہیں جو پتوں کی جڑوں اور تنوں سے ہوا کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں ہم خود بھی اس کی باران رحمت سے سیراب و شاداب ہو سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے خود اپنی ذوات کو درخت کے تنے سے اور ہمیں پتوں سے تشبیہ دی ہے تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص صبح اور مغرب کی نماز کے بعد بلا فاصلہ درود شریف پڑھے تو خداوند کریم اس کی دنیا میں اور آخرت میں نبیس حاجتیں پوری کرے گا تفسیر مجمع البیان میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ ابو طلحہ کہتا ہے کہ میں ایک دفعہ خدمت نبویؐ میں پہنچا اور آپ کو نہایت خوش و خرم دیکھا پس عرض کی کہ حضورؐ! آج سے پہلے میں نے کبھی آپ کو اس قدر خوش و خرم اور مسرور نہیں دیکھا آپ نے فرمایا میں خوش کیوں نہ ہوں حالانکہ ابھی ابھی جبریل نے مجھے اللہ سبحانہ کا پیغام سنایا ہے کہ جو شخص تجھ پر ایک مرتبہ صلوات پڑھے گا میں اس پر دس دفعہ رحمتیں نازل کروں گا اور اس کے دس گناہ معاف کروں گا اور اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیوں کا اضافہ کروں گا۔

تفسیر برہان میں بروایت صفوان جمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر دعا آسمان تک جانے سے رکی رہتی ہے یعنی بارگاہ اجابت تک نہیں پہنچتی جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ جب بھی حضورؐ کا نام آئے زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو کیونکہ جو ایک دفعہ درود پڑھے خداوند کریم اور فرشتے اس پر ایک ہزار بار درود بھیجتے ہیں اور خدا و ملائکہ کے بعد خدا کی مخلوق میں سے کوئی شئی ایسی باقی نہیں رہتی جو اس شخص پر درود نہ بھیجتی ہو اور جو شخص اس کے بعد بھی درود پڑھنے میں بخل کرے تو وہ مغرور و جاہل ہے اور اللہ و رسولؐ اور اہل بیتؑ ایسے شخص سے بری و بیزار ہیں۔

محمد بن مسلم عن احدھما علیہما السلام روایت کرتا ہے کہ میزان اعمال میں درود شریف سے زیادہ وزنی اور کوئی عمل نہیں ہوگا چنانچہ جب ایک شخص کے اعمال کو وزن کیا جائے گا اور اس کا پلڑا ہلکا ہوگا تو جونہی درود شریف اس پلڑے میں رکھا جائے گا وہ فوراً جھک جائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ شب جمعہ بہت کافی تعداد میں ملائکہ سنہری قلم اور روپہلے کاغذ لے کر صرف درود شریف لکھنے کے لئے اترتے ہیں پس تم لوگ زیادہ سے زیادہ درود پڑھا کرو پس آپ نے جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ اور باقی ایام میں ایک سو مرتبہ درود پڑھنے کا حکم دیا۔

تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب بھی حضورؐ کا نام لو یا جب بھی تمہارے سامنے اذان میں یا اس کے علاوہ حضورؐ کا نام لیا جائے تو درود پڑھ لیا کرو۔ بہر کیف درود پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہے اور اس سلسلہ میں احادیث و روایات کافی وارد ہیں بعض علماء کے نزدیک درود شریف کو وظیفہ کے طور پر پڑھنا وسعت رزق کا سبب ہے۔

## درود میں آل کا ذکر ضروری ہے

تفسیر مجمع البیان میں کعب بن عجرہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ پر سلام کرنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں۔ آپ نے فرمایا وہ اس طرح پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

تفسیر برہان میں مجالس شیخ سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ایک فرشتے نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ مجھے

تمام بندوں کی باتوں کے سننے کی توفیق دے۔ چنانچہ اللہ نے اس کو وہ طاقت دے دی پس وہ فرشتہ قیامِ قیامت تک اس ڈیوٹی پر ہے کہ جب بھی کوئی مومن کہے صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ تو وہ اس کو جوابِ سلام میں کہتا ہے وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اور اس کے بعد خدمتِ نبوی میں پہنچ کر حضورؐ کو اس مومن کا سلام پہنچاتا ہے پس آپ جواب میں فرماتے ہیں وَعَلَيْهِ السَّلَامُ۔

تفسیر برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص میرے اوپر درود شریف پڑھے اور میری آل کو شامل نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھے گا حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو برس کی مسافت تک پہنچتی ہے۔

تفسیر مجمع البیان کے محشی فاضل ابوالحسن شعرانی نے ذکر کیا ہے کہ علمائے امامیہ اور شافعی کے نزدیک نماز کے تشہد میں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود پڑھنا واجب ہے اور بعض علماء نے قرآن مجید کی اس آیت سے اس کا جزوِ تشہد ہونا اس طرح ثابت کیا ہے کہ آیت میں صَلُّوْا امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اور درود شریف کے پڑھنے کا تشہد کے علاوہ اور کسی مقام پر حکم نہیں ہے لہٰذا درود میں اس کا واجب ہونا ثابت ہے اور امام شافعی کا اس بارے میں ایک شعر بہت مشہور اور زبان زدِ عوام ہے

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ       فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِى الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ

اے اہلِ بیتِ رسول اللہ تمہاری محبت قرآن میں اللہ کی طرف سے فرض ہے جس کو اس نے نازل کیا۔

وَكَفَاكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمْ       مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

اور تمہارے رتبہ کی عظمت میں اتنا کافی ہے کہ جو بھی تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز باطل ہے۔

اہلِ سنت کے باقی فرقوں کے نزدیک بھی نماز کے تشہد میں درود اور سلام پڑھا جاتا ہے اور اس کو واجب کی حیثیت دی جاتی ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ بعض اہلِ سنت حضرات آلِ محمدؐ کے ساتھ فضیلت و شرافت میں ہم پلہ ظاہر کرنے کے لئے اصحاب و ازواج کو بھی درود کی عبارت میں شامل کرنے کی جسارت کر لیا کرتے ہیں چنانچہ وَعَلٰی اٰلِهٖ کے بعد وَعَلٰی اَصْحَابِهٖ وَعَلٰی اَزْوَاجِهٖ کا الحاق ہم نے کئی واعظوں اور خطیبوں سے سنا ہے سچ ہے "دروغ گو را حافظہ نباشد" اس الحاقی ضمیمہ سے ان کا یہ دعویٰ سرے سے باطل ہو جاتا ہے کہ ازواجِ رسول آلِ رسول میں داخل ہیں کیونکہ ان کا مذکورہ عمل اُن کے اس دعوٰی کا مبطل ہے اور ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اگر ازواجِ رسول آلِ رسول میں داخل ہوتیں تو وَعَلٰی اٰلِهٖ کے بعد وَعَلٰی اَزْوَاجِهٖ کا اضافہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور نماز کے تشہد میں صرف آلِ محمدؐ کو ہی شاملِ درود کیا جاتا ہے جس سے اس امر کی صاف نشاندہی ہوتی ہے کہ اصحاب و ازواج کو شاملِ درود کرنا منشائے خداوندی اور مرضی پیغمبر کے خلاف ہے اور اگر یہ ضمیمہ مبنی بر حق ہوتا تو تشہدِ نماز میں حذف نہ کیا جاتا۔ اور اس کا واضح پہلو یہ بھی ہے کہ درود میں كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اور بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ ہے اگر یہاں آل کے بعد اصحاب و ازواج کا اضافہ کیا جائے تو ابراہیم کی آل کے بعد اصحاب و ازواج کا بھی اضافہ کرنا پڑے گا اور اس بارے میں وارد شدہ احادیث و روایات کی ترمیم کی ضرورت بھی محسوس ہو گی اور وہ سراسر غلط اور ناجائز ہے

آیتِ مجیدہ میں صَلُّوْا کے حکم کے ساتھ سَلِّمُوْا کا امر بھی ہے لیکن سَلِّمُوْا کے معنی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا معنی ہے کہ

حضورؐ کو السلام علیک سے خطاب کر کے سلام کہو اور دوسرے یہ کہ تسلیم کا معنی ہے اطاعت کرنا یعنی اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کرو جس طرح اطاعت کا حق ہے۔ بنا بریں جس طرح تشہد نماز میں درود کے وجوب کا استدلال آیت مجیدہ سے کیا گیا ہے السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ الخ کا وجوب ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سَلِّمُوْا میں دو معنی کا احتمال برابر ہے اور وجوب پر دلالت تب ہوتی جب ایک معنی یقینی ہوتا جس طرح صَلُّوْا کا صرف ایک ہی معنی ہے اور فاضل شعرانی کی حکایت کے مطابق علامہؒ نے تشہد میں السلام علیک ایہا النبی الخ کے عدم وجوب پر اجماع امامیہ نقل کیا ہے

## رسول اللہؐ کی نمازِ جنازہ

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ ابو مریم انصاری نے امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور نبی اکرمؐ کے جنازہ کی نماز کس طرح تھی تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام جب آپ کے غسل و کفن سے فارغ ہو چکے تو دس آدمی آئے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام ان کے درمیان کھڑے ہو گئے پس آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اور باقی لوگ بھی ساتھ ساتھ یہی پڑھتے رہے اور تمام اہل مدینہ نے آپ پر اسی کیفیت سے نماز جنازہ پڑھی اور بروایت جابر آپ سے مروی ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد مہاجرین و انصار اور فرشتوں نے گروہ گروہ ہو کر آپ پر نماز جنازہ پڑھی اور حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا میں نے رسولِ خدا سے ان کی صحت و سلامتی کے دنوں میں سنا تھا کہ یہ آیت مجیدہ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ الخ میری وفات کے بعد میری نمازِ جنازہ کے لئے اتری ہے۔

**اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ**

تحقیق جو لوگ اذیت دیتے ہیں۔ اللہ کو اور اس کے رسول کو ان پر اللہ نے لعنت کی دنیا و آخرت میں

**وَ اَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا ۝ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ**

اور ان کے لئے تیار کیا ہے ذلت آمیز عذاب اور جو لوگ اذیت دیتے ہیں۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو

**بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُہْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۝۵۸ یٰٓاَیُّہَا**

بغیر کسی (جرم) کے جو انہوں نے کیا ہو۔ تحقیق وہ اٹھاتے ہیں۔ بہتان اور سخت گناہ (کا بوجھ) اے

## ایذاءِ علیؑ ایذاءِ رسولؐ ہے

یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ۔ تفسیر برہان میں جامع ترمذی۔ صحیح بخاری۔ حلیہ ابونعیم اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ مالِ غنیمت سے حضرت علی علیہ السلام نے ایک لونڈی کے خریدنے کا ارادہ فرمایا تو حاطب بن ابی بلتعہ اور بریدہ اسلمی دونوں نے مل کر اس لونڈی کی بولی میں رقم بڑھانی شروع کر دی تھا کہ بڑھتے بڑھتے لونڈی کی قیمت کافی بڑھ گئی تاہم حضرت علی علیہ السلام نے اسے خرید لیا پس واپسی پر وہ دونوں اس معاملہ میں حضرت علیؑ کی شکایت لے کر حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بریدہ نے سامنے کھڑے ہو کر حضرت علیؑ کی شکایت کی آپ نے منہ پھیر لیا پھر وہ دائیں طرف آیا تو آپ نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ پھر وہ بائیں طرف آیا اور آپ نے رُخ پھیر لیا اور آخر کار آپ نے فرمایا اے بریدہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ آج تو رسول اللہؐ کو اذیت پہنچا رہا ہے کیا تو نے یہ فرمانِ خداوندی نہیں سنا اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ الخ ؟

کیا تجھے پتہ نہیں کہ اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ وَاِنَّ مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَحَقٌّ عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّؤْذِیَہٗ بِاَلِیْمِ عَذَابِہٖ فِیْ نَارِ جَہَنَّمَ یعنی تحقیق علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں جس نے علیؑ کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی پس اللہ کو حق حاصل ہے کہ اس کو دوزخ کی آگ میں سخت عذاب سے اذیت دے اے بریدہ! کیا تو زیادہ عالم ہے یا اللہ؟ کیا تو زیادہ عالم ہے یا لوح محفوظ کے قاری؟ کیا تو زیادہ عالم ہے یا رحموں پہ مامور فرشتہ؟ کیا تو زیادہ عالم ہے یا علی بن ابی طالبؑ پر تعینات شدہ کراماً کاتبین؟ تو بریدہ نے ہر سوال کا یہی جواب دیا کہ وہ مجھ سے زیادہ عالم ہیں پس آپ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ یوم ولادت سے آج تک حضرت علیؑ کے نامۂ اعمال میں کراماً کاتبین نے کوئی گناہ نہیں لکھا پھر آپ نے فرمایا۔ اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِیْ یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے۔ پھر آپ نے بریدہ سے فرمایا کہ رحموں پر مامور فرشتے نے مجھے خبر دی کہ وہ اپنے دفتر میں حضرت علیؑ کی ولادت سے پہلے لکھ چکا ہے کہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوگی اور شب معراج لوحِ محفوظ کے قاریوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ ہم نے لوحِ محفوظ میں حضرت علیؑ کو معصوم پایا ہے کہ اس سے کوئی غلطی یا لغزش سرزد نہ ہوگی۔ اے بریدہ! تو علیؑ پر غلطی کے ارتکاب کا الزام کیسے لگا سکتا ہے جبکہ رب العالمین اور ملائکہ مقربین اس کے افعال کی صحت و درستی کے گواہ ہوں؟ اے بریدہ! آئندہ علیؑ کے متعلق اس قسم کی جرأت نہ کرنا وہ امیر المومنین سید الصالحین فارس المسلمین اور قائد الغر المحجلین ہے اور وہ قسیم الجنۃ والنار ہے وہ دوزخ سے کہے گا ھٰذَا لِیْ وَھٰذَا لَکِ یعنی یہ میرا ہے (چھوڑ دے) اور وہ تیرا ہے (پکڑ لے) اس کے بعد آپ نے فرمایا اے بریدہ! کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ علیؑ کا تم پر کوئی حق نہیں ہے کہ اس کے سودے میں بولی کی رقمیں بڑھاتے ہو؟ آگاہ ہو اللہ کے نزدیک علیؑ کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کی ایک فضیلت سنائی جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی وجہ سے جو شخص کسی محب علیؑ کی حاجت روائی کرے گا تو بوقت میزان اس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا خواہ اس کے گناہ کس قدر زیادہ کیوں نہ ہوں اور اس کے ساتھ اس کے والدین کے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے اور وہ سب جنت میں داخل ہوں گے پھر آپ نے فرمایا اے بریدہ! تینوں جہروں پر پڑے ہوئے سنگریزوں سے بھی ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی جو صرف بغض علیؑ کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ ان لوگوں کے لئے اتری ہے جنہوں نے حضرت علیؑ و بتولؑ کا حق غصب کیا اور بی بی پاک کو اذیت پہنچائی اور حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا جو شخص میری اس شہزادی کو میری زندگی میں اذیت پہنچائے گا گویا اس نے مجھے مرنے کے بعد اذیت دی اور جو اس کو میرے مرنے کے بعد اذیت دے گا گویا اس نے مجھے زندگی میں اذیت پہنچائی۔

تفسیر ظاہر کے لحاظ سے یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ کے کئی اور معانی بھی کئے گئے ہیں (۱) اس سے مراد منافق و کافر لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے لئے ایسی صفات ثابت کیں جو اس کی شان احدیت و ربوبیت والوہیت کے خلاف ہیں اور رسول کی تکذیب کی پس اللہ کو غیر سے مشابہت دی اور اس کے احکام کی مخالفت کی (۲) دراصل رسول کی ایذا ہی مقصود ہے اور لفظ اللہ کو حضورؐ کی عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے مقدم کیا گیا ہے پس مطلب یہ ہے کہ جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں اور عذاب کے حقدار ہیں اور رسول اللہ کی ایذا کو ہی اللہ کی ایذا کہا گیا ہے

یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ جس نے حضرت علی و بتول کو اذیت دی وہ بھی اس میں داخل ہیں اور قیامت تک جو مومنوں کو اذیت دینے والے ہوں گے آیت مجیدہ کے مصداق میں داخل ہوں گے ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے قیامت کے دن منادی ندا کرے گا کہ میرے دوستوں کو اذیت پہنچانے والے کہاں ہیں پس ایک قوم پیش ہوگی جن کے چہروں سے گوشت اترا ہوا ہوگا اور کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مومنوں کو اذیت پہنچائی ان سے دشمنی کی اور دین کے معاملہ میں ان پر سختی کی پس ان کو فوراً دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ بروایت خصال امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں مومن اور جاہل پس مومنوں کو اذیت نہ پہنچاؤ اور جاہل سے جہالت نہ کرو۔ ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے ۔

اللہ نے جہاں ان آیات میں خدا اور رسول کی ایذا رسانی کی سخت مذمت کی ہے وہاں ساتھ ساتھ مومنوں کی ایذا رسانی کو بھی گناہِ عظیم قرار دیا ہے پس صحیح انسان وہ ہے جو ان تمام حدود کا خیال رکھے اور ان تمام حقوق سے عہدہ برآ ہونے کی سعادت حاصل کرنے میں ہر وقت کوشاں رہے جو اس پر بطور فریضہ عائد ہوتے ہیں ان میں سے زیادہ اہمیت حقوق اللہ کو حاصل ہے اور حقوق الرسول بھی آیت مجیدہ میں حقوق اللہ کے پہلو بہ پہلو ہیں گویا اُن کی حیثیت ایک ہے پس انسان پر فرض ہے کہ مقام عقائد و اعمال میں ہر منزل پہ خوشنودی خدا کو مطمح نظر قرار دے، لہٰذا عقائد میں کوئی ایسی کمزوری نہ آنے دے جو منشاء توحید و شانِ عظمت پروردگار سے متصادم ہو اور اعمال میں ہر حیثیت سے وہ اپنی بندگی و عبدیت کے لحاظ کو پیش پیش رکھے اس کے بعد حقوق الناس اور حقوق معاشرہ ہیں جن کی تفصیلات کتب اخلاق میں موجود ہیں اور حقوق کی بجا آوری میں سب سے کمزور تر پہلو یہ ہے جس کا ان آیات میں ارشاد ہے کہ اگر اطاعت کر کے انسان اعلیٰ مراتب تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم نافرمانی کر کے ایذاء رسانی سے تو بچ جائے اور اسی طرح معاشرتی معاملات میں اگر مومنوں کو خوش نہیں کر سکتا تو کم از کم ان کو اذیت پہنچا کر غم زدہ کرنے سے تو اجتناب کرے، اسی لئے مسلمان کی تعریف میں پیغمبر کا ارشاد ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ یعنی مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ کی تکالیف سے بچے رہیں ۔

**رکوع ۸ پردہ کا حکم**

قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ روایات میں ہے کہ مسلمان عورتیں جب حاجات ضروریہ یا ادائیگی فرائض کے لئے گھروں سے باہر نکلتی تھیں تو بدمعاش قسم کے لوگ ان کو چھیڑتے تھے اور جب ان سے بازپرس کی جاتی تو وہ صاف صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم نے لونڈیاں سمجھتے ہوئے یہ جسارت کی تھی بنابریں آزاد مسلمان عورتوں کو پردہ کا حکم عام دے دیا گیا تا کہ وہ آسانی سے پہچانی جا سکیں اور ان سے لونڈیوں جیسا توہین آمیز سلوک نہ کیا جا سکے اس سے پہلے سورۂ نور میں جہاں پردہ کا حکم دیا گیا تھا وہاں صرف مقاماتِ زینت کو چھپانے کا حکم دیا گیا تھا اور چہروں اور ہاتھوں کو اِلَّا مَا ظَهَرَ کے استثناء سے خارج از پردہ قرار دیا گیا تھا لیکن یہاں پورے جسم کو ڈھانپ لینے کا حکم دیا گیا ہے ۔

النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

نبی اپنی بیویوں بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ ڈال لیں اپنے اوپر

جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اپنی چادریں (برقعے) یہ ان کی پہچان کا اچھا ذریعہ ہے پس ان کو اذیت نہ دی جائے گی اور اللہ غفور رحیم ہے ۔

بَنَاتِكَ یہ بنت کی جمع ہے جو لوگ اس لفظ سے حضرت رسالتمآبؐ کی ایک سے زیادہ بیٹیاں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کا استدلال باطل اور غلط ہے کیونکہ بنات کا اطلاق صرف صلبی بیٹیوں پر محدود نہیں بلکہ گھر میں پرورش پانے والی لڑکیاں جو متبنّات ہوں ان کو بھی یہ لفظ شامل ہے علاوہ ازیں بنات البنت یعنی نواسیاں اور پھر قیامت تک ان کی ہونے والی لڑکیاں سب رسول اللہ کی بیٹیاں ہیں اور آیت مجیدہ کے حکم مذکور میں داخل ہیں۔

ہمارے ملک پاکستان میں بناتِ رسول کا مسئلہ شیعہ اور سُنی ہر دو مسلک کے علماء کے نزدیک ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے شیعہ رسول اللہؐ کی صرف ایک بیٹی جناب فاطمہؑ کو ہی مانتے ہیں اور اس کے علاوہ جن عورتوں پر روایات میں بناتِ رسول کا اطلاق ہوا ہے وہ ان کے نزدیک یا تو تربیت یافتہ متبنّات تھیں اور یا جناب فاطمہؑ کی شہزادیوں پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے اور سُنی علماء ان کو جناب رسالتمآبؐ کی صلبی بیٹیاں کہنے پر مصر ہیں لیکن آیت مجیدہ کے لفظ بنات سے ان کا استدلال نہایت کمزور ہے البتہ تاریخی شواہد پیش کرنے کا ان کو حق حاصل ہے اور وہ چونکہ مقام اثبات میں ہیں لہٰذا شیعوں کی طرف سے مقام نفی کو باقی رکھنے کے لئے ایک احتمال بھی ان کے بڑے سے بڑے استدلال کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے

جَلَابِیبِ ۔ جلباب کی جمع ہے جس کا معنی خمار یعنی اوڑھنی کہا جاتا ہے جس کا متبادل لفظ ہمارے ملک میں برقعہ ہے۔

لَئِنْ لَمْ ۔ یعنی اگر منافق لوگ اپنی منافقانہ چالوں سے باز نہ آئے اور وہ بدمعاش لوگ جو مسلمان عورتوں کو چھیڑتے ہیں اس قسم کی غنڈہ گردی سے نہ رُکے اور وہ لوگ جو اپنے سیاسی مفاد اور ذاتی اغراض کی خاطر مسلمانوں میں بد دلی پھیلانے کے لئے قسم قسم کے غلط پروپیگنڈے اور بے سروپا جھوٹی خبریں وقتاً فوقتاً شائع کرتے ہیں وہ ان غیر شائستہ حرکات سے دست کش نہ ہوئے تو ہم مستقبل قریب میں آپ کو ان کے قتل عام یا جلاوطنی کی اجازت دے دیں گے جس کے نتیجہ میں ان کا پوری طرح قلع قمع ہو جائے گا اور پھر تھوڑا عرصہ ہی مدینہ میں رہنا ان کو نصیب ہو گا بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس تنبیہ کے بعد منافق و بدمعاش لوگوں نے اپنے رویے میں تبدیلی کر لی تھی اس لئے حضورؐ کو ان کے قلع قمع کا حکم نہ دیا گیا، اور مذہب امامیہ

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ

اگر نہ باز آئے منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جھوٹی خبریں

الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ

اڑانے والے مدینہ میں تو ہم تم کو ان کے تہس نہس کرنے کا حکم دے دیں گے پھر وہ تیرے ہمسائے نہ رہیں گے

إِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦١﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ أَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا أُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿٦٢﴾

اس میں مگر تھوڑا عرصہ، درحالیکہ وہ ملعون ہوں گے جہاں بھی پائے جائیں گے گرفتار ہوں گے اور بے تحاشہ قتل کئے جائیں گے

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٣﴾

طریقہ اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے گزر چکے ہیں (اختیار کرو) اور تم نہ پاؤ گے اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی

کے اصول کے ماتحت ان آیات کی تاویل باقی ہے، اور حضرت حجتؑ عج کے ظہور کے بعد ہی جاری ہوگی اور سزا سے بچ جانے والے منافق و بدمعاش لوگوں کو زندہ کر کے ان کو سزائیں دی جائیں گی۔

لطیفہ ۔ مرحوم ملک العلماء ملک فیض محمد مکھیالوی اعلی اللہ مقامہ جو اپنے زمانہ میں بہترین مناظر تھے، انہوں نے مجھے اپنی زبانی سنایا کہ مقام یاروالا

ضلع ملتان میں جب شیعہ و سُنی مناظرہ ہوا غالباً یہ ۳۵-۱۹۳۴ء کا واقعہ ہے وہاں علمائے شیعہ میں استاد العلماء مولانا سید محمد باقر مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ بھی بنفس نفیس موجود تھے اور موضوع مناظرہ ایمان ثلاثہ تھا اہلسنت کا عہدہ اثبات اور شیعہ کا عہدہ نفی تھا اور یہ شرط لکھی جا چکی تھی کہ طرفین کی جانب سے قرآن مجید کے علاوہ کسی کتاب کا کوئی حوالہ قابل قبول نہ ہوگا۔ لیکن فریق مخالف کا مناظر آیۂ استخلاف پڑھنے کے بعد اپنے مثبت دعویٰ کو مدلل کرنے کے لئے لازمی طور پر کسی روایت یا تاریخی دستاویز کو پیش کرنے پر مجبور تھا اور میں نے بحیثیت شیعہ مناظر اس کو شرط کی خلاف ورزی سے پوری طرح روک رکھا تھا تاہم اُس نے اپنی نشست میں روضہ رسول میں دفن ہونے کو دفن ہونیوالوں کے ایمان کا شاہد قرار دے دیا میں (مولوی فیض محمدؒ) نے اس کے جواب میں آیت ۶۱ و ۶۲ پڑھ دی جس کا جواب فریق مخالف کے مناظر کے ذہن میں کوئی نہ تھا پس مناظرہ میں شیعوں کی فتح ہوگئی اور اسی مقام پر مناظرہ ختم ہوگیا اور بانیانِ مناظرہ جو سُنی تھے وہ شیعہ ہوگئے اور پولیس نے اپنا کنٹرول مضبوط کرکے متوقع فساد کو روک کر لوگوں کو منتشر کر دیا

وَمَا يُدْرِيكَ ۔ ممکن ہے یہ خطاب بھی انہی لوگوں سے ہو جو قیامت کے متعلق پوچھتے تھے یعنی ان سے یہ بھی کہہ دو کہ تمہیں کیا خبر شاید وہ بالکل قریب ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خطاب حضورؐ کی جانب ہو کہ آپ کو کیا معلوم شاید وہ قریب ہو

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ
لوگ تجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دیجئے اس کا علم اللہ کو ہے اور تجھے کیا خبر
لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا (٦٣) إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ
شاید قیامت قریب ہو تحقیق اللہ نے لعنت کی ہے کافروں کو اور تیار کیا ہے ان
سَعِيرًا (٦٤) خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (٦٥) يَوْمَ
کے لئے جہنم ہمیشہ رہیں گے اس میں دائمی طور پر نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ مددگار جس دن
(٦٦)
تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا
الٹایا جائے گا ان کے چہروں کو آگ میں تو وہ کہیں گے کاش ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور اطاعت کی ہوتی رسولؐ
وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا (٦٧) رَبَّنَا
کی اور کہیں گے اے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور بڑوں کی پس انہوں نے ہمیں سیدھے راہ سے گمراہ کر دیا۔ اے
آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا (٦٨) ع ۵
رب ان کو دے دوگنا عذاب اور ان پر لعنت بھیج بڑی لعنت

يَا لَيْتَنَا ۔ جہنم میں جانے والے تمام کفار و مشرکین نیز دعوائے اسلام کرنے والے فاسق و فاجر اور صراط مستقیم سے دُور رہنے والے تمام لوگ قیامت کے دن کف افسوس ملتے ہوئے کہیں گے کاش! ہم نے خدا اور رسول کی اطاعت کی ہوتی تو یہ بُرا دن دیکھنا ہمیں نصیب نہ ہوتا اور پھر اللہ سے درخواست بھی کریں گے کہ اے پروردگار ہم نے غلطی سے اپنے بڑے بڑوں گمراہ کن پیروں اور بے دین رہنماؤں کی چکنی چپڑی باتوں میں پھنس کر گمراہی اختیار کی تھی لہٰذا ان کو دوگنے عذاب کا مزہ چکھا اور ان پر لعنت کا عذاب بھی نازل کر اور تفسیر برہان میں ہے

کہ حضرت علی علیہ السلام سے انحراف کرنے والے بھی کف افسوس مل کر کہیں گے ہائے ہم نے فلاں و فلاں کے پیچھے چل کر راہ حق سے انحراف نہ کیا ہوتا
تفسیر صافی میں قُمی سے منقول ہے کہ آل محمد کے حقوق کے غاصبین بروز قیامت حسرت و ندامت سے کہیں گے کاش! علی کے بارے میں ہم نے فرمان نبوی پر عمل کیا ہوتا اور اپنے بڑوں کی بات نہ مانی ہوتی (بڑوں سے مراد غصب اور ظلم کی ابتداء کرنے والے ہیں)

**رکوع ۶**

یا ایھا الذین۔ آیت مجیدہ میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حضرت رسول اللہ کو ایذاء و تکلیف نہ پہنچاؤ جس طرح حضرت موسیٰ کی قوم نے حضرت موسیٰ کو پہنچائی تھی بلکہ تمہارا حق ہے کہ ان کی تعظیم و تکریم کرو اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے ان کی راہنمائی میں کامیاب زندگی گذارنے کی سعادت حاصل کرو اور حضرت موسیٰ کو جو قوم کی طرف سے اذیت پہنچی تھی اس میں متعدد اقوال ہیں (۱) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں پہاڑ کے اوپر تشریف لے گئے اور وہیں حضرت ہارون کی موت واقع ہوگئی جب حضرت موسیٰ نے واپس آکر اپنی قوم کے سامنے اپنے بھائی ہارون کی موت کا ذکر کیا تو قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو ہی ہارون کا قاتل ٹھہرا لیا اور اللہ نے اُن کو اس طرح بری کیا کہ فرشتوں کو حکم ہوا پس وہ حضرت ہارون کا جنازہ اُٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس سے گذرے اور اللہ نے ہارون کی موت کا اُنہوں نے ذکر کیا تب اُنہوں نے سمجھا کہ وہ طبعی موت سے مرے ہیں (۲) قارون نے ایک بدکار عورت کو رقم کا لالچ دے کر حضرت موسیٰ پر بدکاری کا الزام عائد کرنے پر تیار کیا تھا لیکن اللہ نے اس کی زبان بندی کر کے حضرت موسیٰ کو بچا لیا (۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم نے جادوگر دیوانہ اور جھوٹا کہہ کر ان کو ایذاء پہنچائی اور اللہ نے معجزات کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اتہامات و الزامات سے بری کر دیا۔ علاوہ ازیں ایک اور وجہ بھی عام تفاسیر میں بیان کی گئی ہے لیکن شایانِ شانِ نبوت نہیں لہٰذا اس کا ذکر غیر مناسب اور ناموزوں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ
اے ایمان والو نہ ہو ان لوگوں کی طرح جنہوں نے اذیت دی موسیٰ کو پس بری کیا اس کو اللہ
مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا
نے اس عیب سے جو انہوں نے کہا تھا اور وہ اللہ کے نزدیک باوقار تھا اے ایمان والو ڈرو اللہ سے
اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
اور درست بات کیا کرو وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا اور بخشے گا تمہارے
ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾
گناہ اور جو اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ فائز ہے بڑی کامیابی پر

قَوْلًا سَدِيدًا: تمام مسلمانوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی امت کے واقعات کی یاد دہانی کے بعد نصیحت فرماتا ہے کہ تم زبان پر ایسی باتیں جاری نہ کرو جو حضور کو ناگوار ہوں اور ان کی شان کے منافی ہوں بلکہ ہر لحاظ سے ان کا پاس ادب کرو اور ان کے رتبہ و شان کو ملحوظ خاطر رکھ کر صحیح اور جچی تلی ہوئی بات کیا کرو۔ اس کے نتیجے میں خدا تمہاری عملی اصلاح بھی کرے گا اور تمہاری لغزشیں معاف کر کے رسول اللہ کی برکت سے تم کو جنت میں جگہ بھی کرامت فرمائے گا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ :۔ اس آیت مجیدہ میں دو چیزیں قابل فہم ہیں ایک امانت اور دوسری عرضِ امانت پہلے یہ دیکھنا ہے کہ وہ امانت کیا چیز ہے جو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئی ۔ اس میں چند اقوال ہیں (۱) امانت سے مراد اللہ سبحانہ کے اوامر و نواہی کے احکامات ہیں جو اطاعت پروردگار کے لئے بندوں پر بطور فرض عائد کئے گئے ہیں (۲) اس سے مراد لوگوں کی امانتیں اور عہد و پیمان ہیں جو معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے پر بطور فرض عائد ہوتے ہیں ۔ چنانچہ پہلے پہل حضرت آدم نے اپنے بیٹے قابیل کو اپنے پورے خاندان کا امین بنایا اور خود جانب پروردگار سفر اختیار فرمایا اور قابیل نے سپرد شدہ امانت میں خیانت کی اور اپنے سگے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا (۳) امانت سے مراد ولایت وامامت

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ

ہم نے پیش کی امانت آسمانوں اور زمین پر اور پہاڑوں پر تو سب نے اس کے اٹھانے سے انکار

یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا

کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا تحقیق وہ بڑا ظالم سخت جاہل

جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

ہے۔ تاکہ عذاب دے اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو

وَیَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۷۳﴾ ع

اور توبہ قبول کرے اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

ہے چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ امانت سے مراد ولایت ہے اور جو شخص ناحق اس کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم نے ارواحِ آئمہ کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا پس اُن کا نور ان تمام پر چھا گیا پھر اللہ نے ان کے فضل وکمال کی وضاحت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ان کی ولایت میری امانت ہے تم میں سے کون ہے جو اس کی عظیم تر ذمہ داریوں کے بوجھ کو اُٹھا سکے تو آسمان و زمین و پہاڑ کانپ گئے اور اس عظیم بوجھ کو اٹھانے سے معذرت خواہ ہوئے پس جب خدا نے حضرت آدم و حوا کو جنت میں ٹھہرایا تو ان کے سامنے ان کی فضیلت و عظمت بیان کی اور سوال سابق کو دھرایا تو حضرت آدم نے ان کی عظیم منزلت پر رشک کیا اور اس کی تمنا دل میں کی جس کے نتیجے میں دانۂ گندم سے باز نہ رہ سکتے ہوئے ترک اولیٰ کے مرتکب ہوئے پس اس کے بعد تمام انبیاء یکے بعد دیگرے اس امانت کے حامل رہے اور اپنے اوصیاء کو اس امر کی وصیت کرتے چلے آئے لیکن اُن میں سے کسی نے بھی اس عہدہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کا دعویٰ نہ کیا یہاں تک کہ وہ بوجھ ایک شخص نے اُٹھا لیا جو ظالم و جاہل تھا اور قیامت تک کے ہونے والے مظالم کی اصل ثابت ہوا اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ امانت سے مراد امامت ہے چنانچہ قرآن مجید میں آئمہ کو حکم ہوا ہے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا یعنی اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں لوگوں تک پہنچاؤ اور یہی وہ امانت ہے جس کا بوجھ آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن ایک ظالم و جاہل انسان نے اس کو اٹھا لینے کا دعویٰ کر لیا ۔

عرض امانت کے متعلق بھی چند اقوال ہیں (۱) مضاف محذوف ہے یعنی اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ - اور معنی یہ ہوا کہ امانت مذکورہ اہل آسمان اہل زمین اور اہل جبال پر پیش کی گئی اور عرض کا مطلب یہ ہے کہ ان سب کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا اور اس کی مخالفت کے گناہ عظیم سے بھی خبردار کیا گیا پس حمل امانت سے مراد ہے اس کے حقوق کی پامالی اس کے فرائض سے کوتاہی اور ارتکاب گناہ پر جرأت اور یہ ایسا مرحلہ تھا جس سے ملائکہ گھبرا گئے اور انسان نے بلا خوف یہ بوجھ اُٹھا لیا لہٰذا حمل امانت سے مراد اگر ادائیگی امانت ہو تو فرشتے اس سے گھبرانے والے نہیں بلکہ اُس کو صحیح معنوں میں پہنچانے والے ہیں چنانچہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو کہا جاتا ہے اِحْتَمَلَ الْاِثْمَ یعنی اس نے گناہ کا بوجھ اُٹھا لیا اور قرآن مجید میں اس قسم کے اطلاقات موجود ہیں اور عرف عام میں کہا جاتا ہے فلاں شخص نے امانت کا بوجھ نہیں اُٹھایا یعنی خیانت نہیں کی اور واپس کر دی اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں نے امانت کا بوجھ اٹھا لیا ہے تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس نے اسکی خیانت کا وبال اُٹھا لیا ہے

(۲) عرض امانت کا معنی ہے مقابلہ یعنی ہم نے اپنی امانت کا پہاڑوں زمینوں اور آسمانوں سے مقابلہ کیا تو ہماری امانت مذکورہ ان تمام چیزوں سے وزنی تھی پس آسمان زمین اور پہاڑ اُس کا بوجھ نہ اٹھا سکے لیکن انسان نے اس کا بوجھ سر پر رکھ لیا۔ اور پھر اس کے ضائع کرنے سے بھی نہ گھبرایا بوجہ ظلم وجہالت کے۔

(۳) عرض امانت دراصل فرض و تقدیر کے معنی میں ہے یعنی اگر ہم اپنے اوامر و نواہی اور جملہ احکام کے فرائض کی ذمہ داریاں آسمانوں پہاڑوں اور زمینوں پر پیش کرتے تو باوجود بڑی جسامت اور درازئ قد و قامت کے وہ اس کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کرتے لیکن انسان نے اس کا بوجھ اُٹھا لیا۔

(۴) اس سے زبانِ حال مراد ہے یعنی ہم نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں میں اپنی توحید کے جو دلائل و براہین تفویض کر رکھے ہیں ان کو اس بے جان مخلوق نے چھپانے سے انکار کر دیا بلکہ وہ ہمیشہ ہر آن و ہر لحظہ میں اپنی زبانِ بے زبانی سے توحید و عظمت و حکمت پروردگار کے گیت گاتے ہیں لیکن ظالم وجاہل انسان نے باوجود سمجھنے اور سوچنے کے توحید پروردگار سے برسرِ پیکار ہونے کی جسارت کی اور عذاب دائمی سے نہ گھبرایا۔

(۵) علامہ محمد محسن فیض کاشانی اعلیٰ اللہ مقامہ تفسیر صافی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد تکلیف شرعی ہے اور عرض امانت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کی استعداد کا جائزہ لیا تو طبعی اور فطری طور پر ان میں اس امانت یعنی تکلیف شرعی کے قبول کرنے سے انکار پایا جاتا تھا یعنی ان میں استعداد و قابلیت ہی نہ تھی کہ وہ اس امانت کو قبول کر سکیں۔ اور جب ہم نے انسان کا جائزہ لیا تو اس میں اس امانت کے قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد موجود تھی۔ اور مقصد یہ ہے کہ میں نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کو باوجود بڑی جسامت عطا کرنے کے اس عظیم منصب کے اہل نہیں بنایا کیونکہ ان کو رُوح عقل کی دولت سے محروم رکھا اسی طرح فرشتے بھی اس کے اہل نہیں کیونکہ وہ جسمانیت سے محروم ہیں اور خیر و شر میں سے ایک پہلو کو اپنے ارادہ و اختیار سے ترجیح دے کر اس کے بجا لانے کی توفیق سے عاری ہیں بلکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اس لئے کرتے ہیں کہ اسی کے کرنے کے لئے ہی خلق کئے گئے ہیں۔ پس تکالیف شرعیہ جن کی بجا آوری ارادہ و اختیار سے ہو، مذکورہ مخلوق اس کے اہل نہیں تھی پس ان کی نااہلیت کو زبانِ حالی قرار دے کر تکالیف شرعیہ کی ذمہ داریوں کے برداشت کرنے سے اُن کا انکاری ہونا بیان فرمایا اور ان کے مقابلہ میں جسمانیت کے ساتھ ساتھ چونکہ انسان کے وجود میں عقل و خرد کی قندیلیں روشن کر دیں اور ارادہ و اختیار کا حامل بنا کر خیر و شر میں امتیاز کر کے اس کو عمل کے میدان میں پیش قدمی کی توفیق عطا فرمائی بس گویا استعداد و قابلیت نے زبانِ حال بن کر انسان کی جانب سے مذکورہ ذمہ داریوں کے اٹھانے کا اعلان کرا دیا۔

لیکن مقام عمل میں علائق جسمانیہ نے قدم قدم پر عقل و خرد کے فیصلوں کے سامنے روکاوٹیں کھڑی کر دیں جن سے نپٹنا اور کامیابی سے فرائض کا ادا کرنا اس پتلائے خاک کے لئے مشکل ہو گیا اور قوت غضبیہ و شہویہ نے اس کو ظلوم و جہول بنا دیا اور انسان پر ظلوم و جہول کا اطلاق ان کی اکثریت کے پیش نظر ہے ورنہ اللہ کے تھوڑے سے بندے ہمیشہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں قوائے جسمانیہ پر غالب آ کر علم و عدل کے ماتحت صراط مستقیم پر گامزن ہوا کرتے ہیں

**توضیح** مخلوق خدا تین قسموں پر ہے (۱) جسم بلا عقل (۲) عقل بلا جسم (۳) جسم مع عقل۔ پہلی قسم یعنی جسم بلا عقل جیسے آسمان، زمین، پہاڑ، چاند سورج ستارے نباتات و حیوانات وغیرہ ان میں تکالیف شرعیہ اوامر و نواہی کی اہلیت و قابلیت نہیں ہے اور دوسری یعنی عقل بلا جسم جیسے ملائکہ یہ تکالیف شرعیہ کو سمجھتے ہیں لیکن چونکہ جسم نہیں رکھتے اور علائق جسمانیہ سے یکسر خالی ہیں لہذا قوت غضبیہ شہویہ وغیرہ نہ رکھنے کی وجہ سے وہ قطعاً گناہ سے عاری ہیں پس ان کی نیکی اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے اور تکلیف کا مقصد یہ ہے کہ خیر و شر کی دونو قوتیں برابر برابر ان میں موجود ہوں اور دونوں کے کرنے یا نہ کرنے پر پوری قدرت ہو پس اپنے ارادہ و اختیار سے ایک پہلو کو بجالائے اور فرشتوں میں جسم نہ ہونے کی وجہ سے وہ شر پر قادر ہی نہیں ہیں بلکہ امور خیر کی بجا آوری میں مجبور ہیں بنا بریں وہ بھی تکلیف شرعی کے اہل نہیں ہیں، اور تیسری قسم یعنی جسم مع عقل یہ انسان اور جن ہیں فرق یہ ہے کہ انسان جسم خاکی رکھتے ہیں اور جن جسم ناری رکھتے ہیں اور چونکہ خاک آگ سے افضل ہے لہذا انسان خاکی ناری جن سے افضل ہے اور ہم نے آگ سے خاک کا افضل ہونا تفسیر ہذا کی جلد ۶ صفحہ ۱۲ پر مفصل بیان کیا ہے

پس بنا بر تغلیب افضل کے اس مقام پر صرف انسانوں کا تذکرہ فرمایا۔ پس انسان عقل کی بدولت فرشتوں سے مشابہ ہے اور جسم کی وجہ سے دوسری جسمانی مخلوق سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور خیر و شر کی دونو طاقتیں اور نیکی و بدی کے دونو جذبے اس کے اندر موجود ہیں۔ پس اگر جسمانی خواہشات و جذبات کے تابع ہو کر عقل کے تقاضوں کو چھوڑ دے تو حیوانات سے بدتر ہو گا اور اگر خواہشات و جذبات کو ٹھکرا کر عقل و خرد کی روشنی میں خدائی احکامات کی پیروی کرے گا تو فرشتوں سے افضل ہو گا۔

حق و انصاف یہ ہے کہ امانت کے معانی اپنے اپنے مقام پر درست ہیں لیکن سب کی بازگشت تکالیف شرعیہ کی طرف ہی ہے، چنانچہ امانت کے معنی عام لوگوں کی امانتیں بھی ہو سکتا ہے، حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی وصیت میں ارشاد فرمایا "تحقیق ناکام ہو گا وہ شخص جو امانت ادا نہ کرے کیونکہ اس قدر عظیم و بلند آسمانوں لمبی چوڑی زمینوں اور سر بفلک پہاڑوں پر امانت پیش ہوئی تو طول و عرض اور بلندی و عظمت کے باوجود اس کا بوجھ نہ اٹھا سکے تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی شئی طول عرض اور قوت و عزت کے بل بوتے پر بچ سکتی تو یہ ضرور بچ جاتے، لیکن یہ سب اللہ کی گرفت سے گھبرا گئے اور ان سے کئی درجہ کمزور و ناتواں انسان اس معنی کو نہ سمجھ سکا اور وہ زیادہ ظالم و جاہل ہے، اسی طرح احکام شرعیہ بھی امانت کے مفہوم میں داخل ہیں، چنانچہ عوالی سے منقول ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو حضرت علیؑ کا جسم مبارک کانپ جاتا تھا اور رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور دریافت کرنے پر آپ فرماتے تھے کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے اور یہ وہ امانت ہے جو اللہ نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کی اور وہ اس کا بوجھ نہ برداشت کر سکے اسی طرح امانت کا معنی ولایت بھی بیان کیا گیا ہے

صاحب صافی فرماتے ہیں کہ امانت کے ان تمام معانی کے سمجھ لینے کے بعد مضبوط اور پختہ بات یہ ہے کہ امانت سے مراد تکلیف عبودیت اور اللہ کی رضا جوئی ہے اور انسان کو اس کا اہل قرار دیا گیا ہے اور ہر انسان اپنی اپنی حیثیت و استعداد کے مطابق اس منزل کی طرف قدم بڑھا

سکتا ہے اور عبودیت کے تمام مراتب میں سے اہم و اعظم مرتبہ خلافت الٰہیہ کا ہے پس خلیفۃ اللہ کا منصب یہ ہے کہ اس پر عائد شدہ ذمہ داریوں کو اس طرح نبھائے جس طرح نبھانے کا حق ہے اور جو اس کا اہل نہیں اس پر فرض ہے کہ اہل کے لئے جگہ خالی کر دے اور خود ناحق طور پر اس کا دعویدار بننے کی جرأت نہ کرے پس آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی استعداد و لیاقت کا جائزہ لیا گیا اور انہوں نے زبان حال سے اور فطرت و طبیعت کے انداز سے معذوری کا اظہار کیا اور انسان کے اٹھا لینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بالعموم تکالیف شرعیہ کا اہل تھا لیکن بعض جسمانی علائق کی بنا پر نا اہل ہوتے ہوئے اپنی حیثیت سے بلند مقام کا دعویدار بن بیٹھا۔ اور ظلم و جہالت کی بنا پر خلافت الٰہیہ کے منصب کی ذمہ داریوں کا بوجھ قبول کر بیٹھا حالانکہ وہ اس کے قابل نہ تھا۔ اور اکثریت کی غلط روش کی بنا پر اس کی جنس انسان کی طرف نسبت دی گئی۔ اور اس بارے جس قدر روایات وارد ہوتی ہیں وہ سب اس تاویل کے اندر شامل کی جا سکتی ہیں۔

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ۔ چونکہ انسانوں کے تین گروہ ہیں (۱) منصف مزاج کلمہ حق کو قبول کرنے والے اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرنے والے۔ (۲) ضدی عنادی اور ہٹ دھرم لوگوں کا گروہ (۳) منافق لوگ نہ ادھر کے اور نہ اُدھر کے۔ خداوند کریم نے عرض امانت کا مقصد واضح فرمایا کہ ہم نے امانت اس لئے پیش کی یعنی احکام شرعیہ اور تکالیف ظاہریہ اس لئے نازل کیں تاکہ بندوں میں سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ ہو جائے۔ پس اس پرکھ کے بعد پہلی قسم کے لوگ جو کلمہ حق کو قبول کرنے والے اور اوامر و نواہی کے پابند ہوں گے ان کی معمولی لغزشیں معاف کی جائیں گی اور ان کی توبہ قبول ہو گی۔ لیکن ہٹ دھرمی عنادی لوگ جو سوچ سمجھ کر توحید کے منکر ہو گئے اور شرک کی وادی میں جا گرے یا جن لوگوں نے دو طرفہ پالیسی اختیار کی اور منافقانہ رویہ اختیار کر لیا۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ ان ہر دو قسم کے لوگوں کے لئے قیامت کے روز عذاب ہو گا۔ اور وہ اس سے بچ نہ سکیں گے۔ سورۂ احزاب کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

# سورۂ سبا

یہ سورہ مکیہ ہے

بسملہ سمیت آیات کی کل تعداد پچپن ہے۔

جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ سبا کی تلاوت کرے گا قیامت کے دن ہر نبی و رسول اس سے مصافحہ کرے گا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ سبا اور سورہ فاطر کی رات کے وقت تلاوت کرے گا وہ ساری رات اللہ کی امان و حفظ میں رہے گا اور اگر دن کو تلاوت کرے تو کوئی ناپسندیدہ امر نہ دیکھے گا نیز دنیا و آخرت کی بھلائی اس قدر اس کو عطا ہوگی کہ اس کے دل نے کبھی اس کا خطور بھی نہ کیا ہوگا (یعنی وہم و گمان سے بھی اس کا ثواب زیادہ ہے) خواص القرآن سے منقول ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اس کو لکھ کر باندھے تو کوئی موذی جانور اس کے قریب نہ آئے گا اور اگر دھو کر پانی پی لے اور اپنے اوپر چھڑک لے تو اس کا خوف جاتا رہے گا اور دل کی دھڑکن ختم ہو جائے گی اور امن میں رہے گا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص دھو کر اس کا پانی پی لے اور اپنے منہ پر چھڑک لے تو جس چیز سے خوفزدہ ہوگا اس سے امن میں رہے گا اور اس کا ڈر جاتا رہے گا۔

## رکوع ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی

(کہو) حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کے لئے حمد ہے آخرت میں

الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ② یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا

اور وہی دانا بینا ہے جانتا ہے جو داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور

وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ③ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا

جو اترتا ہے آسمان سے اور جو بلند ہوتا ہے اس میں اور وہ رحیم بخشنے والا ہے ... کافر ہیں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ :۔ اچھے اور اختیاری فعل پر کسی کی تعریف کرنا تعظیم و تکریم کے طریقے سے حمد کہلاتا ہے اور اگر اختیار کی قید دور کی جائے یعنی صرف کسی کی خوبی بیان کی جائے خواہ وہ خوبی اس میں اختیاری ہو یا اضطراری ہو تو اس کو مدح کہا جاتا ہے جس طرح موتی کی عمدگی بیان کرنا اس کی مدح ہے نہ کہ حمد اور حمد میں ضروری نہیں کہ زبان سے ہی کی جائے بلکہ ہر وہ طرز عمل جو کسی محسن کی تعظیم و تکریم پر دلالت کرے حمد کا بھی فرد ہوتا ہے۔ حمد کے بلند مراتب وہ ہیں جو عبادت کے موضوع میں داخل ہیں اور اُن کا حقدار سوائے پروردگار کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور ان میں کسی کو پروردگار کا شریک بنانا کفر ہے اس مقام پر علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ قُوۡلُوۡا فعل محذوف ہے۔ یعنی اے اہل اسلام تم کہو۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الخ قرآن مجید کے جن سورتوں کو لفظ الحمد سے شروع کیا گیا ہے وہ پانچ ہیں (۱) فاتحہ (۲) انعام (۳) کہف (۴) سبا (۵) فاطر صرف وہی اللہ ہی جمیع محامد کا ہمیشہ مستحق و سزاوار ہے جو آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کا واحد مالک ہے اور آخرت میں بھی وہ حمد کا واحد مستحق ہے یعنی وار آخرت اگرچہ دار تکلیف نہیں ہے لیکن بہشتی لوگ نعمات پروردگار کے شکر کے طور پر اس کی حمد کریں گے اور اس سے وہ لطف اندوز ہوں گے۔

یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ :۔ ولوج کا معنی داخل ہونا خروج کا معنی نکلنا نزول کا معنی اترنا اور عروج کا معنی چڑھنا ہے پس اللہ زمین میں ہر داخل ہونے والی چیز کو جانتا ہے جیسے بارش خزانے اور دفن شدہ مردے وغیرہ اور زمین سے ہر نکلنے والی چیز کو بھی جانتا ہے۔ جس طرح سبزی انگوری معدنیات نباتات وحیوانات وغیرہ اور وہ آسمان سے اُترنے والی چیزوں کو جانتا ہے جیسے بارش رزق اور فرشتے وغیرہ اور آسمان کی طرف صعود کرنے والی اشیاء کو بھی جانتا ہے جس طرح بندوں کے اعمال ارواح اور فرشتے وغیرہ

قُلۡ بَلٰی :۔ کلام منفی کے جواب میں ایجاب کے لئے بَلٰی آیا کرتا ہے جس طرح اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کے جواب میں ارواح نے کہا بَلٰی یعنی ہاں تو ہمارا رب ہے اس مقام پر کفار کی جانب سے انکار قیامت کے جواب میں بَلٰی اثبات کے لئے ہے یعنی کافروں نے کہا کہ قیامت نہیں آئے گی تو پیغمبر کو حکم دیا گیا کہ ان کے جواب میں کہو ہاں ضرور آئے گی اور قسم کھا کر کہو کہ ضرور آئے گی۔

عَالِمِ الۡغَیۡبِ :۔ عالم پر تینوں اعراب پڑھے جا سکتے ہیں اگر جر پڑھیں یعنی عَالِمِ الۡغَیۡبِ تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو رب کی صفت ہے اور

لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۚ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ

نہیں آئے گی ہم پر قیامت کہدو ہاں خدا کی قسم وہ تم پر ضرور آئے گی (اس رب کی قسم) جو غیب کو جانتا ہے کہ نہیں پوشیدہ اس سے

مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ

ایک ذرہ کی مقدار آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی

اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ

مگر یہ کہ وہ کتاب مبین (لوحِ محفوظ) میں ہے تاکہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے اور عمل نیک بجا لائے ایسے

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا

لوگوں کے لئے بخشش اور رزق کریم ہوگا۔ اور جو لوگ تخریبی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں ہماری آیات

مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ وَيَرَى

میں بھرپور کوشش کے ساتھ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب کی سزا ہوگی اور جانتے ہیں

یا اس سے بدل ہے اور اگر نصب پڑھیں یعنی عَالِمَ الْغَيْبِ تو اَمْدَحُ فعل محذوف ہوگا پس منصوب علی المدح ہوگا اور اگر رفع پڑھیں۔ یعنی عَالِمُ الْغَيْبِ تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس کو مبتدا محذوف هُوَ کی خبر قرار دیں اور یا اس کو مبتدا مان کر لَا يَعْزُبُ کو اس کی خبر بنائیں گے۔ قاریوں میں سے بعض نے اس کو جر سے پڑھا ہے اور بعض نے رفع سے پڑھا ہے نصب کی قرأت منقول نہیں ہے۔

لِيَجْزِيَ :۔ اس آیت میں اللہ نے قیام قیامت کی غرض کو بیان فرمایا ہے کہ جزا اور سزا کے لئے اس دن کا لانا ضروری ہے تاکہ دنیا میں جو لوگ نیکی و اچھائی سے زندگی گذار کر گئے اور اس سلسلہ میں وہ دنیا میں انتہائی تنگی و عسرت اور مصائب و مشکلات سے دوچار رہے ان کو اس دن اپنی نیکیوں کا نیک بدلہ دیا جائے گا اور جو لوگ دنیا میں بدکاری و فحاشی ظلم و استبداد اور رعونت و تکبر کو اپناتے ہوئے کمزوروں کے لئے دائرہ حیات تنگ کرتے رہے اور احکام خداوندی کو پامال کرتے رہے ہیں ان کو اس دن برائیوں کے بدلہ میں سخت سزا دی جائے گی۔

رِزْقٌ كَرِيْمٌ :۔ مغفرت کا تعلق چونکہ صرف مومنوں سے ہے لہذا اس کے آگے کسی صفت کے اضافے کی ضرورت نہیں تھی لیکن رزق کی دو قسمیں ہیں کریم و غیر کریم کافروں کے لئے رزق غیر کریم مثلاً زقوم وغیرہ ہوگا پس مومنوں کے لئے رزق کے ساتھ کریم کی صفت لگائی کہ ان کا رزق نفیس و عمدہ ہوگا۔

اِذَا مُزِّقْتُمْ :۔ یعنی قیامت کا انکار کرتے ہوئے کافر لوگ ایک دوسرے سے از راہِ استعجاب کہتے ہیں کہ ہم تم کو ایسے شخص کی نشاندہی کرتے ہیں جو کہتا پھرتا ہے کہ ذرہ ذرہ ہو جانے کے بعد پھر نئے سرے سے تم زندہ کئے جاؤ گے۔ حضرت رسالتمآبؐ کے اعلان قیامت کو وہ لوگ از راہِ تمسخر ایک دوسرے کے سامنے دھرتے رہے اور اپنے طور پر اس قول کا پس منظر یہ بیان کرتے تھے کہ یا تو "معاذ اللہ" اللہ پر صریح جھوٹ کا افترا ہے اور یا دیوانگی کا مظاہرہ ہے خداوند کریم نے

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى

وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اتارا گیا ہے وہ حق ہے اور ہدایت کرتا ہے

صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٧﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ

غالب اور قابلِ تعریف خدا کے رستے کی طرف اور کافروں نے ایک دوسرے سے کہا کیا ہم تم کو پتہ دیں ایسے شخص کا جو تمکو خبر دیتا

يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿٨﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤگے تو پھر تمہارا نیا جنم ہوگا کیا اس نے اللہ پر جھوٹا افترا

كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ

کیا ہے یا یہ اس کا دیوانہ پن ہے؟ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے عذاب میں اور گہری گمراہی میں ہیں

الْبَعِيْدِ ﴿٩﴾ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

کیا وہ نہیں دیکھتے اپنے سامنے اور پیچھے (ہر طرف سے) آسمان و زمین (کا گھیراؤ) اگر ہم چاہیں تو ان کو

اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

زمین سے نگلوا دیں یا ان پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دیں تحقیق اس میں سلیم الطبع بندے کے لئے

ان کے بیان کی پرزور تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے رسول کا یہ اعلان نہ افترا ہے اور نہ دیوانہ پن ہے بلکہ یقیناً سچ اور حق ہے البتہ جو لوگ قیامت کے انکار پر مصر ہیں وہ دنیا میں واضح گمراہی میں ہیں وہ قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

**لطیفہ** چونکہ فلاسفۂ قدیم عالم کو قدیم سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر جزو لایتجزی کو محال قرار دے کر اتصالِ جسم کو ثابت کرتے ہوئے مادہ اور صورت کے قدم کو ثابت کرتے ہیں، چنانچہ بعض مدعیانِ اسلام بھی فلاسفہ کی رائے سے متاثر ہو کر حدوثِ عالم کے عقیدۂ حقہ سے بیگانہ ہو گئے پس ایک ملحد نے ایک اسلامی فلاسفر سے مسئلہ زیرِ بحث کا قرآن سے ثبوت طلب کیا تو اس نے قرآن مجید کی یہی آیت پڑھی اِذَا مُزِّقْتُمْ الخ کہ اس میں جزو لایتجزی کا اقرار اور اتصالِ جسم کا بطلان واضح ہے پس وہ شخص قرآن کے اس فرمان کو سن کر فلاسفہ کے عقیدہ سے تائب ہو گیا۔

اَفَلَمْ يَرَوْا:- انسان دنیا میں آنکھ کھولتے ہی گرد و پیش کا جائزہ لے کر یقین کر لیتا ہے کہ میں زمین اور آسمان کی حصاروں میں ہر طرف سے گھرا ہوا ہوں پس خداوند کریم انسان کو متوجہ فرما کر تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو ان کو قارون کی طرح زمین میں غرق کر دوں پس جب یہ سب کچھ کرنے پر مجھے قدرت حاصل ہے تو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا میرے لئے کیا مشکل ہے؟

**رکوع ۲ حضرت داؤدؑ کا ذکر**

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا:- آیت مجیدہ میں حضرت حق سبحانہ نے حضرت داؤدؑ پر اپنے فضل و احسان کا تذکرہ فرمایا ہے، جو نبوت کتاب قوتِ بیان اور دیگر معجزات کے علاوہ تھا، چنانچہ فرمایا کہ ہم نے داؤدؑ کو فضیلت دی یعنی باقی انبیاء سے مذکورۃ الذیل عطیات حضرت داؤدؑ کو امتیازی طور پر دیئے گئے۔

اَوِّبِي مَعَهٗ :- تاویب سے ہے اور اس کا مجرد اٰب یَئُوب اَوْبًا ہے اس کا معنی ترجیع یعنی دُھرانا ہے مقصد یہ ہے کہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ حضرت داؤد کی تسبیح کے جواب میں تسبیح پڑھیں گویا حضرت داؤد کو یہ بھی بطور معجزہ عطا ہوا کہ آپ کی تسبیح کے جواب میں

اٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑩ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۘ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ

بڑی دلیل ہے اور ہم نے عطا کی داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت اے پہاڑو تسبیح کرو ساتھ اس کے پرندوں

وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ⑪ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا

سمیت اور ہم نے نرم کر دیا اس کے لئے لوہا کہ بناؤ پوری زرہیں اور ٹھیک مناسب بنائی کرو اور عمل صالح

صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑫ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا

بجالاؤ تحقیق میں تمہارے عمل سے آگاہ ہوں (اور مسخر کیا ہم نے) سلیمان کے لئے ہوا کو اس کی صبح

پہاڑوں سے صدائے تسبیح بلند ہوتی تھی۔

وَالطَّيْرَ :- یا تو مفعول معہ ہے یا جبال پر معطوف ہو کر منادیٰ ہے اور نصب اس لئے ہے کہ معطوف علیہ محلًا منصوب ہے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ پرندوں کے ساتھ مل کر حضرت داؤدؑ کی تسبیح کا جواب تسبیح سے دیں اور دوسری صورت میں پہاڑ اور پرندے دونوں خطاب میں شریک ہیں یعنی ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ حضرت داؤدؑ کے ساتھ مل کر تسبیح کریں، پس پہاڑوں اور پرندوں کا تسبیح پڑھنا بھی حضرت داؤدؑ کا معجزہ تھا اور بعض لوگوں نے تاویب کا معنی سیر کرنا بیان کیا ہے کہ خدا کے حکم سے پہاڑ اور پرندے حضرت داؤدؑ کے ہمراہ چلتے تھے اور یہ آپ کا معجزہ تھا

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ :- یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تیسری فضیلت کا ذکر ہے جو ان کو امتیازی طور پر عطا ہوئی کہ اللہ نے اُن کے لئے لوہا نرم کر دیا کہ آگ کے قریب کئے بغیر لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی مثل ہو جاتا تھا پس وہ جو چاہتے اس سے بنا ڈالتے تھے، تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت داؤدؑ جب کہیں سفر کرتے اور جنگلوں اور ویرانوں سے گذرتے تو زبور کی تلاوت کرتے تھے پس پہاڑ طیور اور وحوش ان کی قرأت سُن کر تسبیح پروردگار بجالاتے تھے اور خداوند کریم نے ان کے ہاتھ میں لوہے کو موم کر دیا تھا پس آپ جو چاہتے بنا لیتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو بعض ایسی نشانیاں (معجزات) عطا فرمائیں جو باقی نبیوں کو عطا نہیں ہوئیں، ان کو پرندوں کی بولی کی تعلیم دی گئی۔ ان کے لئے لوہے اور پیتل کو آگ اور ہتھوڑے کے بغیر نرم کر دیا گیا اور پہاڑوں کو اس طرح مسخر کیا گیا کہ وہ آپ کے ہمراہ تسبیح خدا کرتے تھے۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ :- یعنی لوہے کو نرم کر کے اللہ نے حضرت داؤدؑ کو حکم دیا کہ اس سے زرہیں تیار کرو سابغات کا موصوف دُرُوْعًا محذوف ہے یعنی کشادہ اور مضبوط زرہیں بناؤ، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت داؤد چونکہ اپنے زمانہ کے بادشاہ تھے اور شام کا سارا علاقہ ان کے زیر نگیں تھا۔ لیکن بایں ہمہ وہ بیت المال سے تنخواہ وصول کرنے کے بجائے کما کر کھانا پسند فرماتے تھے۔ پس خدا نے ان کے لئے لوہے کو نرم بنا دیا اور بذریعہ وحی ان کو زرہ بنانے کا حکم دیا پس آپ ہی پہلے انسان ہیں جنہوں نے سب سے

پہلے زرہ بنانے کی ابتداء فرمائی آپ زرہیں تیار کرتے تھے اور ان کی قیمت سے اپنے واجب النفقہ عیال کے اخراجات پورے کرتے تھے اور زائد از ضرورت کو فقراء پر تصدق فرماتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت داؤدؑ پر وحی ہوئی کہ واقعی تم میرے نیک بندے ہو لیکن تم میں ایک کمی ہے کہ بیت المال سے کھاتے پیتے ہو پس حضرت داؤدؑ پورے چالیس دن تک روتے رہے تو خداوند کریم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ پس آپ روزانہ ایک زرہ بنا ڈالتے تھے جس کو ایک ہزار درہم میں فروخت کیا کرتے تھے اور کثیر العیال ہونے کے باوجود وہ بیت المال سے بے نیاز ہو گئے۔

وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ: یعنی زرہ کے حلقوں کو آپس میں جوڑنے میں صحیح اندازہ سے کام لو تاکہ زرہ کے حلقے نہ بہت باریک ہوں کہ ٹوٹ جائیں اور نہ بہت موٹے ہوں کہ زرہ زیادہ وزنی ہو جائے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے کل تین سو ساٹھ زرہیں تیار کیں اور ہر زرہ کو ایک ہزار درہم میں فروخت کیا (گویا تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم آپ کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ ہے)

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ: پروردگار کا یہ احسان صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مختص ہے کہ ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا گیا چنانچہ ان کا تخت ہوا میں اڑتا تھا اور آپ کو تمام لشکر سمیت ہوا بارہ گھنٹے میں تیز رو گھوڑے سوار کی دو ماہ کی مسافت پر پہنچا دیتی تھی۔ چنانچہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ صبح دمشق سے روانہ ہو کر دوپہر کے وقت علاقۂ اصفہان میں آرام فرماتے تھے اور پھر وہاں سے پرواز کر کے رات کو کابل میں جا ٹھہرتے تھے۔ کیونکہ دمشق سے اصفہان اور اصفہان سے کابل تیز رو گھوڑے سوار کے لئے ایک ایک ماہ کا سفر ہے (ممکن ہے دمشق سے اصفہان اور اصفہان سے کابل کا ذکر بطور تمثیل کے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی حدود مملکت میں اس قدر وسعت ہو اور سرکاری دورے کے طور پر یہ سفر کرتے ہوں اور بعض روایات میں جو یہ الفاظ ملتے ہیں کہ پوری روئے زمین کی حکومت صرف چار آدمیوں کو نصیب ہوئی۔ نمرود اور بخت نصر یہ دونوں کافر تھے اور ذوالقرنین و سلیمان یہ دونوں مسلمان تھے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اپنے دور میں پوری دنیا کی مہذب آبادی ان کے زیر نگیں تھی اور باقی حکمران ان کے مقابلہ میں جزوی و ذیلی حیثیت رکھتے تھے۔

وَأَسَلْنَا لَهُ: یہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مخصوص احسان کا تذکرہ ہے کہ ہم نے اس کے لئے پیتل اور تانبے کو پانی کی طرح جاری کر دیا اور مروی ہے کہ تین دن تک تانبا و پیتل اپنی کان سے نکل کر بہتا رہا جس طرح پانی چشمے سے نکل کر بہتا ہے اسی لئے اس کو عین سے تعبیر کیا گیا جس کا معنی چشمہ ہے۔

وَمِنَ الْجِنِّ: یہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے کہ اللہ نے جنوں کو ان کا تابع فرمان بنا دیا کہ وہ ان کی ہر حکم میں اطاعت کرتے تھے اور جو بھی ان میں سے سرتابی کرتا تھا اس کو آگ کی سزا دی جاتی تھی اور منقول ہے کہ خداوند کریم کی جانب سے ایک فرشتہ معین تھا جس کے پاس آگ کا تازیانہ تھا پس جنوں میں سے جو بھی حکم عدولی کرتا تو وہ فرشتہ اس کو اس آتشی تازیانے سے مارتا تھا کہ وہ جل کر خاکستر ہو جاتا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہو یعنی جنوں میں جو بھی

ان کی مخالفت کرتا ہم نے دنیاوی سزا کے علاوہ جہنم کا عذاب ان کے لئے ضروری قرار دیا۔ اور مِنَ الْجِنِّ میں مِن تبعیضیہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سارے جن حضرت سلیمان کے تابعِ فرمان نہ تھے بلکہ اُن میں سے ایک خاص جماعت تھی جو باذنِ پروردگار غلامی و نوکری کے فرائض انجام دیتی تھی

شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ

ایک ماہ اور اس کی شام ایک ماہ تھی (صبح سے شام تک دو ماہ کی مسافت طے ہوتی تھی) اور ہم نے جاری کیا اس کے لئے تانبے

مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ

کا چشمہ اور جنوں میں سے بعض ایسے تھے جو باذنِ پروردگار اس کے سامنے کام کرتے تھے اور جو بھی ان میں سے سرتابی کرتا

عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا

ہمارے حکم سے تو اس کو ہم آگ کے عذاب کا مزہ چکھاتے تھے وہ ان کے لئے بناتے تھے جو وہ

يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ

چاہتا تھا مسجدیں تصویریں اور حوضوں کی طرح بڑے بڑے پیالے اور زمین میں گڑی ہوئی دیگیں عمل

رَاسِيَاتٍ ۚ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿۱۳﴾

کرو اے آلِ داؤدؑ بطور شکر اور میرے بندوں میں سے تھوڑے ہی ہیں شکر گزار۔

مِنْ مَحَارِيبَ: معتبر روایت میں منقول ہے کہ محراب اس مکان کو کہا جاتا ہے جس پر سیڑھیوں کے ذریعے چڑھا جائے اس جگہ عبادت گاہیں اور عالیشان محلات مراد ہیں۔

## بیت المقدس کی تعمیر

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دورِ حکومت میں بنی اسرائیل میں طاعون کی وبا پھیل گئی چنانچہ ایک ہی دن میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ لقمۂ اجل بن گئے حضرت داؤدؑ نے ان کو حکم دیا کہ غسل کر کے بچوں اور عورتوں کو ہمراہ لے کر شہر کے باہر کھلے میدان میں گڑگڑا کر اللہ سے دعا کریں اور اس سے رحم کی درخواست کریں، چنانچہ سب لوگ گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور باہر کھلی فضا میں رو رو کر خدا سے دعائیں مانگنے لگے خود حضرت داؤد علیہ السلام صخرہ (پتھر) پر چڑھے اور سجدۂ پروردگار میں گر گئے اور آپ کی امت بھی سربسجود ہوگئی پس جب سجدہ سے فارغ ہوئے تو خداوند کریم نے ان کی دعا کو مستجاب فرمایا اور طاعون کی وبا ختم ہوگئی اور یہ وہی جگہ تھی جہاں بعد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر ہوئی۔ خداوند کریم نے جب حضرت داؤدؑ کے وسیلہ سے بنی اسرائیل کی مصیبت دور کی تو تین دن کے بعد آپ نے اپنی تمام امت کے اربابِ حل وعقد کو جمع کر کے فرمایا کہ اللہ کے رحم و کرم کی بدولت تمہیں مصیبت سے نجات ملی ہے لہٰذا شکر کے طور پر اسی زمین کے اوپر جہاں اللہ نے تم پر رحم فرمایا ایک مسجد تعمیر کرو چنانچہ سب نے حضرت داؤدؑ کی بات کو تسلیم کیا اور مسجد کی تعمیر کا عہد کیا اور فوری طور پر اس کام کو شروع کر دیا گیا۔ پہلے پہلے شہر کی تعمیر کا کام شروع ہوا خود حضرت داؤدؑ بنفسِ نفیس پتھر اٹھا کر لاتے تھے اور بنی اسرائیل کے اکابر و صلحاء آپ کی تاسی میں مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے چنانچہ قدِ آدم تک دیواروں کو بلند کیا گیا جب

یہ کام شروع ہوا تو حضرت داؤد کی عمر ایک سو ستائیس ۱۲۷ برس تھی خدا نے آپ پر وحی کی کہ اس کام کی تکمیل حضرت سلیمان کے ہاتھوں ہوگی آپ کی وفات ایک سو چالیس برس کی عمر میں ہوئی تو حضرت سلیمان ان کی جگہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے بیت المقدس کی تعمیر کا کام از سر نو شروع کیا پس جنوں اور دیووں پر اپنے اپنے فرائض تقسیم کر دیئے گئے بعض کے ذمہ سنگ مرمر کا جمع کرنا تھا اور بعض کے ذمہ بلور کی فراہمی تھی پس سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھروں سے شہر کی تعمیر کا آپ نے حکم دیا اور ابتداءً بارہ محلات کی داغ بیل ڈالی گئی جب شہر تعمیر ہو چکا تو ہر ہر محلہ میں ایک ایک قوم کو آباد کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اس کے بعد مسجد اقصیٰ کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور آپ نے قوم جنات کو مختلف فرائض سونپ کر مسجد کی فوری تعمیر کا حکم جاری فرمایا چنانچہ جنوں کے ایک گروہ کے ذمہ کانوں سے سونا و جواہر برآمد کرنا تھا اور دوسرے گروہ کے ذمہ یاقوت و مرجان و قیمتی پتھروں کی فراہمی تھی تیسرے فرقے کے ذمہ عنبر کستوری اور دیگر خوشبویات کا جمع کرنا تھا اور چوتھے گروہ کے ذمہ سمندروں کی تہوں سے خالص آبدار موتیوں کا اکٹھا کرنا تھا۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ میں بہت کافی تعداد میں سامان جمع کر لیا گیا پس آپ نے مستریوں اور کاریگروں کو بلوا کر جمع شدہ پتھروں کو صاف کرنے کا حکم دیا اور اسی طرح جواہر اور موتیوں کی صفائی کا بھی حکم صادر فرمایا چنانچہ انہوں نے فوراً یہ کام انجام دیا پس سفید زرد اور سبز اقسام کے سنگ مرمر سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع ہوئی، محرابوں کو بلوری قسم کے پتھروں سے کھڑا کیا گیا۔ چھت کو قیمتی موتیوں اور بیش بہا نگینوں سے جڑا گیا دیواروں کو چمکدار جواہر و یواقیت سے مرصع کیا گیا اور فرش پر فیروزہ کی تختیاں لگائی گئیں پس روئے زمین پر المسجد الاقصیٰ بیت المقدس سے زیادہ عالیشان عمارت کوئی نہیں بنائی جا سکی اور نہ اس مسجد سے زیادہ روشن و خوبصورت و دیدہ زیب مکان آج تک تعمیر ہوا ہے۔ رات کے وقت کافی دور سے دیکھنے والے اسے اس طرح دیکھتے تھے جس طرح چودہویں کے چاند کو دیکھا جاتا ہے جب مسجد کا کام ختم ہوا تو آپ نے بنی اسرائیل کے عبادت گذار لوگوں کو بلا کر ایک اعلان عام کے ذریعے حکم دیا کہ یہ مکان اللہ کے لئے مخصوص ہے اور یہ دن تمہارے لئے ہمیشہ عید کا دن ہوگا جس دن مسجد اقصیٰ کی تعمیر مکمل ہوئی۔ پس بیت المقدس اپنی پوری شان سے قائم رہا یہاں تک کہ جب بخت نصیر نے فتح پائی تو اس پورے شہر کو تاراج کیا گیا اور مسجد کو کافی نقصان پہنچایا۔ چنانچہ چھت اور دیواروں میں جڑے ہوئے یاقوت و جواہر و دیگر قیمتی پتھر سب اس نے اکھڑوا لئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو بقدرتِ خدا اس کے سب دروازے بند ہو گئے اور ان کے کھولنے کے لئے جس قدر تدابیر اختیار کی گئیں فائدہ مند ثابت نہ ہو سکیں بالآخر آپ کی دعا سے دروازے کھلے تو آپ نے بنی اسرائیل سے دس ہزار قاری تورات و عابد منتخب فرمائے ان میں سے پانچ ہزار دن کے لئے اور پانچ ہزار رات کے لئے مسجد اقصیٰ میں عبادت پر مقرر کئے پس سب و روز میں کوئی وقت بھی ایسا نہ ہوتا تھا جو عبادتِ پروردگار سے خالی ہو۔

وَتَمَاثِیْلَ: یہ تمثال کی جمع ہے اور اس کی اصل متول ہے جس کا معنی ہے کھڑا ہونا اور ایک حدیث میں ہے مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَمْثُلَ لَهُ النَّاسُ فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ یعنی جو اس بات پر خوش ہو کہ میرے سامنے کچھ آدمی غلامی کے لئے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ جہنم میں بنائے۔ جن کا دیگر حضرت سلیمانؑ کے لئے صدورتیں اور مجسمے بھی تیار کرتے تھے جو پیتل تانبے شیشے اور سنگ مرمر وغیرہ سے

ہوتے تھے اور اس وقت انسان اس صنعت سے ناآشنا تھے۔ پس وہ حیوانوں چوپاؤں اور درندوں کے مجسمے تیار کرکے اُس کے تخت کے آس پاس کھڑے کر دیتے تھے تاکہ رعایا پر آپ کا رعب چھایا رہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی کرسی کے نیچے دو شیروں کے مجسمے بنا کر رکھے اور سر کے اوپر دو گِدوں کے مجسمے بنا کر رکھے اور اُن میں اس قسم کے سپرنگ رکھے کہ جب آپ کرسی پر بیٹھنے کے لئے تشریف لاتے تو دونو شیر اپنے بازوؤں کو پھیلاتے پس آپ ان پر قدم رکھ کر اوپر چڑھتے اور یوں دکھائی دیتا کہ آپ شیروں کی پشت پر تشریف فرما ہیں اور جونہی آپ بیٹھتے گِدوں کے پَر پھیل جاتے اور وہ آپ کے سر پر چھتری کی طرح سایہ کئے رہتی تھیں اور جس انداز و طریقہ سے حضرت سلیمانؑ کرسی پر بیٹھتے کہ شیر بازوں دراز کر لیا کرتے اور گِدیں پر پھیلا دیتیں یہ ایک مخصوص طرز عمل تھا جسے حضرت سلیمان کے علاوہ اور کوئی نہ جانتا تھا چنانچہ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب بخت نصر نے اس کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو چونکہ اُسے وہ خاص انداز معلوم نہیں تھا لہٰذا جونہی آگے بڑھا شیر نے اپنا بازو اٹھا کر زور سے مارا تو بخت نصر کی پنڈلی سخت زخمی ہو گئی اور بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس کے بعد حضرت سلیمانؑ کی کرسی پر کسی نے بیٹھنے کی جرأت نہ کی۔

## مجسمہ سازی و فوٹوگرافی

اس مسئلہ میں علمائے شیعہ کے مشہور چار اقوال ہیں (۱) تصویر بنانا حرام ہے ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی اور مجسم ہو یا غیر مجسم یعنی سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار (۲) صرف ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے خواہ مجسم یعنی سایہ دار ہو یا غیر مجسم ہو (۳) مجسمہ بنانا حرام ہے خواہ ذی روح کا ہو یا غیر ذی روح کا ہو (۴) صرف ذی روح کی سایہ دار تصویر یعنی مجسمہ بنانا حرام ہے۔ تصویر سایہ دار کا مقصد یہ ہے کہ اس کا الگ جسم ہو اگر اس کو دھوپ میں رکھا جائے تو اس کا الگ سایہ پڑے لہٰذا نقوش یا فوٹو کو سایہ دار نہیں کہا جا سکتا چوتھے قول پر علامہ شیخ مرتضٰے انصاری اعلی اللہ مقامہ نے اجماع امامیہ کا دعویٰ کیا ہے لیکن شیخ ابوالحسن شعرانی محشی مجمع البیان نے ذکر کیا ہے کہ طبرسیؒ نے تفسیر سورہ بقرہ میں عجل سامری کے بیان میں مجسمہ سازی کی حرمت کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ مجسمہ وہی حرام ہے جو عبادت کے لئے بنایا جائے اور علامہ انصاری اعلی اللہ مقامہ نے مکاسب میں متعدد احادیث اپنے مقصد کے اثبات میں پیش فرمائی ہیں بعض سے مطلقاً صورتیں بنانے کی حرمت ظاہر ہوتی ہے اور بعض میں صرف روحانی مخلوق (یعنی ذی روح چیزوں کی تصویریں بنانے کی ممانعت ہے جو پہلی قسم کی روایات کی تخصیص کا فائدہ دیتی ہیں اور بعض روایات میں ذی روح کی سایہ دار (مجسم تصویر) کی ممانعت ہے اور اس مطلب پر دلالت کرنے والی حدیث وہ ہے جسے وسائل میں کتاب الصلوٰۃ کے احکام مساکن سے ہدایۃ الطالب شرح مکاسب میں نقل کیا گیا ہے اور اسے اس مطلب کی عمدہ دلیل قرار دیا گیا ہے۔ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَام قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ هُمُ الْمُصَوِّرُوْنَ وَیُكَلَّفُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنْ یَّنْفُخُوْا فِیْهَا الرُّوْحَ: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا تحقیق وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں وہ مصور لوگ ہیں ان کو قیامت کے روز کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں روح پھونکو (گویا سرزنش کے طور پر ان کو یہ حکم دیا جائے گا پس وہ عاجز ہوں گے اور ان کو اس کی پاداش میں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا) ان کو اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں روح پھونکنے کا حکم اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ ملزم وہ لوگ ہوں گے جو

مجسمے بنایا کرتا تھے پس ان کو ان مجسموں میں روح پھونکنے کا تعجیز کے طور پر حکم ہوگا کیونکہ روح کا پھونکنا مجسمے سے ہی مناسبت رکھتا ہے اس پر شیخ مرتضےٰ انصاری اعلی اللہ مقامہ نے اعتراض کیا ہے کہ روح پھونکنے کی تکلیف دینے میں ضروری نہیں کہ وہ پہلے مجسمہ کی شکل میں ہو بلکہ فوٹو اور نقش میں روح پھونکنے کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے جیسا کہ معصوم نے دیوار پر نقش شدہ شیر کی تصویر کو خلیفۂ وقت کے سامنے جادوگر کو پکڑ لینے کا حکم صادر فرمایا تھا لہٰذا تصویر بے سایہ اور تصویر سایہ دار (فوٹو اور مجسمہ) دونو حدیث مذکور کی روشنی میں حرام ہیں۔ لیکن ارباب بصیرت سے مخفی نہیں کہ نفخ روح کا تعلق مجسمے سے ہی ہوتا ہے اور معصوم کے اعجازی فرمان کی تعمیل میں بھی روح نقش (فوٹو) میں داخل نہیں ہوئی تھی بلکہ نقش سے مجسمہ بن کر زندہ شیر بنا تھا۔

نیز دیکھنا یہ بھی ہے کہ حدیث مذکور میں مصورین کو اللہ و رسول کو اذیت دینے والا کہا گیا ہے تو کیا مطلق تصویر کشی جو فوٹو گرافی کو بھی شامل ہے خدا اور رسول کے لئے باعثِ اذیت ہے یا مجسمہ سازی موجب اذیت ہے؟ تو اس کو سمجھنے کے لئے تحف العقول کی وہ روایت جو مکاسب محرمہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے صاف بتلاتی ہے کہ ایسی صنعتیں اور پیشے حرام ہیں جن کی مصنوعات صرف فساد و افساد کا پیش خیمہ ہوں اور مخلوق خدا کے لئے تخریب اخلاق اور ضیاع مال کے علاوہ ان کا نتیجہ اور کچھ نہ ہو اور اس کے برعکس وہ صنعتیں اور پیشے حلال ہیں جن کی مصنوعات صلاح و اصلاح کا پیش خیمہ ہوں یا مخلوق خدا کے لئے ان میں کچھ نہ کچھ افادیت پائی جائے بنا بریں محض نقوش سازی اور فوٹو گرافی ان صنعتوں میں شامل نہیں جو فساد و افساد پر مبنی ہیں بلکہ ان میں کسی حد تک صلاحیت کا پہلو مضمر ہوتا ہے مثلاً یادِ رفتگاں اور زیارتِ بزرگانِ دین وغیرہ اگرچہ ہر اچھی صنعت میں غلط کار لوگ کوئی نہ کوئی بُرا پہلو بھی ایجاد کر لیا کرتے ہیں اور نقوش سازی اور فوٹو گرافی میں ناجائز تصاویر کی عکاسی اگرچہ غلط پہلو ہے لیکن اس کی خوبیوں کے پیشِ نظر اس صنعت کو بُرا نہیں کہا جا سکتا جب کہ دور حاضر میں کافی شرعی امور کی تکمیل بھی ان کے بغیر ناممکن ہو چکی ہے۔ چنانچہ زیارات و حج کے سفر کے لئے فوٹو کا ہونا حکومتی طور پر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پس ان وجوہ کی بنا پر جن مصورین کو خدا اور رسول کے لئے اذیت دینے والا قرار دیا گیا ہے۔ وہ مصور ہیں جو مجسمے ساز ہوں۔ اور مجسمہ سازی میں اذیت خدا و رسول دو پہلوؤں کی بنا پر ہو سکتی ہے اور وہی اس صنعت کی حرمت کے باعث ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے تشبہ بالخالق لازم آتا ہے کیونکہ حیوانات کی ایجاد اور اس کے خلقی و فطری نقش و نگار اس کی بے مثال صناعی کی دلیلیں ہیں پس ایسے مجسمے تیار کرنا خالق سے تشبہ حاصل کرنے کے برابر ہے اسی بنا پر اُسے بروز محشر کہا جائے گا کہ آگے بڑھو اور اس میں روح ڈالنے کی کسر بھی پوری کرو اور دوسرے یہ کہ بت تراش لوگ جو سابق زمانہ میں عبادت خلق کے لئے بت تیار کرتے تھے ان مجسموں کی چونکہ اُن سے مشابہت ہے لہٰذا جس طرح وہ حرام تھے یہ بھی حرام ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہی دو وجوہ خدا اور رسول کے لئے باعث اذیت ہیں پس حکم حرمت ذی روح کی سایہ دار تصویروں (مجسموں) کے بنانے تک محدود ہوگا۔ لہٰذا غیر ذی روح کی تصویریں مثلاً درختوں، پہاڑوں، دریاؤں اور وادیوں کی عکاسی اس زد میں نہیں آئے گی اور درختوں کی سایہ دار تصویریں (مجسمے) جو آج کل عام بازار میں بکتے ہیں اور گھروں میں بطور زینت رکھے جاتے ہیں وہ بھی اس حکم حرمت میں داخل نہیں ہوں گے بنا بریں تعزیہ و علم کی شبیہیں بھی حکم حرمت سے مستثنا ہیں اور اسی طرح ذی روح کی غیر سایہ دار تصویریں یعنی فوٹو وہ بھی حکم حرمت میں نہیں آئیں گی

لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ کیا ہر وہ عمل جس میں تشبہ بالخالق لازم آئے حرام ہے اور خدا و رسول کی اذیت کا موجب ہے؟ تو اس صورت میں انسان کا کوئی عمل بھی شاید نہ بچ سکے گا بلکہ صرف انسان اگر زمین پر سیدھی لکیر کھینچے تو وہ بھی خدا کی کسی نہ کسی مصنوع کے مشابہ ہوگی اور وہ تماثیل جو قوم جنات کے کاریگر حضرت سلیمان کے لئے بناتے تھے گر انسانی وحیوانی تصویریں نہ بھی ہوں تب بھی خالق کی کسی نہ کسی مصنوع کے مشابہ تو ضرور ہوں گی پس اگر وہ درختوں کی تصویریں تھیں تو درخت بھی خدا کے مصنوع ہیں لہٰذا تشبہ بالخالق سے وہ بھی نہ بچ سکیں گے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے جیسی شکل کو مٹی سے بنانا بھی تشبہ بالخالق کا فرد قرار پائے گا۔ لہٰذا تشبہ بالخالق کی وجہ سے مجسمہ سازی یا تصویر کشی کو موجبِ اذیت خدا و رسول قرار دے کر حرمت کا قائل ہونا استدلال میں انتہائی کمزوری کا مظاہرہ ہے۔ باقی رہا اذیت خدا اور رسول کا دوسرا پہلو کہ تشبہ بالصنم یعنی مصور کو بت تراش سے اور تصویر کو صنم سے مشابہت ہے لہٰذا یہ صنعت حرام ہے اور باعثِ اذیت خدا و رسول ہے تو اس کے متعلق قابل غور امر یہ ہے کہ آیا صنم سازی میں بذات خود کوئی مفسدہ موجود ہے جو اذیت خدا و رسول کا موجب ہے یا صنم پرستی چونکہ شرک ہے اور صنم سازی صنم پرستی کی تائید و تقویت اور اثم و عدوان پر ان کی مدد کو مستلزم ہے اس لئے مبغوض خدا و رسول ہے اور حرام ہے؛ تو ظاہر ہے کہ وجود صنم میں کوئی قباحت کا پہلو نہیں ہے بلکہ چونکہ صنم پرستی حرام ہے لہٰذا صنم سازی حرام کی اعانت کی وجہ سے حرام ہے پس اس کا بنانا، بیچنا، خریدنا اور اس کی مدد کرنا سب حرام ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ مصوّری اور مجسمہ سازی اس لئے مبغوض خدا اور رسول ہے کہ وہ صنم سازی کے مشابہ ہے کیونکہ مجسمہ اور تصویر صنم کے مشابہ ہیں نہایت کمزور استدلال ہے اصالتِ اباحت کے پیش نظر ایک مباح امر کو صرف اس لئے حرام نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ کسی دوسرے حرام سے مشابہت رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر دنیا میں کوئی مباح اس زد سے نہیں بچ سکتا کیونکہ ہر فعل مباح کسی نہ کسی حرام سے مشابہت رکھتا ہی ہوگا۔ مثلاً پانی کا پینا شراب کے پینے کے مشابہ ہے وغیرہ نیز قیاس کو جب علمائے امامیہ کے نزدیک دلیل کا درجہ حاصل نہیں ہے تو تشبہ بالخالق یا تشبہ بالصنم کو فن مصوّری کی حرمت کی حکمت و مصلحت قرار دینا کیسے درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ بنابریں بالعموم مصوری و عکاسی و مجسمہ سازی کی حرمت کو ثابت کرنا مشکل ہے۔ اور حدیث مذکور کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ حضورؐ رسالتمآب کے زمانہ میں صنم سازی اور صنم پرستی عام تھی اور چونکہ صنم سازی صنم پرستی کا مقدمہ اور پیش خیمہ ہے اور یہ چیزیں خدا اور رسول کے لئے اذیت کی موجب بھی ہیں پس آپ نے ان مجسمہ سازوں اور مصوّروں کو خدا و رسول کو اذیت دینے والا قرار دیا ہے جو مشرکوں اور بت پرستوں کے لئے بت اور مجسمے بنا کر ان کے لئے شرک کا راستہ ہموار کرتے تھے۔ پس علامہ طبرسی کا قول جس کی حکایت ابوالحسن شعرانی نے کی ہے خالی از قوت نہیں ہے کہ مطلق مجسمہ سازی و مصوری حرام نہیں بلکہ وہی حرام ہے جو بت پرستی کے لئے پیش خیمہ و مقدمہ ہو۔ البتہ جاندار اشیاء مثلاً درند چرند پرند و انسانوں کی سایہ دار تصویریں (مجسمے) احادیث کے پیش نظر خالی از کراہت نہیں ہیں۔ اور دور حاضر میں تو بچوں کے کھلونے ان ہی مجسموں میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور اکثر گھروں میں کاغذی گلدستے پودوں کے مجسمے اور حیوانات کی خوشنما تصویریں اور مجسمے بصورت زینت رکھے جاتے ہیں اور بچیوں میں گڑیاں کھیلنے کا رواج اور بچوں میں مٹی سے حیوانی مجسمے بنا کر کھیلنے کا دستور زمانِ قدیم سے چلا آرہا ہے جو دیہاتوں میں اب تک

موجود ہے البتہ شہروں میں بچیوں کو گڑیاں بنانے کی اور بچوں کو مٹی سے حیوانی مجسمے تیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ دور حاضر میں جہاں ہر صنعت نے ترقی کی ہے کھلونے سازی کی صنعت نے بھی حیرت انگیز ترقی کرتے ہوئے بچوں اور بچیوں کے لئے ایسے دیدہ زیب کھلونے ربڑ اور پلاسٹک سے تیار کرلئے کہ چھوٹے تو چھوٹے بڑے بڑوں کے لئے بھی ان کو دیکھ لینے کے بعد خریدکئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا پس وہ بھی بیکار اوقات میں ان سے اپنا دل بہلایا کرتے ہیں اور گھروں کی دیواروں کو ان سے مزین کرکے سکون قلب محسوس کرتے ہیں اور لطف یہ کہ اس صنعت کو اس قدر فروغ حاصل ہے کہ قالینوں دریوں پر بستروں کی چادروں پر سرہانوں کے غلافوں پر میزپوشوں اور دروازوں پر لٹکے ہوئے پردوں پر جہاں نظر اُٹھے کوئی نہ کوئی تصویر اور مجسمہ سب سے پہلے اپنی جاذبیت کے پیش نظر دعوت نظارہ کے لئے پیش پیش ہوتا ہے اور یہاں تک محدود نہیں بلکہ زمان آئمہ میں بھی یہ صنعت موجود تھی اور گھروں کی دیواروں اور پردوں کو ان سے مزین کیا جاتا تھا چنانچہ شیخ انصاری اعلیٰ اللہ مقامہ نے تصویروں اور مجسموں کی حرمت پر استدلال کرتے ہوئے معصوم سے یہ حدیث بھی نقل فرمائی کہ آپ نے تزویق البیوت سے منع فرمایا جب آپ سے اس کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے تصاویر التماثیل اور محشی نے ذکر کیا ہے کہ بعض نسخوں میں تصاویر اور تماثیل دونو معرف باللام ہیں اور درمیان میں واو حرف عطف بھی داخل ہے یعنی تصویروں اور تمثیلوں سے گھروں کو مزین کرنے سے آپ نے منع فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویروں اور حیوانات کے مجسموں سے گھروں کو مزین کرنے کا رواج اس زمانہ میں تھا اور اس حدیث سے بھی تصویروں اور مجسموں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ گھروں کی تزئین کی ممانعت ظاہر ہے اور ہر گھر کی تزئین نہیں بلکہ ان گھروں کی تزئین جو عبادت کے لئے مقرر ہوں، چنانچہ دوسری حدیث میں اس کی قدرے وضاحت موجود ہے بروایت قرب الاسناد علی بن جعفر نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کی ہے کہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ جس مسجد میں تصاویر و تماثیل موجود ہوں اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تماثیل کے سر توڑ دو اور تصاویر میں سروں پر کوئی شئی مل دو کہ ان کا حلیہ بگڑ جائے، پس اس حدیث کے بعد سابق حدیث کے معنی کی وضاحت ہوگئی کہ جن گھروں میں نماز پڑھی جائے ان کو تصاویر و مجسموں سے مزین کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جو مثال بنائے یعنی مجسمہ تیار کرے وہ اسلام سے خارج ہے اولاً تو اس کا عطف ہے تجدید قبر پر اور تجدید قبر مکروہ ہے پس اس قرینہ سے مثال بنانا بھی مکروہ ہوگا، حدیث کے لفظ ہیں مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا اَوْ مَثَّلَ مِثَالاً فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ (یعنی جس نے قبر کی تجدید کی یا مثال ایجاد کی وہ اسلام سے خارج ہے اگر اس حدیث سے مجسمہ سازی کی حرمت ثابت کی جائے تو تجدید قبر کا معنی پرانی قبر کو نئے سرے سے بنانا نہ ہوگا بلکہ معنی یہ ہوگا جو شخص کسی مومن کو قتل کرکے ایک قبر کا نیا اضافہ کرے یا مجسمہ سازی سے کسی بت پرست کے شرک کی تائید کرے تو وہ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔ بنابریں وہ مجسمہ سازی حرام ہوگی جو لوگوں کی پرستش کے لئے معرضِ عمل میں آئے لہٰذا عام مصوری اور مجسمہ سازی حرام نہ ہوگی ۔ علاوہ ازیں بہت سی احادیث انصاری مرحوم نے مکاسب میں جمع فرمائی ہیں جن کی دلالت اثباتِ حرمت پر غیر تسلی بخش ہے۔ اور ان کے

مقابلہ میں ایسی احادیث بھی وارد ہیں جن سے ان کا ائمہ کے گھروں میں ہونا ثابت ہے پس اگر یہ صنعت مطلقاً حرام ہوتی تو ان کا آئمہ کے گھروں میں وجود نہ ہوتا۔ چنانچہ حدیث صحیح بروایت حلبی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں بعض اوقات نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو سامنے سرہانے پر پرندوں کی تماثیل ہوتی ہیں پس ان کو کپڑے سے ڈھانپ لیتا ہوں دوسری روایت میں علی بن جعفر سے منقول ہے میں نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر ہاتھ میں انگوٹھی ہو جس میں کسی پرندے یا درندے کی تمثال ہو تو کیا اس کو پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ گھر میں مچھلی یا پرندے کا اگر مجسمہ موجود ہو جس سے بچے کھیلتے ہوں تو اس کے ہوتے ہوئے گھر میں نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ اس کا سر توڑ کر حلیہ بدل نہ دیا جائے۔ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کھلونے کے طور پر مجسمے کا گھر میں ہونا حرام نہیں البتہ جس کمرے میں نماز پڑھی جائے اس میں یہ مجسمے نہیں ہونے چاہئیں۔ ایک روایت میں ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ سرہانے کی بستر کی چادر پر اگر جانوروں کی تصویریں موجود ہوں تو آپ نے فرمایا گھروں میں ایسی چیزوں کے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور فرمایا جس کو نیچے روندا اور کچلا جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ حدیث بھی اس امر کا صاف پتہ دیتی ہے کہ وہی مجسمے اور تصویریں حرام ہیں جو بغرض عبادت و احترام ایجاد کی جائیں اور اس میں بت پرستوں کے شرک کی تائید پائی جائے ورنہ یہ پہلو اگر موجود نہ ہو تو نہ ان کا بنانا حرام ہے اور نہ گھروں میں ان کا رکھنا حرام ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ابوبصیر نے سوال کیا کہ ہمارے تکیوں اور بچھانے کی چادروں پر تصویریں ہوا کرتی ہیں تو آپ نے فرمایا جو پاؤں کے نیچے رکھنے کے لئے ہوں ان کا کوئی حرج نہیں البتہ سر پر یا در دیوار پر ان کا نصب کرنا مکروہ ہے علاوہ ازیں اور احادیث بھی ہیں جن سے تصویروں اور عام مجسموں کے گھروں میں ہونے کی ممانعت نہیں ہے البتہ جن کمروں میں نماز ادا کی جاتی ہو ان کو تصویروں اور مجسموں بلکہ تمام ایسی چیزیں جو جاذب توجہ ہوں سے پاک و منزہ ہونا چاہیئے۔ اور تصویروں اور مجسموں سے بالخصوص اس کا خالی ہونا ضروری ہے تاکہ بت پرستوں اور مشرکوں سے تشابہ بھی لازم نہ آئے۔

پس اس ساری بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ تصویر کشی اور فوٹو گرافی حرام نہیں خواہ ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی۔ اسی طرح تصویر سایہ دار (مجسمہ بنانا) اگر غیر ذی روح کا ہو مثلاً درختوں کے نمونے اور پودوں کی مثالیں اور گلدستے وغیرہ خواہ کاغذی ہوں یا ربڑ و پلاسٹک کے ہوں ان کی صنعت کاری حرام نہیں ہے نیز ذی روح اشیاء کے مجسمے جو گڑیوں اور کھلونوں کی حیثیت تک محدود ہوں۔ ان کی حرمت کا ثابت کرنا بھی مشکل ہے لیکن بعض جانوروں پرندوں درندوں اور دیگر حیوانوں کے مجسمے جو صنعت کاری کے مظاہرے کے طور پر ہوں یا گھروں کی تزئین کے لئے ایجاد کئے گئے ہوں اگر اس سے صنم نوازی اور بت پرستی کی تائید و امداد مقصود نہ ہو اگرچہ دلیل حرمت کی زد میں نہیں آسکتے تاہم بت تراشی اور صنم سازی کی صنعت سے اسے الگ کرنا بھی مشکل ہے لہٰذا اس قسم کی صنعت اگر حرام نہیں تو اس کے خدا و رسول کی ناپسندیدہ و مکروہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جس طرح کہ بت پرستی کا پیش خیمہ ہونے اور غیر اللہ کی عبادت کی داعی ہونے کی صورت میں اس کی حُرمت میں شک نہیں ہے۔ بنابریں ایسے چاقو اور چھریاں جن کے دستے مچھلی کے مجسمے

کی شکل میں ہوں یا بعض برتن جو ظاہری طور پر نبع کا مجسمہ نظر آتے ہیں وغیرہ نہ ان کا بنانا حرام ہے اور نہ خرید کر گھر میں رکھنا حرام ہے البتہ ذی روح اشیاء کے مجسمے اور ان کی تصویریں اس مکان میں نہ ہوں جو عبادت کے لئے مخصوص ہو اور اگر نمازی کے مصلا کے سامنے کوئی تصویر یا فوٹو یا مجسمہ موجود ہو خواہ مکان کے اندر نماز پڑھے یا باہر صحن میں ہو اُس کو ڈھانپ دینا چاہیئے تاکہ بت پرستوں کی عبادت سے مشابہت نہ ہو جائے۔

**مسئلہ:** فوٹو گرافی کی صنعت فوٹو کھچوانا اس کا خریدنا اور گھر میں رکھنا حرام نہیں ہے۔

**مسئلہ:** عورتوں کے لئے فوٹو کھنچوانا اور اُسے منظر عام پر لانا حرام ہے لیکن تصویر کشی کے عنوان سے نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ امر اس کی پردہ داری کے خلاف ہے۔

**مسئلہ:** سابق وضاحت کے پیش نظر حج و زیارات کے پاسپورٹ حاصل کرنے کے لئے یا دیگر جائز اغراض کے پیش نظر عورت کے لئے فوٹو کھنچوانا حرام نہیں ہے۔

**مسئلہ:** عورتوں کے لئے اخبارات و رسائل میں اپنا فوٹو چھپوانا حرام ہے لیکن اخبارین و رسائل کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ان سے آنکھ بچانا واجب نہیں ہے۔

**مسئلہ:** مردوں کے فوٹو کی طرف نگاہ عورتوں کے لئے بھی حرام نہیں اگرچہ اُن مردوں سے پردہ کرنا واجب بھی ہو۔

**مسئلہ:** جہاں فوٹو لینا جائز ہے وہاں فوٹو کی اُجرت دینا بھی جائز ہے۔

**توضیح مزید:** جو علماء بالعموم مجسمہ کی حرمت کے قائل ہیں وہ حضرت سلیمان کے لئے قوم جن کی مجسمہ سازی کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ ذی روح کے نہیں بلکہ غیر ذی روح مثلاً اشجار وغیرہ کے نمونے تھے اور گذشتہ روایت جس میں ہے شیروں اور گدوں یا دیگر جانوروں کے مجسمے وہ بناتے تھے ان کے نزدیک ضعیف ہے۔ یا یہ کہ مجسمہ سازی شریعت محمدیہ میں حرام ہے حضرت سلیمانؑ بلکہ گذشتہ شرائع میں یہ صنعت حرام نہ تھی بنابریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندوں کے مجسمے بنانا بھی اسی تخصیص کے ماتحت اشکال سے بالاتر ہے۔ چنانچہ شیخ ابوالحسن شعرانی نے مجمع البیان کے حاشیہ پر فرمایا ہے کہ علامہ طبرسی کے نزدیک مجسمہ وہی حرام ہے جو عبادت کے لئے بنایا جائے علاوہ ازیں کسی مجسمے کا گھر میں رکھنا حرام نہیں اور نہ ان کی خرید و فروخت حرام ہے۔ کیونکہ اخبار کثیرہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے گھروں میں یہ چیزیں موجود تھیں اور آئمہ نے ان کو اس پر نہیں ٹوکا البتہ اس کمرہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جس میں یہ موجود ہوں اور جو قدموں کے نیچے آجائیں وہ مکروہ بھی نہیں ہیں اور یہ کہنا کہ آئمہ کے نزدیک ان کا بنانا حرام تھا اور گھر میں رکھنا جائز تھا قابل تسلیم نہیں ہے ہاں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مجسموں کی صنعت سے گریز کرنا چاہیئے۔

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ۔ جفان جَفْنَةٌ کی جمع ہے یعنی برتن اور رجواب جَابِيَة کی جمع ہے یعنی حوض۔ یعنی قوم جن کے کاریگر حضرت سلیمانؑ کے لئے حوض نما بڑے بڑے برتن تیار کرتے تھے، جن میں آپ کے لشکر کو کھانا کھلایا جاتا تھا کہ ایک ایک برتن میں بیک وقت ایک ہزار آدمی کھانا کھا سکتے تھے۔

وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کے لئے کھانا تیار کرنے کی دیگیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں کیونکہ وہ اس قدر بڑی ہوتی تھیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک ان کا لے جانا مشکل ہوتا تھا۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا: حضرت داؤد اور حضرت سلیمان پر مخصوص نعمات کے بیان کے بعد آل داؤد کو شکر کی دعوت دی کہ میری ان نعمات کو یاد کرو اور شکر بجا لاؤ۔ اس کے بعد عام بندوں کی بے شکری کا شکوہ ہے کہ احسان خداوندی کو یاد کرتے ہوئے شکر کرنا بہت تھوڑے آدمیوں کا شیوہ ہوتا ہے اور اکثریت ہمیشہ احسان فراموشوں کی ہوا کرتی ہے۔

## حضرت سلیمانؑ کی موت

فَلَمَّا قَضَیْنَا بروایت علل وعیون حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ خدا نے مجھے اس قدر سلطنت و حکومت عطا فرمائی ہے کہ میرے علاوہ اور کسی کو نصیب نہ ہو گی میرے لئے اللہ نے جن انسان ہوا پرند و وحوش مسخر کئے ہیں مجھے پرندوں کی زبانوں کا علم دیا گیا ہے اور اللہ نے مجھے ہر وہ شئی عطا فرمائی ہے جس کی میں ضرورت محسوس کروں اور باوجود اس عطائے عام کے مجھے ایک دن کے لئے بھی آرام وسکون نصیب نہیں ہوا میرا ارادہ ہے کہ کل داخل محل ہو کر اس کی منزل پر کھڑے ہو کر اپنے تمام ممالک کی سیر کروں لہذا پہرے کے انتظامات اس قدر سخت کئے جائیں کہ کسی کو مجھ تک پہنچنے کی اجازت نہ دی جائے تاکہ نہ میرے معائنے میں کمی ہو اور نہ آرام وسکون میں خلل ہو چنانچہ حسب الحکم انتظام پر کڑی نگرانی کی گئی اور آپ دوسرے روز عصا ہاتھ میں لئے محل کے بلند ترین مقام پر پہنچے پس عصا کے سہارے کھڑے ہو کر اپنی مملکت کی وسعت کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور ہر چہار سو تا حدِ نگاہ اپنی سلطنت کی کشادگی کا جائزہ لیتے ہوئے نہایت مسرور تھے کہ اچانک ایک خوش پوش و خوش وضع نوجوان سامنے نظر آیا جو ظاہراً محل کے ایک گوشے سے نکلا تھا۔ آپ نے اپنی تمام تر توجہات اس کی طرف مبذول کرتے ہوئے شاہانہ انداز سے فرمایا کہ اس محل میں داخل ہونے کی اجازت تجھے کس نے دی ہے جبکہ میں نے آج کا دن خلوت کے لئے مخصوص کیا تھا؟ اس جوان نے فوراً برملا جواب دیا کہ اس محل کے حقیقی مالک نے مجھے بھیجا ہے اور اسی کے اذن سے اس محل میں داخل ہوا ہوں پس آپ حقیقت حال کو سمجھ گئے اور فرمایا کہ بے شک اس کا حقیقی مالک مجھ سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ملک الموت ہوں آپ نے دریافت کیا کہ کس لئے آئے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں آپ نے فرمایا تم اپنا کام کرو میں نے یہ دن اپنی خوشی کے لئے مقرر کیا تھا لیکن اللہ کو میرے وصال کے علاوہ میری کوئی دنیاوی خوشی پسند نہیں ہے پس آپ عصا پر سہارا لئے کھڑے رہے اور ملک الموت

فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ

پس جب فیصلہ کیا ہم نے اسکی موت کا تو نہ کیا آگاہ انکو اسکی موت پر مگر زمین پر چلنے والی دیمک نے جس نے کھا لیا اسکے عصا کو پس جب

فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿۱۵﴾

وہ گرا تو پتہ چلا جنوں کو کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو ذلت آمیز تکلیف میں زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے رہتے۔

روح قبض کر کے چلا گیا۔ رعایا اُن کو زندہ سمجھتی رہی چنانچہ جب کافی عرصہ گذر گیا تو اعتقادی طور پر لوگوں کے تین گروہ ہو گئے ایک گروہ کہنے لگا کہ حضرت سلیمانؑ عصا کے سہارے پر اس قدر مدت سے کھڑے ہیں نہ ان کو تھکان ہوئی نہ بھوک نہ پیاس اور نہ نیند و آرام کی ضرورت ان کو محسوس ہوئی پس معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا لائق عبادت خدا یہی ہے دوسرے گروہ نے کہا کہ یہ جادوگر ہے اور ہماری نظروں کو فریب دیا گیا ہے کہ وہ اتنی مدت تک عصا کے سہارے کھڑا ہے حقیقت اس کے خلاف ہے۔ لیکن تیسرا گروہ جو مومنوں کا تھا انہوں نے کہا وہ اللہ کے عبد و برحق نبی ہیں اللہ خود اس کے بدن کی تدبیر کا مالک ہے پس خداوند کریم نے دیمک کو اس کے عصا کے کھانے پر مامور فرمایا جب عصا ٹوٹا اور حضرت سلیمانؑ کی لاش گری تو سب کو پتہ چلا کہ وہ بہت پہلے سے مر چکے تھے اسی لئے قوم جن اُسی دن سے دیمک کی ممنونِ احسان ہے اور دیمک جس جگہ بھی ہو جنات اس کے لئے مٹی اور پانی کا انتظام کرتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عادت تھی کہ بیت المقدس کی مسجد میں ایک سال دو سال یا ایک ماہ دو ماہ یا کم و بیش اعتکاف کیا کرتے تھے اور ان کے کھانے پینے کی اشیاء ان کو وہاں مہیا کی جاتی تھیں۔ پس شب و روز عبادتِ پروردگار میں مصروف رہتے تھے اور کھڑے ہو کر ذکر خداوندی میں شب و روز گذارتے تھے جب تھک جاتے تو عصا کا سہارا لے لیتے تھے اور عبادت خانے سے باہر بالکل نہ جاتے تھے۔ اور ان کی نیابت میں حضرت آصف بن برخیا نظام مملکت کی تدبیر کرتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے سامنے صبح کو ایک انگوری زمین سے نکلتی تھی اور آپ اس سے اس کا نام اور نفع و نقصان دریافت کرتے تھے ایک صبح کو جو انہوں نے پوچھا تو جواب ملا کہ میرا نام خرنوب ہے آپ نے فرمایا تو کس لئے ہے؟ تو اُس نے جواب دیا میں خراب ہونے (فنا ہونے) کے لئے ہوں تو آپ جان گئے کہ میری موت کا وقت قریب ہے پس اللہ سے دعا کی کہ اے پروردگار قومِ جن کو میری موت سے مطلع نہ کرنا تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ وہ غیب دان نہیں ہیں اور چونکہ مسجد کی تعمیر کے کام میں ابھی ایک سال باقی تھا پس اپنے گھر والوں کو بھی تنبیہ فرمائی کہ میری موت کی خبر کو عام نہ کرنا تاکہ تعمیری کام مکمل ہو جائے پس محراب عبادت میں پہنچے اور عصا کے سہارے پر ان کی موت آگئی۔ اور مرنے کے بعد ایک سال تک کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی پس بحکم خدا دیمک نے آپ کے عصا کو توڑا اور آپ کی لاش گری تو قوم جن کو آپ کی موت کی اطلاع ہوئی اور اب تک وہ اس لئے ان کو زندہ سمجھتے رہے کہ آپ اس سے پہلے بھی اپنی عبادت میں اس قدر قیام کو طول دیا کرتے تھے اور اس عرصے میں حضرت آصف بن برخیا نظام مملکت کے لئے آپ کے نائب کی حیثیت سے انچارج تھے ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے موت کی اطلاع دی تھی پس آپ غسل و حنوط کر کے اور کفن پہن کر داخل محراب ہوئے تھے اور جن اپنے کام میں مشغول تھے۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے وحی کی تھی کہ تیری موت اس وقت ہو گی جب بیت المقدس میں پودا اُگے گا۔ جس کا نام خرنوبہ ہو گا جب اس پودے کو دیکھا تو پوچھا تو کون ہے۔ الحدیث

بروایت ابوبصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ شیاطین نے حضرت سلیمانؑ کے حکم سے شیشے کا ایک محل گنبد نما تعمیر کیا تھا پس آپ اس میں کھڑے ہو کر ان کے کاروبار کا معائنہ فرماتے تھے اور رعایا کے ہر فرد کو نظر آ سکتے تھے۔ لیکن ان

تک کسی کی رسائی نہ ہو سکتی تھی جب اچانک ایک جوان کو اپنے قریب دیکھا تو پوچھا تم کون ہو؟ تو اس نے جواب دیا میں وہ ہوں جو نہ رشوت قبول کرتا ہوں اور نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہوں پس اسی شیشن محل میں عصا کے سہارے کھڑے ہوئے حضرت سلیمان کی روح کو قبض کر کے وہ چلا گیا اور ایک سال تک جن تعمیر میں مشغول رہے جب تعمیر کا کام تمام ہوا تو دیمک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا کو کھا لیا اور آپ کی موت کی خبر نشر ہو گئی۔

حضرت سلیمان کی قیام کی حالت میں موت چند فوائد سے خالی نہ تھی۔

(۱) تعمیر مسجد بیت المقدس کا کام زیر تکمیل تھا جو اس تدبیر سے مکمل ہو گیا۔

(۲) لوگ جنوں کے متعلق غیب دانی کا عقیدہ رکھتے تھے پس اس طریقہ سے ان کے غلط عقیدہ کی نفی ہو گئی۔

**(۳) اس میں پروردگار کی طرف سے تنبیہ تھی کہ موت کا وقت کسی سے ٹل نہیں سکتا خواہ دنیاوی طور پر کتنی ہی عظمت کا مالک ہو۔**

مِنْسَاْتَهٗ: نَسَاْتُ سے ہے جس کا معنی ہے ہانکنا یہ اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے چرواہا ریوڑ کو ہانکتا ہے۔ اہل تاریخ سے حضرت سلیمان کی عمر ترپن ۵۳ برس منقول ہے کہ ۱۳ برس کی عمر سریر آرائے مملکت ہوئے اور چالیس برس حکومت کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے اور بروایت اکمال حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی عمر کل سات سو بارہ ۷۱۲ برس تھی۔

تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ:- اس کے تین معانی ہو سکتے ہیں۔ (۱) جن جو اپنے متعلق غیب دانی کا وہم رکھتے تھے حضرت سلیمانؑ کی موت کے واقعہ سے ان کو غلط فہمی کا علم ہو گیا کہ ہم علم غیب نہیں رکھتے ورنہ سال برابر اس مشقت شاقہ میں کیوں پڑے رہتے (۲) جنوں میں سے جو اکابر و رؤسا تھے وہ چھوٹے اور غریب طبقہ کو یہ باور کراتے تھے کہ ہم غیب کا علم رکھتے ہیں پس حضرت سلیمانؑ کی موت کی خبر کے بعد جنوں کے غریب طبقہ کو علم ہو گیا کہ قوم جن اگر غیب دان ہوتی تو اتنے عرصہ تک غلط فہمی کا شکار نہ ہوتی (۳) اس کا فاعل انسان ہیں جو پہلے یہ سمجھتے تھے کہ جنوں کو غیب کا علم ہوتا ہے اب حضرت سلیمانؑ کی موت کے بعد ان پر یہ راز کھلا کہ یہ علم غیب جانتے ہوتے تو اتنے عرصہ تک مشقت شدیدہ میں نہ پڑے رہتے اس صورت میں اَنْ لَّوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ بدل اشتمال ہے اَلْجِنُّ سے جس طرح سُلِبَ زَیْدٌ ثَوْبُهٗ:- یعنی جب حضرت سلیمانؑ کی لاش گری تو واضح ہو گئی جنوں کے متعلق یہ بات کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو تکلیف میں نہ پڑے رہتے اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی قرأت اس طرح منقول ہے فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْاِنْسُ اَنَّ الْجِنَّ لَوْ کَانُوْا الخ

## قوم سبا کا واقعہ

سبا ابن یشجب بن یعرب بن قحطان کے دس بیٹے تھے۔ الخ

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ ۥ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ

تحقیق تھی قوم سبا کے لئے انکی رہائش گاہ میں نشانی (توحید کی) دو باغ دائیں اور بائیں کہ کھاؤ اپنے پروردگار کے رزق سے اور

وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۶﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ

اس کا شکر بجا لاؤ شہر پاکیزہ ہے اور رب بخشنے والا ہے پس انہوں نے منہ موڑا تو ہم نے بھیجا ان پر سیلاب عرم کا

یمن سے چھ یمن میں آباد ہوئے اور چار شام میں۔ یمنیوں کے نام یہ ہیں (۱) ازد (۲) کندہ (۳) مذحج (۴) اشعرون (۵) انمار (۶) حمیر اور انمار کی دو شاخیں ہیں خثعم اور بجیلہ اور شام میں آباد ہونے والوں کے نام یہ ہیں (۱) عاملہ (۲) خدام (۳) لخم (۴) غسان۔ آیت مجیدہ میں سبا سے مراد اولاد سبا ہے جو یمن میں آباد تھی ان کی سکونت صنعاء سے تین دن کے سفر کے فاصلہ پر تھی اور اس جگہ کا نام مارب تھا۔ "اٰیَةٌ" یعنی قوم سبا پر اللہ کا بڑا احسان تھا جہاں وہ آباد تھے ان کے دائیں بائیں میوہ جات کے باغات تھے اور اس میں توحید پروردگار کی عظیم نشانی تھی اور "جَنَّتَانِ" بدل ہے "اٰیَةٌ" سے اور اس جگہ صرف دو باغ مراد نہیں بلکہ انکی آبادی کے دو طرفہ باغ مراد ہیں اور ان کی تیرہ بستیاں ایک دوسری سے متصل تھیں کہ ہر ایک بستی میں اللہ کی طرف سے ان کو ہدایت پر مامور ایک ایک نبی بھی موجود تھا۔ باغات و میوہ جات کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی عورت ایک بستی سے دوسری بستی تک ٹوکری سر پر رکھ کر سفر کرتی تو پکے پھلوں کے گرنے کی وجہ سے منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے اس کی ٹوکری میوہ جات سے پُر ہو جاتی تھی اور اپنے ہاتھ سے میوہ توڑنے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اور مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اُن لوگوں پر اللہ کا یہ فضل و کرم بھی تھا کہ اُن کی آبادیوں میں مچھر پسو مکھی بچھو اور سانپ وغیرہ موذی حشرات الارض کا نام و نشان تک نہ تھا حتیٰ کہ اگر کوئی مسافر ان کے ہاں وارد ہوتا جس کے جسم یا لباس میں مچھر وغیرہ ہوتے تو اس آب و ہوا کی وجہ سے وہ مچھر پسو وغیرہ مر جاتے ان کے باغات میں مختلف اقسام کے لذیذ ترین میوہ جات کے درخت تھے۔ ان کو

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

اور ہم نے ان کو دو باغوں کے بدلہ میں دیئے دو باغ پھلدار "پیلو" "کیکر" اور کچھ تھوڑی سی بیری

قَلِيْلٍ ۝۱۷ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝۱۸ وَجَعَلْنَا

یہ ہم نے ان کو جزا دی بوجہ کفر کے اور ہم ایسی جزا نہیں دیتے مگر کافروں کو اور کر دیا ہم نے انکے

بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا

اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے متصل بستیاں اور ہم نے ایک اندازے کا ان میں (فاصلہ) سفر رکھا کہ

فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝۱۹ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا

ان میں سفر کرو رات اور دن با امن پس انہوں نے کہا اے ہمارے رب دور کر (فاصلہ) ہمارے سفروں کے درمیان

اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اور انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا پس کر دیا ہم نے ان کو ضرب المثل اور ہم نے انکو ایک دوسرے سے پوری طرح جدا

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۲۰ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا

کر دیا تحقیق ان میں نشانیاں ہیں صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے اور تحقیق سچا پایا ان پر ابلیس نے اپنے گمان کو پس انہوں نے اسکی پیروی کی سوائے تھوڑے

خدا کی طرف سے پیغام دیا گیا کہ اپنے پروردگار کا عطا کردہ رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ "بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ" یعنی ہر شہر کے نبی نے شہر والوں سے یہ کہا کہ تمہاری رہائش گاہ بھی پاکیزہ ہے اور پروردگار بھی مہربان ہے لہذا کھاؤ پیو اور اس کا شکر بجالاؤ۔ بلدہ طیبہ سے مراد سر سبز و شاداب جس کی زمین زرخیز و شیریں ہو موذی جانوروں سے محفوظ ہو مٹی صحت افزا پانی لذیذ و عمدہ آب و ہوا نہایت خوشگوار

نہ گرمی تکلیف دہ اور نہ سردی جان لیوا گویا یہ لوگ ہر طرح سے پُرامن و پُرسکون تھے۔

فَاَعْرَضُوْا :- ان لوگوں نے نعمات کی بہتات سے غلط رویہ اختیار کر لیا، شکر کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت پر اُتر آئے اور کثرتِ دولت و مال سے وہ متکبر و سرکش ہوگئے۔ پس انبیاء کی دعوتِ حق کو ٹھکرا کر زوالِ نعمت کے مستحق ہوگئے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ کہتے ہیں کہ قوم سبا کی آبادیوں میں پانی علاقہ یمن کی وادیوں سے آیا کرتا تھا اور بارشی پانی ہر طرف سے بہہ کر وہاں اکٹھا ہوتا تھا وہاں دو پہاڑ تھے جن کے درمیان سے پانی گزر کر ان کی سیرابی کرتا تھا پس ان لوگوں نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک محکم و مضبوط بند تعمیر کیا ہوا تھا کہ کثرتِ باراں سے پانی طوفانی شکل نہ اختیار کر لے بلکہ زائد از ضرورت پانی بند کی وجہ سے ایک جھیل کی شکل میں محفوظ رہے: تاکہ لوگ حسبِ ضرورت اُس بند سے ایک مناسب شگاف کے ذریعے اپنی کھیتوں اور باغات کی سیرابی کر لیا کریں۔ جب ان لوگوں کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور انبیاء کی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو خدا نے وہی جمع شدہ پانی بطورِ عذاب بنا کر ان کی طرف بھیج دیا۔

سَیْلَ الْعَرِمِ :- عَرِم کے معانی میں چند اقوال ہے (۱) عرم اس وادی کا نام تھا جس میں ہر طرف سے بارشی پانی جمع ہو جاتا تھا۔ (۲) عرم اس چوہے کا نام ہے جس نے اس بند میں سوراخ کیا تھا، کہ پانی کے بہاؤ نے اس کو وسعت دی اور قوم سبا پر طوفانی عذاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا (۳) عرم کا معنی سخت بارش یعنی ان کو بے شکری کی سزا دینے کے لئے اللہ نے بارش کثرت سے نازل کی پس پانی اس بند کے اندر اس قدر جمع ہوا کہ اس کے دباؤ کے سامنے وہ مضبوط بند نہ ٹھہر سکا پس عذاب کا سیلاب بن کر اس نے قوم سبا کی آبادیوں کو ویرانوں میں اور عمدہ پھلدار باغات کو بیریوں کیکروں اور خاردار جھاڑیوں کے جنگلات میں تبدیل کر دیا (۴) تفسیر مقتنیات الدلطہ میں ابن الاعرابی کا قول ہے کہ عرم اس سیلاب کو کہا جاتا ہے جس پر قابو نہ پایا جا سکے بہرکیف وہ بند جو پانی کی روک تھام کیلئے تعمیر کیا گیا تھا وہ تاریخ عرب میں سدِّ مارب کے نام سے موسوم ہے اور قوم سبا پر آنے والا طوفان سیل عرم کہلاتا ہے۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اُن کے لشکر نے وہ بند تعمیر کیا تھا پس پانی ایک بہت بڑی جھیل میں جمع ہو جاتا تھا اور وہ بند چونے اور پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا اور اس بند سے پانی نکالنے کے راستے رکھے گئے تھے جو حسبِ ضرورت ان کے باغات اور کھیتوں کے سیراب کرنے میں مدد دیتے تھے اور دو باغوں سے مراد دو طرفہ باغات ہیں یعنی جب چلنے والا ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتا تھا تو میلوں تک اس کے دونو طرف باغات ہوتے تھے۔ اور دس روز کی مسافت تک یہی سلسلہ تھا کہ متواتر سفر کرنے والا موسم گرما میں دھوپ کی تکلیف نہ دیکھتا تھا پس جب ان لوگوں نے بدکاریاں شروع کیں اور خدائی احکام کے سامنے سرکشی کا مظاہرہ کیا اور نیک لوگوں کے منع کرنے پر بھی وہ باز نہ آئے تو اللہ نے اس بند کو کمزور کرنے کے لئے چوہے بھیج دیئے کہ اُنہوں نے جگہ جگہ سے بند میں سوراخ کر دیئے حتیٰ کہ بڑی بڑی چٹانوں کے نیچے سے اُنہوں نے مٹی ہٹا کر کھوکھلا کر دیا اور وہ گرنا شروع ہوگئیں بعض لوگ اس صورتِ حال سے خوفزدہ ہو کر گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے آخر کار جب بند ٹوٹا اور پانی سیلاب بن کر آیا تو نہ کوئی گھر اس کی زد سے بچ سکا اور نہ کوئی درخت محفوظ رہا جب پانی

خشک ہوا تو تمام آبادیاں اُجاڑ اور چٹیل میدانوں میں تبدیل ہو چکی تھیں اور سابق میوہ دار درختوں کی جگہ پیلو کیکر بیری اور دیگر خاردار درختوں نے لے لی تھی اور دو طرفہ باغات کی جگہ دو طرفہ طویل و عریض گھنے جنگلات نے لے لی تھی جن میں بیر پیلو اور کیکر کی پھلیوں کے علاوہ اور کوئی پھل نہ تھا۔

ذَوَاتَیْ اُکُلٍ: یعنی یہ جنگلوں کے باغات (جو پھلوں کے باغات کے بدلہ میں پیدا ہوئے) پھلدار تھے اور اُکل کا ہر درخت کے پھل پر اطلاق ہو سکتا ہے اور خمط کا معنی پیلو بھی کیا گیا ہے اور اثل کا معنی خاردار جھاڑی بھی کیا گیا ہے اور اثل کا معنی کیکر یا دوسرا کوئی خاردار درخت کیا گیا ہے۔ پس زیادہ تر نئے پیدا ہونے والے درخت ان دو قسموں میں سے تھے اور کہیں کہیں بیری کے درخت بھی تھے۔

عمرو بن عامر جس کی ماں کا نام ماء السماء مشہور ہے کو اس زمانہ کی کاہنہ طریفہ نے پیغام بھجوایا کہ میرے علم کہانت نے مجھے خبر دی ہے کہ سد مارب میں شگاف پڑنے والا ہے پس عنقریب سیل عرم کے ذریعے تمام آبادیاں باغات اور اموال تباہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس شخص نے اپنی املاک کو فوری طور پر فروخت کر دیا اور وہاں سے کوچ کر کے مکہ میں آکر آباد ہو گیا اور اس کا قبیلہ بھی اس کے ہمراہ مکہ میں اور اس کے گرد و نواح میں قیام پذیر ہوا۔ اس جگہ پہنچنے پر ان کو بخار کی شکایت ہوئی حالانکہ اس سے پہلے ان کو یہ تکلیف کبھی نہ پہنچی تھی تو انہوں نے طریفہ کاہنہ کو بلوایا اور اس کے سامنے اپنی شکایت پیش کی اس نے جواب دیا کہ میں بھی اس تکلیف میں مبتلا ہوں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم میں ہمیشہ کے لئے جدائی واقع ہونے والی ہے انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے تو طریفہ نے کہا کہ جو لوگ بلند ہمت اور محنت کش ہوں نیز عمدہ سواریوں اور زاد راہ کا انتظام رکھتے ہوں تو وہ عمان چلے جائیں (چنانچہ قبیلہ ازد عمان جا آباد ہوا) جو لوگ جفاکش دلیر اور مصائب و مشکلات میں صبر و استقلال کے مالک ہوں وہ بطن مر (اس کا موجودہ نام معلوم نہیں) چلے جائیں (چنانچہ قبیلہ خزاعہ وہاں جا آباد ہوا) جو لوگ پہاڑ کے دامن میں رہتے ہوئے زمانۂ قحط میں بھی شکم پری کے خواہشمند ہوں وہ یثرب (مدینہ طیبہ) چلے جائیں جہاں کھجور کی پیداوار عام ہے (اوس اور خزرج وہاں جا آباد ہوئے) جو لوگ شراب نوشی عیش کوشی اور خوش پوشی کے خواہشمند ہوں وہ علاقہ شام چلے جائیں (چنانچہ وہاں آل جفنہ بن غسان آباد ہوئی) اور آخر میں اس نے کہا کہ جو لوگ باریک لباس عمدہ گھوڑے اور رزق وافر کے خواہاں ہوں اور خون خرابے سے نہ گھبرائیں تو ان کے لئے زمین عراق موزوں ہے چنانچہ آل جذیمہ ابرش اور آل محرق وہاں جا کر آباد ہوئی۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ: یعنی علاقہ یمن جہاں یہ لوگ آباد تھے اور علاقہ شام وارد ان جو عمدہ پانی و کثرت باغات کی وجہ سے بابرکت خطہ ہے ان دونوں علاقوں کے درمیان سینکڑوں میلوں کا راستہ غیر آباد نہیں تھا بلکہ سارے کا سارا علاقہ آباد و شاداب تھا اور یہاں سے وہاں تک متصل آبادی تھی اور ایک آبادی سے دوسری آبادی کا فاصلہ بہت کم تھا چنانچہ وہ لوگ جب بغرض تجارت شام جاتے تھے تو راستہ میں نہ چور ڈاکوؤں کا خطرہ ان کو لاحق ہوتا اور نہ زاد راہ کو ساتھ رکھنے کی حاجت ہوتی تھی پس ایک بستی میں رات گزارتے تو دوپہر کا آرام اگلی بستی میں جا کرتے تھے اور ملک سبا سے ملک شام تک مسلسل آبادیوں کی وجہ سے ان کا سفر

نہایت پُرامن و پُرسکون ہوتا تھا اور ایک بستی سے دوسری بستی تک کا فاصلہ تقریباً برابر تھا یعنی آدھے دن کی مسافت تھی۔ اور قَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ کی یہی تفسیر کی گئی ہے کہ ہم نے ان بستیوں میں مسافت ایک اندازے سے مقرر کی کہ ہر دو بستیوں کے درمیان کا فاصلہ ایک جیسا تھا اور ایک بستی سے دوسری بستی کے درخت و آثار نظر آسکتے تھے پس وہ بستیاں ایک دوسری کے سامنے ظاہر تھیں اور قُرًى ظَاهِرَةً کی یہی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ یعنی اسباب فراہم تھے اور مواقع دستیاب تھے کہ دن یا رات کو پُرامن سفر کر سکتے تھے۔ بھوک پیاس درندے چور ڈاکو اور تھکان وکوفت وغیرہ کے خطرات سے قطعی طور پر وہ محفوظ تھے۔ گویا نعماتِ پروردگار کی فراوانی صرف ان کے وطن کی رہائش تک محدود نہ تھی بلکہ ان کا گھر بھی پروردگار کی جانب سے نعمت کدہ تھا۔ اور ان کا سفر بھی اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں سے بھرپور تھا۔ اس آیت مجیدہ کی باطنی تفسیر کے متعلق مختصر سا نوٹ مقدمہ تفسیر انوار النجف صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا یعنی ان لوگوں نے خدا کی عطا کردہ نعمات کی کوئی قدر نہ کی بلکہ کفرانِ نعمت ان کا شیوہ بن گیا پس ان متصل آبادیوں اور پُرامن سفر کے بجائے انہوں نے آبادیوں کا دُور دُور ہونا اور سفروں کا لمبا اور بامشقت ہونا پسند کیا۔ یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ کی مفت و بے مشقت حاصل ہونے والی غذا سے منہ موڑتے ہوئے اپنے لئے دالیں پیاز اور زمینی سبزیوں کے لئے خواہش کی تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حال کی ترجمانی ہو یعنی ان لوگوں کی حالتِ کفر و بے شکری اور خدا کی نافرمانی نے زوالِ نعمت کو دعوت دی فَقَالُوا کا معنی یہ ہوگا کہ ان کے بداعمالیوں اور سرکشیوں نے زوالِ نعمت کی خواہش کی اور اللہ سے مطالبہ کیا کہ درمیانی آبادیاں ہٹا دی جائیں اور سفر لمبے اور بامشقت کر دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (۱۹) پس ملک سبا سے ملک شام تک کی تمام آبادیاں ویرانوں سے بدل گئیں اور درمیان میں لمبے چوڑے جنگلات اور دشوار گزار وادیاں حائل ہو گئیں اور ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ کا فقرہ بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ ان کی بداعمالیاں اور بدکرداریاں ہی زوالِ نعمت کی موجب نہیں اور گویا ان کے اعمالِ ناشائستہ اور ناسپاس گزاری نے ہی زوالِ نعمت کو دعوت دی۔

فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ۔ یعنی ناشکر گزاری اور نافرمانی کی وجہ سے ہم نے ان کی نعمات ان سے سلب کر لیں اور ان کی آبادیاں کو ویرانوں سے اور ان کے باغات کو خاردار جھاڑیوں سے بدل دیا اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا اور اس طرح جدائی ان کے درمیان ڈالی کہ آپس میں مل بیٹھنے کی توقعات ہی ختم ہو گئیں چنانچہ غسان شام کی طرف انمار یثرب کی جانب جذام تہامہ اور ازد عمان کے نواح میں اور آل خزیمہ ارض عراق کی طرف منتقل ہو گئے اور ایسے متفرق ہوئے کہ بعد والوں کے لئے ان کے تذکرے صرف باتیں ہی باتیں ہیں جو سننے والوں کے لئے باعث عبرت و نصیحت ہیں۔ چنانچہ عربوں میں یہ زبان زدِ عوام ہو گئی یہ ضرب المثل۔ تَفَرَّقُوا أَيَادِيَ سَبَا یعنی فلاں قوم اس طرح آپس میں جدا ہوئی جس طرح قوم سبا کی نعمات ان سے جدا ہوئی تھیں

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ۔ یعنی قوم سبا کی نعمات کے زوال میں ہر صبّار و شکور آدمی کے لئے نصیحت و عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یعنی ان کے واقعات بعد والوں کے لئے تازیانۂ عبرت اور مہمیز نصیحت ہیں۔ اس مقام پر صبّار کا معنی کیا گیا ہے گناہوں سے اپنے نفس کو

یعنی اسے ردّ کرنے والا اور اس پر ثابت قدم رہنے والا اور شکور کا معنی ہے اطاعت و فرمان برداری کے ذریعے سے نعماتِ خداوندی کا شکر ادا کرنے والا۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے سجدہ سے انکار کے بعد جب شیطان نے اپنی غلطی پر پشیمان ہونے کے بجائے اُسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی تو خدا نے اُسے رجیم کا خطاب دے کر بارگاہِ عزت و جلال سے خارج ہونے کا حکم دے دیا پس اس کے دل میں حسد و کدورت کی آگ روشن ہوئی اور انسان دشمنی کو اس نے اپنا نصب العین قرار دے دیا پس اللہ کے سامنے جرأت و جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بدباطنی کا یوں اظہار کیا لَأُغْوِيَنَّهُمْ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ میں اولادِ آدم کو راہِ حق سے بھٹکاؤں گا اور ان کو ضرور گمراہ کروں گا۔ اور اُس کا یہ اعلان کسی علم کی بنا پر نہ تھا بلکہ ظنی نظریہ کو اُس نے حتمی رنگ میں پیش کیا تھا۔ لیکن جب اولادِ آدم نے اُس کی اتباع شروع کی تو انہوں نے شیطان کے ظنی فیصلہ کی تصدیق کر دی۔ چنانچہ شیطانی ظن کی تصدیق کرنے والوں میں قوم سبا بھی تھی۔ اور جو قوم یا شخص انبیاء کی تبلیغ کو ٹھکرا کر دینی تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے نعمات خداوندی کا مقابلہ کفران سے کرے وہ شیطان کے ظن اور اس کی پیشین گوئی کی تصدیق کرنے والوں سے ہے چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ روزِ غدیر جب حضرت رسالتمآبؐ نے علیؑ کا بازو پکڑا اور بلند کر کے مَنْ كُنْتُ الخ کا اعلان کیا تو ابلیس کی فوج ایک جگہ جمع ہوئی اور ابلیس نے ان کو اپنی شیطانی چالوں اور گمراہ کن پالیسیوں کے ناکام ہونے کے خطرے سے آگاہ کیا کہ اگر پیغمبر کی یہ وصیت کامیاب ہو گئی تو ہم یقیناً ناکامی کا منہ دیکھیں گے لیکن جب منافقوں نے باہمی سرگوشیوں میں اپنی بدباطنیوں کا اظہار کیا کسی نے کہا پیغمبر کا یہ اعلان خواہش پرستی کے سوا کچھ نہیں اور کسی نے کہا یہ دیوانہ ہے تو ابلیس کی ڈھارس بندھ گئی اور کہنے لگا اب مجھے تسلی ہے کہ ہمارا مشن کامیاب ہو گا اور پیغمبر کی وصیت پر عمل کرنے والے کم ہوں گے چنانچہ جب وفات پیغمبر کے بعد لوگوں نے علیؑ سے مکمل طور پر منہ موڑ لیا تو ابلیس نے پھر ایک خوشی کی تقریب مناتے ہوئے عالیشان منبر پر بیٹھ کر اپنے مریدوں کے اجتماعِ عظیم سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہمارا مشن کامیاب ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ الخ

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ

مومنوں کے ۔ اور اسکو ان پر کوئی غلبہ حاصل نہ تھا ہاں اس لئے تاکہ ہم الگ کر لیں ان کو جو آخرت

بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۲۲﴾ ع ۸

پر ایمان رکھتے ہیں ان سے جو اس کے متعلق شک میں ہیں اور تیرا پروردگار ہر شے کا محافظ ہے

وَمَا كَانَ ۔ یعنی ابلیس کو انسانوں پر کوئی غلبہ یا طاقت نہیں دی گئی بلکہ انسان اپنی مرضی سے ہی اس کی پیروی پر کمربستہ ہو گئے اور اللہ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے کھلی چھٹی اس لئے دے رکھی ہے تاکہ مومن اور غیر مومن کی تمیز ہو جائے۔ پس جو جنت میں جائے گا تو ایمان و عمل کی بدولت استحقاق پیدا کرے اور جو جہنم میں جائے وہ بھی اپنے اختیار و عمل سے

ہی کی سزا کا مستحق ہو۔ لنعلم کا یہ معنی نہیں کہ شیطان کی گمراہی پر ہی اللہ کا علم موقوف ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کو تو پہلے سے پتہ ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمام مخلوق کے سامنے اس کا جنت یا دوزخ کے لئے استحقاق واضح ہو جائے۔ جس طرح قبلہ کی تحویل کے حکم کی علت بھی یہی بیان فرمائی کہ ہم نے خواہش نفس پر چلنے والوں اور پیغمبر کی اطاعت کرنے والوں کو الگ الگ کرنے کے لئے تحویل قبلہ کا حکم دیا۔

رکوع ۹ قل ادعوا۔ مشرکین سے خطاب ہے کہ جن کو تم نے اللہ کے علاوہ حاجت روا اور لائق پرستش تجویز کر رکھا ہے بوقت مشکل ذرا ان کو بلاؤ تو سہی اور پھر دیکھو کہ وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں پس تم کو اس طرح پتہ چل جائے گا کہ آسمانوں اور زمین میں وہ ایک ذرہ کے برابر بھی ملکیت اور حق تصرف نہیں رکھتے اور نہ پوری کائنات میں اللہ کے ساتھ ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ وہ اس سارے نظام عالم کی تخلیق و تدبیر میں اللہ کے مددگار ہیں۔

لا تنفع یعنی بروز محشر کسی کی کوئی سفارش نفع مند نہ ہوگی سوائے ان کے جو اللہ کی طرف سے ماذون ہوں گے تفسیر برہان میں متعدد احادیث شفاعت کے متعلق وارد ہیں کہ حضرت رسالتمآب باذن پروردگار

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ

کہدو کہ اللہ کے سوا بلاؤ ان کو جن کے متعلق تمہارا گمان ہے (کہ کچھ کر سکتے ہیں) وہ تو آسمانوں اور زمین کے اندر ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں

وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٣﴾ وَلَا

ہیں اور نہ ان کا ان میں کچھ حصہ ہے اور نہ اس کا ان میں سے کوئی معاون ہے اور اس کے سامنے

تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ

سفارش بھی کسی کی نفع مند نہ ہوگی مگر وہ جس کو وہ اذن دے یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور کی جائیگی ان کے دلوں سے تو فرشتے ان کو

رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٤﴾ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمٰوٰتِ

کہیں گے کہ تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ (تو مشرک) جواب دیں گے کہ حق (یعنی اللہ نے حق کہا ہے) اور وہ بلند و بزرگ ہے۔ کہدو کہ کون ہے

وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٥﴾ قُل لَّا

جو تمکو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے کہدو کہ اللہ (رزق دیتا ہے)۔ اور ہم یا تم میں سے ہر ایک فریق ہدایت پر یا کھلی ہوئی گمراہی میں ہے

تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٦﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا

کہدو کہ تم سے سوال نہ کیا جائیگا اسکا جو ہم غلطی کریں گے اور نہ ہم سے پوچھا جائیگا جو کچھ تم کرتے ہو کہدو جمع کرے گا ہم سب کو ہمارا رب

ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٧﴾ قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ

پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق کا اور وہ فیصلہ کرنے والا دانا ہے کہدو مجھے دکھاؤ وہ جن کو تم نے اللہ کے ساتھ

أَلْحَقْتُم بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٨﴾ وَمَا

ملا دیا ہے بحیثیت شریک کے ہرگز اس کا کوئی شریک نہیں ہے بلکہ وہ اللہ غالب حکمت والا ہے اور نہیں

اپنی امت کی شفاعت کریں گے اور حضرت علیؑ سے حضرت مہدیؑ تک تمام آئمہ اپنے شیعوں کی شفاعت کریں گے اسی طرح باقی انبیاء کو بھی حق شفاعت حاصل ہوگا اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک ایک مومن بھی ربیعہ و مضر کے قبائل کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔

اِذَا فُزِّعَ: تفزیع سے ہے جس کا معنی ہے گھبراہٹ کا دور کرنا یعنی جب دربار خداوندی میں حاضری کے وقت خطاب پروردگار کو سننے کے لئے ان سے گھبراہٹ کو دور کیا جائے گا اور وہ بات سننے اور سمجھنے کے قابل ہوں گے تو فرشتے اُن سے پوچھیں گے کہ اللہ نے تمہیں کیا کہا ہے تو وہ بہوش و حواس جواب دیں گے کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے واقعی ہمارا اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا حاجت روا اور لائق عبادت ماننا بالکل ناجائز اور غلط تھا۔

اِنَّا اَوْ اِيَّاكُمْ: یہ طرز کلام جاذبیت کے لئے ہے اور دعوت فکر کا بہترین طریق کار ہے کیونکہ جب یہ کہا جائے تم اور ہم میں سے ایک گروہ غلطی پر ہے اور دوسرا صحیح ہے تو دلائل و براہین میں غور کرنے کے بعد فریق غلط کو قبول حق کا راستہ آسانی سے مل جاتا ہے بخلاف اس کے جب یہ کہا جائے "ہم صحیح ہیں اور تمہارا نظریہ بالکل غلط ہے" تو فریق مخالف کے دلوں میں ضد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے پس وہ سوچنے اور سمجھنے کی توفیق سے محروم ہو کر حق بات سننے اور قبول کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔

كَآفَّةً لِّلنَّاسِ: اس کی دو ترکیبیں کی گئی ہیں ایک یہ کہ اَرْسَلْنٰكَ کی ضمیر خطاب سے حال ہے اور كَفَّ يَكُفُّ سے اسم فاعل ہے اور تاء مبالغہ کے لئے ہے یعنی ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ لوگوں کو برائیوں سے روکے اور دوسری ترکیب اس طرح ہوگی کہ عبارت میں تقدم و تاخر ہے یعنی اصل میں لِلنَّاسِ كَآفَّةً تھا یعنی ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے گویا كَآفَّةً ناس سے حال ہے اور تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابن عباس حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ مجھے پانچ چیزیں بالخصوص عطا کی گئیں اور یہ بڑائی کی بات نہیں (۱) میں ہر سیاہ و سفید کی طرف مبعوث ہوا ہوں (۲) میرے لئے پوری روئے زمین جائے طہارت اور جائے سجدہ قرار دی گئی ہے (۳) میرے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے حالانکہ

اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۲۹)

ہم نے تجھے بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۳۰) قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ

کہتے ہیں کہ کب ہوگا وہ وعدہ (جو تم کرتے ہو) اگر تم سچے ہو؟ کہدو تمہارے لئے وعدے

يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ (۳۱) ع

کا ایک دن مقرر ہے کہ نہ اس سے ایک گھنٹہ دیر کر سکو گے اور نہ اس سے سبقت کر سکو گے

مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا (۴) میری رعب سے نصرت کی گئی ہے کہ وہ ایک مہینے کی مسافت کے فاصلہ پہ میرے آگے آگے چلتا ہے یعنی جس طرف میرا رخ ہو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلے تک لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں (۵) اور مجھے اللہ نے حق شفاعت عطا فرمایا ہے جو میں نے بروز محشر اپنی اُمت کے لئے بچا رکھا ہے تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ حضور کو مشرق و مغرب آسمان و زمین اور جن و الانس تمام کے لئے مبعوث کیا گیا تھا اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا معنی بھی اسی توجیہ سے مطابقت رکھتا ہے۔

مِّيْعَادُ يَوْمٍ یا تو اس سے مراد قیامت کی پیشی کا دن ہے اور یا موت کا معین دن مراد ہے جو نہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ اسے پیچھے ہٹایا جا سکتا ہے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ

اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے اس قرآن پر اور نہ اس پر جو اس سے پہلے ہے (تورات) اور اگر تم

تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ

دیکھو جب ظالم لوگ ٹھہرائے جائیں گے اپنے رب کے سامنے کہ ان کے بعض دوسرے بعض کی بات کو رد کریں گے۔

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱

کہیں گے وہ لوگ جو کمزور تھے اُن کو جو بڑے آدمی تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى

(اُن کے جواب میں) بڑے آدمی کہیں گے کمزوروں کو کیا ہم نے تم کو ہدایت قبول کرنے سے روکا تھا

بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ

جب تمہارے پاس پہنچی بلکہ تم خود مجرم تھے اور (ان کی رد میں) کہیں گے کمزور بڑے لوگوں سے

اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ

بلکہ تمہارے شب و روز کے فریب (ہمیں ہدایت سے روکتے تھے)، جبکہ تم ہمیں حکم دیتے تھے تاکہ ہم اللہ کا کفر کریں اور اس کے لئے

اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ

شریک بنائیں اور اپنی ندامت کو وہ چھپائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو اور ڈالیں گے ہم زنجیریں ان کی گردنوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا

میں جو کافر تھے وہ نہیں بدلہ دیئے جائیں مگر اس کا جو وہ عمل کرتے تھے اور ہم نے نہیں بھیجا

رکوع ۱۰ قَالَ الَّذِيْنَ، بعض کہتے ہیں کہ ان سے مراد یہودی ہیں اور بعض کہتے ہیں ان سے مراد مشرکین ہے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کافروں نے کہا کہ ہم اس قرآن کو نہیں مانتے اور نہ قیامت کو مانتے ہیں جو اس کے سامنے ہے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کافروں نے کہا کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے اور نہ تورات کو مانتے ہیں جو اس سے پہلے ہے اور پیغمبر کی اوصاف کو بیان کرتی ہے کیونکہ اہل کتاب میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے مشرکین کے سامنے بیان کیا تھا کہ آپ کے اوصاف ہماری

کتابوں میں موجود ہیں اور وہ برحق پیغمبر ہیں۔ پس مشرکوں نے کہا کہ ہم نہ اس کتاب کو مانتے ہیں اور نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو مانتے ہیں۔

اِذِ الظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی دربارِ پروردگار میں دوزخی لوگ آپس میں جھگڑیں گے۔ غریب اور کمزور کہیں گے کہ اگر تم بڑے لوگ نہ ہوتے تو ہم مومن ہوگئے ہوتے۔ امیر لوگ ان سے کہیں گے کہ ہم نے تم کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ تم خود گمراہ تھے تو غریب لوگ جواب دیں گے کہ تمہاری شب و روز کی سازش دوڑ دھوپ اور فریب کاری نے ہمیں گمراہ کیا کہ تم ہمیں کفر کرنے پر مجبور کرتے تھے۔

اَسَرُّوا النَّدَامَةَ۔ اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ کمزور طبقہ اپنی ندامت کو چھپائے گا تاکہ لوگوں کے سامنے شرمسار نہ ہوں اور دوسرے یہ کہ امیر طبقہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوگا۔ لیکن اپنی ندامت کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ اور ان کی گردنوں میں جہنم کی زنجیریں ڈال کر انہیں گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور اسی قدر ان کو سزا دی جائے گی جس قدر ان کے اعمال بد ہوں گے اور تمام اہلِ محشر کے سامنے ان کی رسوائی ان کے عذاب میں زیادتی کا باعث ہوگی۔

مُتْرَفُوْهَا۔ یہ جناب رسالتمآب اور جملہ مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اہلِ مکہ کے صاحب ثروت و مالدار لوگوں پر تعجب نہ کریں کیونکہ یہ دستور ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی آیا وہاں کے اہلِ ثروت اور دولت مند طبقہ نے اس کی دعوت کو ٹھکرا دیا پس ہمیشہ دینِ خداوندی طبقۂ غرباء میں مقبول رہا اور متوسط طبقہ کے لوگ اس کے ہمنوا رہے لیکن دنیاداری میں اونچا طبقہ ہر دور میں دینی پستی و گراوٹ کا شکار رہا۔

وَقَالُوْا۔ کفارِ مکہ نے اپنی کثرت اولاد اور کثرت اموال پر اترانا شروع کر دیا اور وہ یہ کہتے تھے کہ ہم ہی خدا کو پیارے ہیں کہ اس نے ہمیں کثرت اولاد و اموال سے سرفراز فرمایا ہے پس وہ ہمکو عذاب میں بھی مبتلا نہ کرے گا اور مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے کہ اگر تم اللہ کو پیارے ہوتے تو خدا تم کو محروم نہ رکھتا پس جس طرح دنیا میں ہم اللہ کو پیارے ہیں۔ اس طرح قیامت کے دن بھی اللہ ہمارے اوپر فضل کرے گا اور ہم گرفتارِ عذاب نہ ہوں گے۔

یَبْسُطُ الرِّزْقَ خداوند کریم نے کفار کے مقولہ کی تردید فرمائی ہے کہ رزق کا کشادہ کرنا یا تنگ کرنا اللہ کی مصلحت کے تابع ہے وہ چاہے تو کافروں کو رزق فروانی سے دیدے اور مومنوں کو تنگیٔ رزق میں مبتلا کرے بہرکیف

فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۵

کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر اس کے امیر طبقہ نے یہی کہا کہ تم جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہو ہم نہیں مانتے

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝۳۶ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ

اور کہنے لگے کہ ہمارے مال اور اولاد زیادہ ہیں اور ہم گرفتار عذاب ہونیوالے نہیں ہیں کہدو تحقیق میرا رب وسیع

یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۳۷ ع۱۰

کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہے اور تنگ بھی کرتا ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے

رزق کی فراوانی یا تنگی میں انسان کی آزمائش کا راز مضمر ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ رزق کی فراوانی کے بعد وہ شاکر بنتا ہے یا کفران نعمت کرتا ہے اور رزق کی تنگی کے بعد وہ صبر و ضبط سے کام لے کر پروردگار کی مشیت پر راضی رہتا ہے یا اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اس کا شکوہ کر کے کافر بنتا ہے۔ پس اللہ کا محبوب اور مقصد میں کامیاب انسان وہ ہے جو ہر دو حالات میں رضائے پروردگار کو پیش نگاہ رکھے پس فراوانی نعمات سے دھوکا کھا کر تکبر کرنے اترانے اکڑنے اور آپے سے باہر ہو کر ہر بے اعتدالی و بے راہ روی کو اپنانے سے گریز کرے بلکہ تشکر پروردگار کو اپنا دستور زندگی قرار دے اسی طرح تنگی رزق و حالات حاضرہ کی ناسازگاری کے دوران میں صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور رحمت خدا سے مایوس ہو کر کفر کی وادی میں چھلانگ لگانے سے گریز کرے اسی بنا پر حدیث میں ہے کہ اگر مال دنیا میں کوئی خوبی ہوتی تو فرعون کو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ دیا جاتا۔ بلکہ اللہ کے نزدیک دنیا کی بے قدری کی یہ دلیل ہے کہ فرعون و نمرود جیسے سرکش فراوانیٔ دولت میں رہے اور ابراہیم و موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر تنگدستی میں شکر گزار اور فریضۂ تبلیغ انجام دیتے رہے۔ آیت مجیدہ نے یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ تقسیم رزق اللہ کے اپنے ہاتھ میں ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ چاہے تو دنیا میں انبیاء و اولیاء کو فاقوں میں بسر کر کے صبر و شکر کرنے کی دعوت دے اور ان کے دشمنوں کو حکومت و سلطنت اور مال و دولت عطا کر کے ان کو بداعتدالیوں اور سرکشیوں کی مہلت دے دے لیکن آخرت میں نعمات شکر گزاروں کے لئے اور عذاب کافروں کیلئے مخصوص ہوگا۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ

اور تمہارے مال اور اولاد تمہیں ہمارے پاس قرب کا درجہ نہیں دے سکتے مگر وہ شخص جو ایمان لائے

وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي

اور نیک عمل کرے پس ایسے لوگوں کے لئے دوگنا بدلہ ہوگا بوجہ اس کے جو انہوں نے کیا اور وہ

الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ

اپنے بالاخانوں میں پرامن ہوں گے اور جو لوگ (تخریبی) کارروائی کرتے ہیں ہماری آیات میں اپنی بھرپور کوشش کے ساتھ

فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ

ایسے لوگ عذاب میں ڈالے جانے والے ہوں گے کہدو تحقیق میرا رب وسیع کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہے اپنے

عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ

بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے اس کے لئے (جسے چاہے) اور تم جو کچھ خرچ کرو پس وہ اسکی جگہ پُر کرے گا اور وہ بہتر

رکوع ۱۱

زُلْفٰى کا معنی قریب کرنا ہے اور تُقَرِّبُكُمْ سے مفعول مطلق ہے بِالَّتِيْ میں باء حرف جر زائد ہے اور اَلَّتِيْ ما کی خبر ہے چونکہ کفار نے اپنی کثرت اولاد زیادتی اموال پر اتراتے ہوئے کہا تھا کہ یہ نعمات ہمارے مقرب بارگاہ خداوندی ہونے کی علامتیں ہیں لہٰذا ہم جہنم میں بھی داخل نہ ہوں گے۔ اس جگہ ان کے دعویٰ کی تردید ہے

کہ مال واولاد کی کثرت قربِ خداوندی کی نہ دلیل ہے اور نہ قربِ خداوندی کی موجب ہے بلکہ قربِ پروردگار اُسے حاصل ہوتا ہے جو دولت ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بجالانے والا ہو تو ایسے لوگوں کی جزا چند در چند ہوگی اور ایک ایک کے بدلہ میں دس دس گناہ ان کو ثواب ملے گا۔ اور اس جگہ ضعف کا معنی دوگنا نہیں بلکہ مطلق زیادتی ہے

اَلْغُرُفَاتِ ۔ جمع ہے غُرْفَۃ کی اور مکان کی اوپر والی منزل کو غُرفہ کہا جاتا ہے ۔

یَسْعَوْنَ ۔ یعنی جو لوگ ہماری آیات کو غلط ثابت کرنے اور ان کو جھٹلانے کی ناپاک سازش و کوشش کرتے ہیں اور انبیاء کی تبلیغ اور لوگوں کے لئے قبولِ حق کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ یقیناً اہل جہنم ہیں مُعَاجِزِیْنَ کا معنی رکاوٹ ڈالنے والے اور یہ حال واقع ہوا ہے ۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ آیت مجیدہ میں پھر تقسیم رزق کے مسئلہ کو تاکید کے لئے دھرایا گیا ہے کہ یہ اللہ کا اپنا فیصلہ ہے وہ چاہے تو کافر کا رزق بڑھادے اور مومن کو تنگدستی میں رکھے۔ لہٰذا دنیاوی رزق کی فراوانی قربِ خداوندی کی علامت نہیں قرار دی جا سکتی اور جو لوگ پیروں مرشدوں یا انبیاء و اولیاء کو اپنے رزق کا داتا یا تقسیم کنندہ یا تقسیمِ رزق میں مؤثر سمجھتے ہیں یہ آیت ان کے لئے کھلا ہوا چیلنج ہے ۔

وَمَا اَنْفَقْتُمْ یعنی جو انسان راہِ خدا میں اپنے مال کو خرچ کرتا ہے خدا اس کو اس کے بدلہ میں اور مال عطا کرتا ہے جو پہلے مال کا خلف ہوتا ہے تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ خدا کی جانب سے ایک فرشتہ رات کے آخر میں ندا کرتا ہے کوئی ہے گناہوں سے توبہ کرنے والا تاکہ اس کی توبہ قبول کی جائے کوئی ہے بخشش کا طالب تاکہ اس کے گناہ بخشے جائیں اور کوئی ہے سائل جو مانگے پس اس کی حاجت روائی ہو ؟ اس کے بعد فرشتہ دعا مانگتا ہے اے اللہ اپنے راستہ میں خرچ کرنے والوں کو مزید عطا فرما اور بخل کرنے والوں پر بربادئ مال کے اسباب مسلط فرما اور طلوعِ فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے ۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ میں بسا اوقات مال خرچ کرتا ہوں ۔ لیکن خرچ کئے ہوئے مال کی جگہ پُر نہیں ہوتی ۔ اس کی کیا وجہ ہے ۔ آپ نے فرمایا اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا پس جو شخص حلال کمائے اور حلال کی کمائی سے راہِ خُدا میں خرچ کرے خدا اس کے بدلہ میں اس کو ضرور عطا فرمائے گا ۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسول کریم سے منقول ہے کہ ہر رات ایک منادی آواز دیتا ہے موت کے لئے اولاد پیدا کرو اور دوسرا منادی کہتا ہے خراب ہونے کے لئے مکان تعمیر کرو ۔ ایک منادی کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو مزید عطا فرما اور ایک منادی کہتا ہے کہ اے اللہ بخل کرنے والے کے مال کو تلف کر پھر ایک منادی آواز دیتا ہے کاش لوگ پیدا نہ ہوتے اور دوسرا کہتا ہے کاش ! جب ان کو پیدا کیا گیا ہے تو اپنی غرضِ خلقت میں غور و فکر کرتے ۔ بروایت جابر آپ نے فرمایا ہر نیک کام میں خرچ کرنا صدقہ ہے اور وہ مال جو انسان اپنی ناموس کے لئے خرچ کرے وہ بھی صدقہ ہے اور انسان جو مال بھی خرچ

کرے خدا اس کی جگہ پر کر دیتا ہے اور اس کا بدلہ خرچ کرنے والے کو ضرور دیا جاتا ہے بشرطیکہ فعل گناہ اور حرام پر خرچ نہ کیا ہو۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا فضول خرچی سے بچو اور میانہ روی اختیار کرو کبھی میانہ روی اختیار کرنے والی قوم محتاج نہیں ہوگی۔

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ

رزق دینے والا ہے اور جس دن ان سبکو اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا

كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا

کرتے تھے وہ کہیں گے ہم تجھے منزہ جانتے ہیں تو ہی ہمارا ولی ہے نہ کہ وہ بلکہ وہ تو پوجتے

يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ

تھے جنوں کو اور ان کی اکثریت ان پر ایمان رکھتی ہے پس آج تم (معبودوں اور پجاریوں) میں سے کوئی

لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَّنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

بھی ایک دوسرے کے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ جہنم کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے

بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ

تھے اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیات تو کہتے ہیں بجز اس کے نہیں کہ یہ شخص

سُبحانک۔ کلمہ تنزیہہ ہے یعنی فرشتے عرض کریں گے۔ اے پروردگار ہم تیری تنزیہہ کے قائل ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم تیرے شریک بن بیٹھیں اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیں۔ تو ہی ہمارا ولی ہے اور ہم تیرے عبادت گذار ہیں۔ البتہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان پر ان کی اکثریت کا ایمان تھا۔ فرشتوں کو یہ خطاب بعینہ اس طرح ہے جس طرح حضرت عیسیٰؑ سے خطاب ہوگا کہ کیا تونے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود مانو پس وہ ان سے بیزار ہوں گے مقصد یہ ہے کہ جسطرح بروز محشر مشرکین سے باز پرس ہوگی اسی طرح جن کو انہوں نے معبود بنا رکھا تھا اتمام حجت کے طور پر ان سے بھی پوچھا جائے گا اور یہ چیز مشرکوں کے عذاب میں زیادتی کی باعث ہوگی اور اسی طرح جن لوگوں نے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو صفات خداوندی میں شریک مانا ہوگا وہ بھی میدان محشر میں جملہ مشرکین کی طرح رسوا ہوں گے چنانچہ معصوم نے فرمایا ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے اس طرح بری ہوں گے۔ جس طرح عیسیٰ بن مریم نصاریٰ سے بری ہوں گے۔ اور جو لوگ خالق یا رازق جیسی صفات کا اہلبیت پر اطلاق درست قرار دیتے ہیں اور خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کے الفاظ کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کرتے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ صفات کی تین قسمیں ہیں (۱) ایسی صفات جن سے اللہ بھی متصف ہے اور بندے بھی متصف ہیں اور دونو پر ان کا اطلاق حقیقی ہے مثلاً اس بات کا علم کہ آگ گرم ہے اللہ کو بھی حقیقتاً حاصل ہے اور بندے کو بھی حقیقتاً حاصل ہے فرق اتنا ہے کہ اللہ کا علم قدیم ہے اور بندے کا علم حادث ہے اور اللہ کا علم ذاتی ہے اور بندے کا علم

يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ

تمہیں روکنا چاہتا ہے اس سے جس کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور کہنے لگے یہ نہیں مگر جھوٹ

مُفْتَرًى وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿۴۳﴾

افترا کیا ہوا اور کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے حق کے متعلق جب ان کے پاس آیا یہ نہیں مگر واضح جادو

وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴿۴۴﴾

اور نہیں دی ہم نے انکو کوئی کتاب کہ پڑھتے ہوں اس کو اور نہیں بھیجا ہم نے ان کی طرف تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ

اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو تجھ سے پہلے تھے (رسولوں کو) اور یہ لوگ نہیں پہنچے اس کے دسویں حصے کو جو انکو ہم نے طاقت دی تھی پس انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا

اس کا عطیہ ہے ورنہ اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ علم کا دونو پر اطلاق حقیقی ہے نہ کہ مجازی (۲) ایسی صفات جن کا اطلاق اللہ پر حقیقت ہے اور بندے پر مجاز ہے جیسے خالق و رازق وغیرہ کہ اللہ ان صفات سے حقیقتاً متصف ہے اور اگر بندہ کسی چیز کو بنائے تو اس پر اس چیز کے خالق ہونے کا اطلاق مجازی ہے ۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ مٹی کی صورت بناتے تھے اور ان کو خُلق سے تعبیر کرتے تھے یا جس طرح بندہ اپنے افعال و اعمال کا خود خالق ہے اسی طرح اگر کوئی کسی کو کچھ دے یا کھانا کھلائے تو رازق یا معطی کا اطلاق اس پر مجازی ہوگا اور چونکہ بنیادی طور پر قوتوں کا خالق اور اسباب رزق کا خالق اللہ ہے اس لئے خالق و رازق کا اطلاق اس پر حقیقت ہے پس اس مجازی اطلاق کے طور پر اہلبیت عصمت پر بھی اگر ان صفات کا استعمال کیا جائے تو کفر و شرک نہ ہوگا ۔ لیکن اس اطلاق میں ان کی کوئی فضیلت نہیں ہے ۔ کیونکہ ہر انسان پر ان صفات کا اس معنی میں اطلاق مجازی طور پہ جائز ہے لیکن اگر محمد و آل محمد کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ خدا نے اپنی صفت خلق و رزق ان کے سپرد کی ہے پس تمام مخلوق کے خالق و رازق یہی ہیں اور ان پر خلق و رزق کا اطلاق اس طرح حقیقت ہے جس طرح اللہ پر ان صفات کا اطلاق حقیقت ہے تو ایسا عقیدہ کفر و شرک ہے اور معصومین علیہم السلام ایسے عقیدہ والوں سے اس طرح بری و بیزار ہوں گے ۔ جس طرح حضرت عیسیٰ نصاریٰ سے بیزار ہوں گے (۳) ایسی صفات جن کا اطلاق صرف اللہ پہ ہو سکتا ہے اور بندے پر ان کا اطلاق قطعاً ناجائز ہے جیسے طرح اُلوہیت وَمَا آتَيْنَاهُمْ ۔ یعنی آپ کی دعوت کو صرف اپنے جذبات و خواہشات کے ماتحت ٹھکرا دیتے ہیں ورنہ ان کے اپنے دعوٰں کے اثبات میں نہ کوئی کتاب ہے اور نہ ان کے پاس کوئی نبی آیا ہے جس نے ان کو کچھ بتایا ہو اور آپ کو غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے امت کی تکذیب کا سلسلہ پہلے رسولوں کے ساتھ بھی رہا ہے اور گذشتہ اُمتوں کو جسامت طاقت اور کثرت اموال و زیادتیٔ عمر جس قدر عطا ہوئی مشرکین مکہ کو اس کا دسواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوا اور جب ان لوگوں نے انبیاءؑ کی تکذیب کی تھی ان کا حشر کیا ہُوا؟ وہ ان سب کے سامنے ہے کہ صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا ۔ چنانچہ قوم سبا کا واقعہ ابھی ابھی بیان کیا جا چکا ہے

پس ان لوگوں کو ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور آپ کو بلند حوصلگی سے سلسلہ تبلیغ کو جاری رکھنا چاہیئے

**رکوع ۱۲**

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ ۔ یعنی ان سے کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ کی توحید کے عقیدہ میں ثابت قدم ہو جاؤ پھر ایک ایک ہو کر یا دو دو مل کر آپس میں بحث و فکر کرو کہ کیا محمد مصطفےٰؐ کی کوئی بات خلافِ عقل ہے یا ان کا کوئی اقدام قابل نفرت و مذمت ہے یا ان کے کسی قول سے دیوانگی کا مظاہرہ ہوتا ہے؟ تو تم کو صاف معلوم ہوگا کہ ایسا نہیں ہے اور ان کی ہدایات دیوانگی نہیں بلکہ قرین عقل ہیں اور ان کا دین حق اور واجب القبول ہے اور وہ آنے والے سخت عذاب سے تم کو ڈراتا ہے پس آیت مجیدہ میں توحید و نبوت و قیامت تینوں اصول بیان کر دیئے گئے ہیں ۔ اور واحدۃٌ اس لئے کہا گیا کہ تمام اصول کی جڑ اور مرکزی نقطہ صرف عقیدۂ توحید ہی ہے لہٰذا جب یہ ایک عقیدہ درست ہو تو باقی سب کی درستی اسی کی بدولت ہو سکتی ہے ۔ اور بروایت احتجاج حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے رفتہ رفتہ احکام شریعت بھیجے سب سے پہلے عقیدہ توحید کا اقرار لیا پھر عقیدۂ نبوت کی دعوت دی گئی جب لوگوں نے اس کو تسلیم کر لیا تو یکے بعد دیگرے نماز، روزہ، حج، جہاد اور زکوٰۃ و صدقات کے احکام نافذ کئے تو منافقوں نے کہا ابھی تیرے پروردگار کی طرف سے کوئی حکم اور بھی باقی ہے اگر ہے تو وہ بھی بیان کر دیجئے تاکہ ہمیں اطمینان کا سانس لینا نصیب ہو پس یہ آیت اتری کہ اب صرف ایک بات رہ گئی ہے اور وہ ہے ولایت ۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا قائل ہو جائے اس کو باقی تمام کا قائل ہونا پڑتا ہے پس جو علیؑ کی ولایت کا قائل ہوا وہ گویا تمام اصول کا قائل ہوا ۔

(برہان و منتقنیات الدار)

كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ

تھا تو کس طرح گرفتار عذاب ہوئے ۔ کہدو میں تم کو صرف ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لئے دو دو مل کر یا تنہا ایک ایک ہو کر ٹھہر جاؤ، پھر سر جوڑ کر تم

تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

معلوم ہوگا کہ تمہارے صاحب (رسولؐ) پر کوئی جنون نہیں وہ تو تم کو سامنے آنے والے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہے کہدو

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾

جو بھی میں تم سے اجر مانگوں وہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے ہوگا میرا اجر تو اللہ پر ہی ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ

کہدو تحقیق میرا رب حق بھیجتا ہے تمام غیبوں کے جاننے والا ہے کہدو کہ حق آگیا کہ نہ اب باطل کی آمد ہوگی اور نہ

الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ

اس کا اعادہ ہوگا کہدو اگر (بقول تمہارے) میں گمراہ ہوں تو اس کا وبال مجھ پر ہی ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ۔ تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ بحکم پروردگار رسول اللہ نے جو اجر مودت طلب فرمایا تھا اسی کے متعلق ارشاد قدرت ہے کہ میں نے جو تم سے اجر طلب کیا ہے اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا کہ میری اہلبیت کی اطاعت کر کے تمہیں راہِ ہدایت نصیب ہوگا اور عذاب جہنم سے بچ جاؤ گے۔ اور بروایت قمی آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے اپنی قوم سے اجر طلب کیا تھا کہ میرے قریبیوں سے محبت رکھنا اور ان کو اذیت نہ دینا اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ اس کا ثواب تم کو ہی ملے گا۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ۔ یعنی جب حکومت حقہ قائم ہوگئی تو باطل اپنے ہمنواؤں کے لئے نہ کوئی دنیا میں اچھائی پیدا کر سکتا ہے اور نہ آخرت میں فائدہ پہنچا سکے گا۔ بروایت ابن مسعود جب آپؐ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت دیکھے تو عصا کی نوک سے ان کو مارتے تھے اور یہی آیت پڑھتے تھے۔

وَلَوْ تَرَىٰ اس کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تم دیکھو تو تمہیں عجیب امر دکھائی دے گا یعنی بروز محشر کفار جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو گھبرا جائیں گے اور ان کیلئے بھاگ جانے کا کوئی امکان نہ ہوگا اور اللہ ان کو گرفتار عذاب کرے گا اور اسطرح پکڑے گا جسطرح کوئی چیز نزدیک والی جگہ سے اٹھالی جاتی ہے، مقصد یہ کہ کوئی بھی اللہ کی گرفت سے دور نہیں ہے اور آیت مجیدہ کو ظہور قائمؑ کے زمانہ کے بعض حوادث کی پیش گوئی قرار دیا گیا ہے، چنانچہ مکان قریب سے گرفتار ہونے والا سفیانی لشکر ہے جو تاراجی مدینہ کے بعد مکہ کی طرف روانہ ہوگا اور مقام بیدا پر پہنچے گا تو بحکم پروردگار زمین ان کو قدموں کے نیچے سے پکڑ لے گی اور وہ زمین میں دھنس جائینگے بہرکیف قیامت کی گرفت مراد ہو یا لشکر سفیانی کا معذب ہونا مراد ہو جب یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن اب انکو کوئی فائدہ نہ ہوگا جسطرح کسی شئی کو دور سے بیٹھ کر پکڑنا غیر مفید ہوتا ہے گویا ڈر سے ایمان لانا ایسا ہے جسطرح دور سے بیٹھ کر کسی شئی کو پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھانا حالانکہ انکی حالت یہ تھی کہ ان باتوں کا انکار کرتے تھے جسطرح دور سے بیٹھ کر بلا تحقیق کوئی شخص اٹکل پچو کے طور پر غائبانہ کسی حقیقت کا انکار کرے

فبما يوحي الي ربي انه سميع قريب ۝۵۱ ولو ترى اذ فزعوا فلا

تو بوجہ اس کے جو وحی کی گئی میری طرف سے میرے رب سے تحقیق وہ قریب سننے والا ہے اور اگر تم دیکھو گے جب وہ گھبرائے ہوں گے

فوت واخذوا من مكان قريب ۝۵۲ وقالوا امنا به وانى لهم

پس نہ بھاگ سکیں گے اور گرفتار کر لئے جائیں گے قریبی مکان سے اور کہیں گے ہم ایمان لائے اس پر اور کہاں میسر ہوگا انکے لئے

التناوش من مكان بعيد ۝۵۳ وقد كفروا به من قبل ويقذفون

پکڑنا دور کے مکان سے حالانکہ پہلے اس کا انکار کر چکے تھے اور بے تکی مارتے تھے غائبانہ

بالغيب من مكان بعيد ۝۵۴ وحيل بينهم وبين ما يشتهون كما فعل

دور رہتے ہوئے اور رکاوٹ ڈالی جائے گی ان کے اور انکی خواہشات کے درمیان جس طرح کیا گیا

باشياعهم من قبل انهم كانوا في شك مريب ۝۵۵ ع۱۲

ان کی جماعتوں کے ساتھ اس سے پہلے تحقیق وہ گہرے شک میں تھے

# سُورۂ فاطر

اس کا نام الملائکہ بھی ہے۔

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کے ساتھ ۴۶ ہے۔

حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا اس کے سامنے جنت کے تین دروازے کھل جائیں گے اور جس دروازے سے چاہے گا اس کو داخل ہونے کی اجازت ہوگی اور دوسری روایت میں ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے اس کے لئے کھلے ہوں گے اور ہر دروازے سے اس کو داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی۔

خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو لکھ کر شیشی میں بند کر کے کسی کی گود میں رکھدے تو وہ باذنِ پروردگار اس مقام سے کھڑا نہ ہو سکے جب تک وہ شیشی اپنی گود سے الگ نہ کرے۔ اور بعض روایات میں ہے اس کو لکھ کر لکڑی میں بند کر کے کسی کی گود میں رکھے کہ اس کو خبر نہ ہو پس وہ کھڑا نہ ہو سکے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے مکان سے نہ نکل سکے گا۔

بروایت مجالس شیخ معاویہ بن وہب سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص مرو کے رہنے والا حاضر تھا۔ جس کے لڑکے کو صداع کی تکلیف تھی اور اس نے امام عالی مقام سے اس کی شکایت کی تو آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اِنَّ اللہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ الخ آیت ۴۲ کی تلاوت کی۔

امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص آیت مذکورہ کو پڑھ کر سوئے تو اس پر اس مکان کی چھت نہیں گرے گی

## رکوع ۱۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ①

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو رحمان ورحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیْٓ

تمام حمد اللہ کے ہی لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کے ایجاد کرنے والا اور فرشتوں کو اپنا ایلچی بنانے والا ہے جو دو دو

اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی

تین تین اور چار چار پر رکھنے والے ہیں زیادتی کرتا ہے اللہ اپنی صنعت میں جو چاہے تحقیق اللہ ہر شے

کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ② مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا

پر قدرت رکھنے والا ہے لوگوں کے لیے اللہ جس قسم کی رحمت کا (دروازہ) کھولدے تو اسے کوئی بند نہیں کر سکتا

وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ③

اور جسے وہ بند کردے تو کوئی کھول نہیں سکتا اس کے علاوہ اور وہ غالب حکمت والا ہے

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ۔ یعنی وہ آسمانوں اور زمین کے ایجاد کرنے والا ہے کہ اُس سے پہلے ان کی کوئی مثال موجود نہ تھی پس اُس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ سے انہیں کتم عدم سے نکال کر زیور وجود سے آراستہ فرمایا۔

اَلْمَلٰٓئِکَۃِ۔ تفسیر قمی سے منقول ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے سب ملائکہ کو ایک جیسا نہیں بنایا بلکہ ان کی اوضاع مختلف ہیں اور حضورؐ نے جبرئیل کو دیکھا تو اس کے چھ سو پر تھے اور اس کی پنڈلیوں پر موتیوں کی لڑیاں تھیں جسطرح سبزہ پر شبنم کے قطرات ہوا کرتے ہیں اور اس کی جسامت آسمانوں اور زمین کے خلاء کو پُر کرنے والی تھی اور جب میکائیل کو دنیا میں جانے کی اجازت دے گا تو اس کا ایک قدم ساتویں آسمان پر ہوگا تو دوسرا ساتویں زمین تک جا پہنچے گا۔ اور بعض فرشتے ایسے بھی ہیں جن کا نصف حصّہ برف اور نصف حصّہ آگ ہے اور وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں اے آگ اور برف میں انس پیدا کرنے والے خدا ہمیں اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھ۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جن کے کان اور آنکھ کے درمیان کا فاصلہ تیز پرواز پرندے کی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے اور فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں بلکہ اُن کی غذا نسیم عرش ہے جو رکوع میں ہیں وہ تا قیامت رکوع میں رہیں گے اور جو سجدہ میں ہیں قیامت تک سجدہ میں رہیں گے آپ نے فرمایا تمام مخلوقات میں سے فرشتوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہر دن ہر رات کو ستر ہزار فرشتے زمین پر نازل ہوتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں پھر زیارت پیغمبر کرکے بارگاہ شہ ولایت میں حاضری دیتے ہیں اس کے بعد حرم حسینی میں پہنچتے ہیں اور سحور تک وہاں رہ کر واپس آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ اور پھر واپس لوٹ کر نہیں آتے۔ بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک فرشتہ مُرغ کی شکل میں ہے جس کے پاؤں ساتویں زمین پر اور سر عرش کے نیچے ہے وہ رات کے

آخری حصہ میں پروں کو جھاڑتا اور پھڑ پھڑاتا ہے اور تسبیح پروردگار کرتا ہے پس سارے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں اور منقول ہے کہ جبریلؑ جنت کی نہر سے غسل کر کے ہر صبح کو جب پر جھاڑتا ہے تو اُس سے گرنے والے ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ وضو کرنے والے انسان کے اعضاء وضو سے الگ ہونے والے ہر قطرہ سے خدا ایک ایک فرشتے کو پیدا فرماتا ہے۔

**يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ**: یعنی فرشتوں کی قامت و جسامت میں فرق ہے بعض کو دو پر بعض کو تین پر اور بعض کو چار پر عطا ہوئے ہیں اور اللہ نے بعض کو اور زیادہ جسامت بھی عطا فرمائی ہے جیسا کہ حضور نے شب معراج جبریلؑ کو چھ لاکھ پروں کے ساتھ دیکھا (صافی) اور بعض مفسرین نے خلق کی زیادتی سے مراد حسن صوت لیا ہے اور بعضوں نے آنکھوں کی خوبصورتی مراد لی ہے اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اس سے مراد چہرہ کے بالوں کی اور آواز کی خوبی و عمدگی ہے تفسیر صافی میں اکمال سے مروی ہے کہ اللہ نے دردائیل فرشتے کو سولہ ہزار پر عطا فرمائے ہیں کہ ہر دو پروں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔

**هَلْ مِنْ خَالِقٍ** علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں اس طرح بحث کا آغاز ہے کہ کیا لفظ خالق کا اطلاق اللہ کے علاوہ کسی اور پر بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کی دو صورتیں ہیں (۱) علی الاطلاق لفظ خالق خدا کے سوا کسی پر اطلاق نہیں ہو سکتا البتہ اضافت کے ساتھ غیر خدا پر بھی لفظ خالق کا اطلاق جائز ہے۔ جس طرح مثلاً حضرت عیسیٰ کی طرف مٹی سے پرندہ کا خلق کرنا منسوب ہے ہاں لفظ صانع اور فاعل کا اطلاق بغیر اضافت کے بھی غیر خدا پر جائز ہے۔
(۲) آیت مجیدہ میں غیر اللہ پر خالق کا اطلاق ممنوع ہے جو آسمان و زمین سے رزق کو خلق فرماتا ہے پس اللہ ہی و خالق ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ
اے لوگو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے کیا کوئی اللہ کے علاوہ خالق ہے جو تم کو آسمان و
مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝۴ وَإِنْ
زمین سے رزق دے سکے، کوئی الٰہ نہیں مگر وہی پس کس طرف دھکا دیے جاتے ہو اور اگر یہ لوگ
يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝۵
آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی تو جھٹلایا جا چکا ہے اور اللہ کی طرف ہی معاملات کی بازگشت ہوگی
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا
اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس تم کو نہ دھوکا میں ڈالے دنیا کی زندگی اور
وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝۶ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ
غرور تم کو اللہ سے نہ بھٹکا دے بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے

جو آسمان سے بارش اور زمین سے انگوریاں پیدا کر کے صفت رازق سے متصف ہے اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کی وضاحت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ معنی مذکور میں غیر اللہ پر خالق رازق کا اطلاق اس کو اِلٰہ ماننے کے مترادف ہے پس اللہ کے علاوہ اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔ اس کے بعد تنبیہ فرمائی کہ اے انسانو اس بارے میں ہرگز دھوکا نہ کھاؤ اور کسی پر خالق و رازق کا اطلاق کر کے مشرک نہ بنو۔

اَلْغَرُوْرُ : بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جگہ غرور سے مراد شیطان ہے۔

اِنَّمَا یَدْعُوْا : یعنی شیطان اپنے ماننے والوں سے ایسے اعمال کراتا ہے جن کی وجہ سے وہ دوزخ کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

رکوع ۱۴ اَفَمَنْ آیت مجیدہ میں خود پسندی کی مذمت ہے کیونکہ بعض لوگ برا کام کرنے کے باوجود اسے اچھا سمجھنے اور اچھا کہنے پر مصر ہوتے ہیں۔ اور اس قسم کے لوگوں کو اپنا نفس دھوکے میں ڈالتا ہے اور وہ اس فریب خوردگی میں مبتلا ہو کر اپنے

فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ⑦

پس اُسے دشمن سمجھو سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ دوزخ جانے کے مستحق ہو جائیں

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اور جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے ان کے لئے بخشش

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ⑧ أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا

اور بڑا اجر ہوگا کیا وہ شخص جس کے سامنے اس کا برا عمل مزین ہو پس وہ اس

فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ

کو اچھا سمجھے (وہ ہدایت یافتہ شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟) بے شک گمراہی میں چھوڑتا ہے جسے چاہتا ہے اور توفیق ہدایت بخشتا ہے

عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ⑨ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ

جسے چاہے پس نہ ہلاک ہو تیرا نفس ان پر ارمان کرتے ہوئے تحقیق اللہ جاننے والا ہے جو وہ کرتے ہیں اور اللہ وہ ہے جس نے ہواؤں

الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ

کو بھیجا کہ انہوں نے بادل کو ابھارا پس ہم نے اسے مردہ (غیر آباد) شہر کی طرف چلایا پس اس کے ذریعے سے مردہ ہو چکنے کے

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ النُّشُورُ ⑩ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ

بعد زمین کو حیات تو بخشی اسی طرح نشور ہوگا (روز قیامت) جو عزت چاہتا ہو تو عزت اللہ کے لئے ہے سب اسی کی طرف

جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ

پاکیزہ کلمات بلند ہوتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتا ہے اور جو لوگ برے کام کرتے ہیں

يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ⑪

ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اور ایسے لوگوں کی چالیں باطل ہو جائیں گی

عیبوں میں جھانکنے کی جرأت نہیں کر سکتے پس ایسے لوگوں کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ کیا اس قسم کے لوگ جن کی بداعمالیوں کو شیطان نے ان کی نظروں میں مزیّن کر رکھا ہے پس وہ ان کو اچھا سمجھتے ہیں اور نیک و بد میں تمیز نہیں کر پاتے وہ ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو نیکی و بدی میں تمیز کر کے بدی کو چھوڑ کر نیکی کو اختیار کرنے کی توفیق رکھتے ہوں؟

فَلَا تَذْهَبْ۔ بعضوں نے باب افعال سے لَا تُذْهِبْ پڑھا ہے اور نَفْسَكَ کو منصوب کیا ہے اور معنی یہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کے ارمان میں تم اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔

فَسُقْنَاهُ۔ کلام میں غائب سے متکلم کی طرف التفات ہے اور یہ فن فصاحت و بلاغت میں ادائیگی مطلب کا بہترین طریقہ ہے

النُّشُوْرُ۔ یعنی جس طرح مردہ زمین کو ہم زندہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح تمام انسانوں کو موت کے بعد جلانے پر بھی قادر ہیں۔

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ۔ حدیث قدسی میں اللہ فرماتا ہے میں نے پانچ چیزیں پانچ چیزوں میں رکھی ہیں لوگ دوسری پانچ چیزوں میں تلاش کرتے ہیں وہ کیسے پا سکتے ہیں، میں نے علم کو بھوک میں رکھا ہے لوگ شکم پوری میں ڈھونڈتے ہیں تو کیسے پا سکتے ہیں، میں نے راحت کو جنت میں رکھا ہے لوگ اُسے دنیا میں تلاش کرتے ہیں تو کیسے پا سکتے ہیں، میں نے تونگری کو قناعت میں رکھا ہے لوگ اُسے کثرت زر و مال میں ڈھونڈتے ہیں تو کیسے پا سکتے ہیں، میں نے عزت کو اپنے دروازہ پر رکھا ہے لوگ اُسے بادشاہوں کے دروازے پر طلب کرتے ہیں تو کیسے پا سکتے ہیں، اور میں نے اپنی رضا خواہش نفس کی مخالفت میں رکھی ہے اور لوگ اُسے خواہش نفس کی اطاعت میں تلاش کرتے ہیں پس وہ کیسے پا سکتے ہیں۔ جامع الاخبار سے مضمون روایت کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ۔ كَلِم كلمةٌ کی جمع ہے اور مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہر وہ لفظ جس کے جمع اور واحد میں صرف تاء کا فرق ہو۔ جس طرح مَهَاةٌ اور فَلَاةٌ کی جمع مہا اور فلا آتی ہے انکو مذکر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور مؤنث بھی۔ اللہ کی طرف کلمہ طیب کے بلند ہونے کا مقصد قبولیت ہے کیونکہ بنی آدم کے نیک اعمال کو ملائکہ اوپر لے جایا کرتے ہیں۔ کلمہ طیب سے مراد تسبیح و تقدیس پروردگار کی ادائیگی کے کلمات ہیں اور ان سب سے افضل لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور اسی بنا پر اس کو کلمۂ طیبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تفسیر برہان میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ کلمہ طیبہ اس طرح ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ وَخَلِيْفَتُهٗ حَقًّا۔

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ۔ اس کے چند معانی کئے گئے ہیں (۱) عمل صالح کلم طیب کو اوپر لے جاتے ہیں (۲) عمل صالح کو کلم طیب اوپر لے جاتے ہیں پہلی صورت میں مقصد یہ ہے کہ اعمال صالحہ عقیدہ کی بلندی کی ضمانت ہیں۔ کیونکہ کلم طیب سے مراد صحیح عقیدہ

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ

اور اللہ نے تم کو پیدا کیا مٹی سے پھر نطفہ سے پھر تم کو جوڑا جوڑا بنایا اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی مادہ اور

مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ

نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم میں ہے اور نہ کسی عمر رسیدہ کی عمر بڑھتی ہے اور نہ اسکی عمر کم ہوتی ہے مگر وہ کتاب میں موجود ہے

ہے اور دوسری صورت میں مقصد یہ ہے کہ صحیح عقیدہ اعمال صالحہ کی مقبولیت اور بلندی کا موجب ہے اور اس کا تیسرا ترجمہ اس طرح بھی کیا گیا ہے کہ کلم طیبہ اللہ کی طرف بلند ہوتے ہیں یعنی بارگاہِ اجابت و قبولیت تک پہنچتے ہیں اور نیک عمل کو یعنی نیک اعمال بجا لانے والوں کو اللہ بلند مقام عطا فرماتا ہے

وَلَا يُعَمَّرُ - اس کے معانی دو طرح کئے گئے ہیں (۱) جس کو زیادہ عمر دی جاتی ہے یا جس کو کم عمر نصیب ہوتی ہے سب کو اللہ جانتا ہے (۲) جس کی عمر میں زیادتی کی جاتی ہے یا جس کی عمر میں کمی کر دی جاتی ہے سب کو اللہ جانتا ہے، چنانچہ تفسیر برہان میں

إِنَّ ذَالِكَ عَلَى اللهِ يَسِيرٌ ﴿١٢﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذْبٌ

تحقیق یہ اللہ کے لئے آسان ہے اور دو دریا برابر نہیں ایک میٹھا ٹھنڈا جس کا پینا

فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَ

خوشگوار ہو اور دوسرا تلخ نمکین اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور نکالتے ہو زیور

تَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ

جن کو تم پہنتے ہو اور دیکھتے ہو کشتیوں کو اس میں جو پانی کو چیرنے والی ہیں تاکہ اس کا رزق حاصل کرو اور تاکہ تم

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٣﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَ

شکر کرو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے مسخر

سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَالِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ

کیا سورج اور چاند کو ہر ایک چل رہا ہے ایک مقررہ مدت تک ان اوصاف کا مالک اللہ ہے جو تمہارا رب ہے

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿١٤﴾ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا

ملک اسی کا ہے اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے علاوہ وہ تو ایک گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں اگر تم ان کو پکارو تو وہ

يَسْمَعُوا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ

تمہاری پکار کو سنتے بھی نہیں اور اگر سن لیں تو تمہارے لئے کچھ کرتے نہیں اور بروز محشر تمہارے مشرکانہ رویے کا وہ انکار کریں گے

بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٥﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ

اور تمہیں واقف کار ہی یہ باتیں بتا سکتا ہے اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کی طرف اور اللہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی اور قطع رحمی عمر کو کم کرتی ہے اگر کوئی شخص صلہ رحمی کرنے والا ہو اور واقع میں اس کی عمر تین برس باقی ہو تو خدا صلہ رحمی کے صلہ میں اس کی عمر میں تیس برس بڑھا دیتا ہے اور کسی کی عمر تینتیس برس ہو اور قطع رحمی کرے تو خدا اس کی عمر تیس برس کم کر کے تین برس بنا دیتا ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے شیعوں کو حکم دو کہ امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کریں کیونکہ اس سے رزق اور عمر میں زیادتی ہوتی ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ جو امام حسینؑ کی زیارت کا تارک ہو اس کی عمر اور رزق میں کمی کی جاتی ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس نے امام حسین کی زیارت کو ترک کیا وہ خیر کثیر سے محروم ہوا اور اس کی عمر میں سے ایک سال کم ہوا۔ آیت مجیدہ مسئلہ بدا کو ثابت کرتی ہے جس کی تفصیل تفسیر کی جلد ۵ صہ ۱۹۱ اور جلد ۸ صہ ۱۴۵ پر گذر چکی ہے۔

مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ خداوند کریم نے پانی کو میٹھا اور تلخ و نمکین بنا کر مخلوق پر احسان عظیم فرمایا چنانچہ میٹھا پانی پینے کے لیئے اور تلخ و نمکین پانی اس کے اندر بے شمار مرنے والی مخلوق کے تعفن کو ختم کرنے کے لئے بنایا۔ پس سمندروں کے پانی میں تلخی تعفن اور بدبو سے حفاظت کے لئے ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اُس میں بے شمار مرنے والی مخلوق کا تعفن پورے ربع مسکون کو ناقابل آبادی بنا دیتا۔ اور سمندر کے پانی کو مالح نہیں کہا جاتا بلکہ ملح کہا جاتا ہے

وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ۔ اس کی تفسیر جلد ۸ کے صفحہ ۲۰۴ پر ملاحظہ ہو۔

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿١٦﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٧﴾ وَمَا

یہی غنی لائق تعریف ہے اگر چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور نئی مخلوق کو لے آئے اور یہ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿١٨﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ وَاِنْ تَدْعُ

بات اللہ کے لئے مشکل نہیں اور نہیں اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بھی بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے گا

مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۗ اِنَّمَا تُنْذِرُ

کوئی بوجھل انسان کسی کو اپنے بوجھ کی طرف تو اس سے بھی کچھ نہیں اٹھایا جائے گا اگرچہ وہ اس کا قریبی ہو تم صرف

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۚ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا

ان کو ڈراتے ہو جو اپنے پروردگار سے ڈریں غائبانہ اور قائم کریں نماز کو اور جو پاکیزہ ہوگا دگناہوں سے تو اس

يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٩﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾

کی پاکیزگی اپنی ذات کے لئے ہی ہے اور اللہ کی طرف بازگشت ہے اور اندھے اور بینا برابر نہیں

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢١﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢٢﴾ وَمَا يَسْتَوِي

نہ (کفر و شرک) کی تاریکیاں اور نور ایمان برابر ہیں نہ سایہ اور گرمی برابر ہیں اور نہ

الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ

زندہ اور مُردے برابر ہیں تحقیق اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور تم نہیں سنا سکتے ان کو جو

يُوْلِجُ الَّيْلَ اس کی تفسیر جلد ۳ صہ ۲۱۳ پر گذر چکی ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ۔ خداوند کریم نے اپنی نعمات کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو اپنے مصائب و مشکلات میں اللہ کو چھوڑ کر اس کے بندوں کو پکارتے اور سوتے ہیں اور اُن سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں خدا فرماتا ہے جن کو تم میرے علاوہ پکارتے ہو اولاً تو وہ تمہاری سنتے نہیں اور اگر سن بھی لیں تو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور قیامت کے دن تمہارے اس غلط رویے سے وہ بیزار بھی ہوں گے۔

رکوع ۱۵ وَلَا تَزِرُ یعنی قیامت کے دن

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب ماں باپ اپنے بیٹے کو پکار کر اُسے اپنے بوجھ کے اٹھانے کو کہیں گے تو بیٹا کہدے گا کہ میرے لئے اپنا بوجھ کافی ہے۔ شیخ ابوالحسن شعرانی نے چند فروع کا ذکر کیا ہے جو مذہب اہلبیت کے مطابق اس آیت مجیدہ سے استنباط کی جا سکتی ہے (۱) آیت مجیدہ کی روشنی میں حرامزادہ کو اپنے ماں باپ کے فعل بد کی سزا نہیں دی جائے گی (۲) میت پر رونے والے اگر ناجائز طریقہ اختیار کریں تو اس کا وبال انہی پر ہوگا اس کا میت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اگر بے اختیار ہو کر روئیں اور خلافِ شرع کوئی حرکت نہ کریں تو اس کے حرام ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۳) اگر کوئی شخص بعض نیک اعمال و فرائض کو معذوری کی بنا پر ترک کر کے مرے اور وارثوں کو اس کی وصیت کر جائے لیکن پھر وارث اس پر عمل نہ کریں تو اس کا وبال میت پر نہ ہوگا ہاں اگر وہ عمداً اور جان بوجھ کر ترک کر کے مرے گا تو اس کا وبال اُس کے اپنے سر پر ہوگا وارثوں پر نہ ہوگا۔

حِمْل اور حَمْل میں یہ فرق ہے کہ حَمْل مصدر ہے جس کا معنی ہے اٹھانا اور حِمْل کا معنی ہے بوجھ جسے اٹھایا جائے جس طرح قِشر اور قَشر میں فرق ہے یعنی قَشر کا معنی ہے چھیلنا اور قِشر کا معنی ہے چھلکا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ۔ یعنی آپ کا انذار ان لوگوں کو مفید ہو سکتا ہے جو علیحدگی میں بھی خوفِ خدا اپنے اندر رکھتے ہوں، جس طرح قرآن کی ہدایت ان لوگوں کے لئے مفید ہے جو اپنے اندر تقویٰ رکھتے ہوں۔

وَمَنْ تَزَكّٰی یعنی جو بھی اعمال صالحہ نماز روزہ و حج وغیرہ بجا لائے گا تو اس کا فائدہ اس کی اپنی ذات تک ہی محدود ہوگا۔

وَلَا النُّوْرُ۔ ان فقروں میں دوسرا لا تاکید نفی کے لئے ہے یعنی جس طرح یہ متضاد چیزیں ایک دوسرے کے برابر نہیں اسی طرح اللہ کی عبادت اور غیر اللہ کی پرستش اور ایمان و کفر برابر نہیں۔

فِی الْقُبُوْرِ (۲۳) اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ (۲۴) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

قبروں میں مدفون ہیں تم نہیں مگر صرف ڈرانے والے ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (۲۵) وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ

ڈرانے والا اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو بے شک ان سے پہلے لوگ بھی

مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ (۲۶)

جھٹلا چکے ہیں جن کے پاس ان کے رسول واضح معجزات صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ (۲۷) اَلَمْ تَرَ

پھر میں نے گرفتارِ عذاب کر لیا ان کو جو کافر ہوئے تو کس طرح ان پر میرا عذاب سخت تھا؟ کیا دیکھتے نہیں ہو

وَلَا الْحَرُوْرُ۔ حرور کا معنی گرم ہوا ہوتا ہے اور یہ سموم سے عام ہے۔ کیونکہ سموم اُس گرم ہوا کو کہتے ہیں جو دن میں چلے حرور اُس گرم ہوا کو کہا جاتا ہے جو دن رات متواتر چلتی رہے

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ آیت مجیدہ اس امر کا صاف طور پر اعلان کر رہی ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ کی جانب سے دین حق کی

تبلیغ اور اتمام حجت کے لئے کوئی نبی یا نائب نبی مامور رہا ہے۔ تفسیر صافی میں اصول کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت اس وقت تک نہیں ہوئے جب تک اپنا قائم مقام مقرر نہیں فرمایا جو ان کے بعد امت کے لئے مدبر ہو اگر کوئی شخص اس حقیقت کا انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضورؐ نے آنے والی نسلوں کے لئے تبلیغ دین کا کوئی انتظام نہیں فرمایا اور اگر کہا جائے کہ آنے والی نسلوں کے لئے قرآن کافی ہے تو آپ نے فرمایا بے شک قرآن اس وقت مفید ہو سکتا ہے۔ جب اس کے لئے تفسیر کرنے والا موجود ہو اگر کوئی یہ کہے کہ کیا حضور اکرمؐ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے تفسیر نہ کر دی تھی؟ تو آپ نے فرمایا بے شک یہ درست ہے لیکن بعد والوں کے لئے قرآن مجید کی مکمل تفسیر اور تفصیل کا علم حضور اکرمؐ نے صرف ایک شخص کے سپرد کیا تھا جو اس کی پوری تفسیر کو جانتا تھا اور وہ علی بن ابوطالب ہے انتہا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سلسلہ وار حضرت قائم آل محمدؐ تک بارہ امام وارث علم قرآن ہیں اور خداوند کریم کی جانب سے عہدۂ امامت پر فائز ہیں۔ جن کی معرفت واطاعت ہر مکلف انسان پر واجب ولازم ہے

بِالزُّبُرِ۔ زُبُرٌ جمع ہے زبور کی۔ کتاب اور زبور میں فرق یہ ہے کہ کتابت لکھی ہوئی تحریر پر اطلاق ہوتی ہے اور زبور اس کو کہا جاتا ہے جو پتھر یا دیوار یا کسی جسم پر کرید کر نقش الفاظ کو ثبت کیا جائے۔ اور اسی معنوی فرق کی بنا پر دونو کو آیت مجیدہ میں جمع کیا گیا ہے اور اسی ہی بنا پر زُبُر کو جمع کے صیغے میں لایا گیا ہے کیونکہ ایسی تحریریں متعدد پتھروں پر نقش ہونی ضروری ہیں اور کتاب چونکہ خود اوراق متفرقہ کا مجموعہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کو جمع کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

رکوع ۱۶ اَنْزَلَ غائب کا صیغہ ہے اور اس کے بعد اَخْرَجْنَا متکلم کا صیغہ ہے

اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا

تحقیق اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پس ہم نے نکالے اس کے ذریعے پھل الگ الگ

اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ

رنگ برنگے اور پہاڑوں سے طریق میں سفید اور سرخ جداگانہ شکلوں میں اور خالص

سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ

سیاہ اور لوگوں میں سے اور زمین پر رینگنے والے جانوروں اور چوپاؤں میں سے الگ الگ رنگوں میں اسی

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

طرح بجز اس کے نہیں کہ ڈرتے ہیں اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء تحقیق اللہ غالب بخشنے والا ہے تحقیق جو لوگ

يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ

پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب کو اور قائم کریں نماز اور خرچ کریں اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا چھپ کر اور ظاہر

عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ

وہ امید رکھتے ہیں ایسی تجارت کی جس میں نقصان وہ نہ ہوگی تاکہ ان کو پوری دے ان کی اجرت اور زیادہ بھی دے اپنے

غائب سے متکلم کی طرف عدول صنعت التفات ہے جس کو علم معانی بیان میں ممدوح قرار دیا گیا ہے۔

**بیانِ توحید اور صفت علماء**

خداوند کریم نے اپنی صفت کاملہ اور قدرت تامہ کی مثالیں بیان فرمائی ہیں کہ زمین پر آسمان سے برسنے والی بارانِ رحمت کی بدولت ہم نے رنگ برنگے میوہ جات پیدا کئے جن کے رنگ حجم ذائقہ اور لذت میں نمایاں فرق ہے کہ انسان کے لئے اپنی طویل زندگی میں ان سب کو کھا سکنا تو درکنار شمار بھی ممکن نہیں۔ پھر پہاڑوں میں سفید و سرخ دھاریاں اور گوناگوں شکلیں موجود ہیں اور بعض بالکل سیاہ ہیں جن میں کوئی دوسرا رنگ نہیں ہے یہ سب انسانوں کے لئے دعوتِ فکر اپنے اندر رکھتے ہیں جُدَد جمع ہے جدید کی جس کا معنی طرائق و خطوط ہیں اور جادہ یعنی راستہ اسی سے ہے۔ اور غرابیب غربیب کی جمع ہے جس کا معنی ہے سیاہ اور اس کی اضافت سُود کی طرف تاکید کے لئے ہے یعنی سخت سیاہ اور صرف زمین سے اُگنے والی سبزیاں و میوہ جات اور پہاڑوں تک محدود نہیں بلکہ انسان چوپائے اور زمین پر چلنے اور رینگنے والے تمام جانور شکل وضع قطع حجم قامت وجسامت اور اوصاف میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

کَذٰلِکَ یعنی اللہ کی مخلوقات میں نظر غائر سے مطالعہ کرنے والے اسی طرح تمام کائنات میں غور و فکر کریں تو انہیں قدرت پروردگار اور اس کی عظیم صنعت کی معرفت حاصل ہو سکے گی اور پھر اللہ کی مخالفت پر جرأت نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ اللہ کے بندوں میں سے اللہ کا خوف صرف انہی لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے جو علم و معرفت اپنے اندر رکھتے ہوں اور اگلی آیت میں علما کی صفات بیان کی ہیں۔ کہ وہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرنے والے نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرنے والے اور ہمارے عطا کردہ رزق سے خرچ کرنے والے ہوتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو خدا ان کے اعمال کا اجر بھی دے گا اور اپنے فضل و کرم کی مزید بارش بھی ان پر کریگا

عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ۔ پہلی صفت دشمنوں کے لئے اور دوسری دوستوں کے لئے ہے یعنی وہ نافرمانی کرنیوالوں کی گرفت پر قادر و غالب ہے اور دوستوں کی لغزشوں کو اپنی رحمت سے بخشنے والا ہے

غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ۔ یہاں دو صفتیں اس لئے ہیں کہ دوستوں کیلئے صرف یہ نہیں کہ خدا ان کی لغزشیں معاف کرے گا بلکہ ان کی نیکیوں کی جزا کو بھی چند در چند بڑھا دے گا۔

اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا

تحقیق وہ بخشنے والا شکر کی جزا دینے والا ہے اور جو ہم نے تجھ پر کتاب وحی کی وہ حق ہے تصدیق کرنے والا ہے

لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌ بَصِیْرٌ ﴿۳۲﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ

اسکی جو اس سے پہلے ہے تحقیق اللہ اپنے بندوں پر دانا بینا ہے پھر ہم نے وارث کیا کتاب کا ان

اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّ مِنْھُمْ

کو جنہیں چن لیا اپنے بندوں میں سے کیونکہ ان میں سے کچھ اپنے نفسوں کے ظالم ہوتے ہیں۔ کچھ میانہ رو

سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ ﴿۳۳﴾ جَنّٰتُ

ہوتے ہیں اور کچھ نیکیوں میں سبقت کرنیوالے ہوتے ہیں اللہ کے اذن سے یہ (کتاب کی وراثت اللہ کا) بڑا فضل ہے باغ ہیں

**وارث کتاب** ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ ۔ یعنی کتاب کی نوبت ہمارے ایسے بندوں تک پہنچی جن کو ہم نے چن لیا۔ اس جگہ وراثت کا معنی باری کا آجانا جیسے کہا جاتا ہے فلاں کام کا وارث اب فلاں شخص ہے یعنی اس کام کو سرانجام دینے کے لئے اب اس کی باری ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے احکام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و ترویج نوبت بہ نوبت اقوام ماضیہ میں چلی آئی یہاں تک کہ اُن لوگوں کی باری آگئی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں چن لیا۔

فَمِنْهُمْ ۔ چونکہ مِنْ عِبَادِنَا میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور بعض بندے مراد ہیں اور اِصْطَفَيْنَا کی دلالت بھی بعض پر ہے کیوں کہ اللہ کے چنے ہوئے بعض ہی ہوتے ہیں پس یہاں سوال کی گنجائش تھی کہ اللہ نے کتاب کی وراثت سب بندوں کو کیوں نہ دی؟ تو اس کا جواب فاء تعلیلیہ سے شروع کیا گیا ہے کہ سب لوگ اس کے اہل نہیں ہوا کرتے کیونکہ لوگوں کے اس بارے میں تین گروہ ہوتے ہیں کچھ ظالم کچھ میانہ رو اور کچھ نیکیوں میں پیش قدمی کرنے والے اور اللہ کی کتاب اور اس کے احکام کی نشر و اشاعت کی ذمہ داری صرف آخری گروہ کو ہی سونپی جا سکتی ہے اور یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اپنے بندوں میں سے اللہ نے چن لیا ہے تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ ہمارے لئے ہے اور اللہ نے ہمیں مراد لیا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اصطفا و اجتباء کے حقدار وہی ہیں اور علم انبیاء کی وراثت کا انہیں کو ہی حق پہنچتا ہے کیونکہ قرآن کی حفاظت اس کے حقائق و دقائق کی افہام و تفہیم اور اس کے معانی و مطالب کا علم و عرفان اور اس کے اوامر و نواہی کی تبلیغ و ترویج میں وہ اپنی آپ نظیر ہے اسمیں انکا کوئی بھی شبیہ و مثیل نہیں ہو سکتا۔ اس تفسیر میں مِنْهُمْ کی ضمیر کا مرجع عِبَاد کو قرار دیا گیا ہے یعنی عام بندوں کی تین قسمیں ہیں اور مصطفےٰ صرف ایک قسم ہے لیکن بعض لوگوں نے مِنْهُمْ کی ضمیر غائب کا مرجع اَلَّذِيْنَ کو بنایا ہے یعنی جن لوگوں کو چنا گیا اور وارث بنایا گیا اُن کی تین قسمیں ہیں لیکن یہ ترکیب و ترجمہ عقلاً قابل قبول نہیں ہے کیونکہ جن کو اللہ انتخاب کرے اور مصطفےٰ بنالے اُن میں سے ظالم و مقتصد کا ہونا ناممکن ہے کیونکہ اللہ کے چنے ہوئے صرف سابق بالخیرات ہی ہو سکتے ہیں اور ان تینوں گروہوں کی بخشش کے متعلق بھی دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ تینوں گروہ جنت میں جائیں گے چنانچہ بروایت ابو الدرداء حضرت رسول اکرمؐ سے مروی ہے آپ نے فرمایا سابقون بلا حساب جنت میں جائیں گے مقتصد سے معمولی قسم کا حساب لے کر جنت میں بھیجا جائے گا اور ظالم کو کچھ دیر تک روک کر جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ سابق وہ لوگ ہیں جو حضور اکرمؐ کے زمانہ میں تھے اور آپ نے ان کے لئے جنت کی پیشین گوئی کی تھی۔ اور مقتصد صحابہ میں سے وہ لوگ ہیں جو حضور اکرمؐ کے نقشِ قدم پر رہ کر راہئ جنت ہوئے اور راوئ حدیث سے کہا ظالم تم لوگ ہو۔ ایک اور حدیث میں فرماتی ہیں سابق وہ ہے جو ہجرت سے پہلے اسلام لایا مقتصد وہ جو ہجرت کے بعد مسلمان ہوا اور ظالم ہم لوگ ہیں۔ عمر بن خطاب کا قول ہے۔ ہمارا سابق سابق ہے ہمارا مقتصد ناجی ہے اور ہمارا ظالم مغفور ہے۔ ان تین گروہوں کے باہمی فرق میں متعدد اقوال ہیں (۱) ظالم وہ ہے جس کا ظاہر باطن سے اچھا ہو مقتصد وہ ہے جس کے ظاہر و باطن میں فرق نہ ہو اور سابق وہ ہے جن کا باطن ظاہر سے اچھا ہو (۲) ظالم وہ ہے جو گناہانِ صغیرہ کا مرتکب ہو مقتصد وہ ہے جو درمیانہ درجہ تک نیکی کرنے والا ہو اور سابق وہ ہے جو بلند مرتبہ تک اعمال صالحہ کا پابند ہو (۳) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ظالم وہ ہے جو حقِ امام کو نہ پہچانتا ہو مقتصد وہ ہے جو امامِ حق کو پہچانتا ہو اور سابق خود امام ہے۔ (۴) ظالم وہ ہے جو نیک و بد ہر قسم کے اعمال بجالاتا ہو مقتصد وہ ہے جو مقدور بھر نیکی کی کوشش کرتا ہو اور سابق بالخیرات کی مثال علی و حسن و حسین علیہم السلام اور آلِ محمدؐ کے جملہ شہدا ہیں۔ بہرکیف ان تینوں گروہوں کے باہمی فرق کا جو قول بھی اختیار کیا جائے پہلے قول کے مطابق یہ سب کے سب

تیسری چیز فرق یہ ہے کہ عامہ کے نزدیک اس سے مراد تمام افراد امت ہیں اور روایات اہلبیت سے یہ ہے کہ یہ آیت صرف بنی فاطمہ کے حق میں اتری ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ [illegible] فاطمہ [illegible] حرام کیا [illegible] منقول ہے آپ نے فرمایا اولاد فاطمہ میں سے وہ شخص جو لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دے وہ [illegible] داخل نہیں ہے لیکن وہ ظالم لنفسہ جس کے گناہ اپنی ذات تک محدود ہوں وہ اس میں داخل ہے اور وہ مغفور ہوگا انشاء اللہ۔

دوسرا قول جو مطابق عدل اور مختار علماء محققین ہے وہ یہ ہے کہ [illegible] ظالم [illegible] بعض عامہ کا مسلک بھی یہی ہے [illegible] سے منقول ہے کہ ظالم اصحاب مشئمہ ہے مقتصد اصحاب میمنہ ہے اور سابق بالخیرات سابقون ہیں [illegible] ازواج ثلثہ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ ظالم [illegible] مقتصد [illegible] آیت مجیدہ میں ظالم کو مقتصد و سابق سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے حالات میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہوتا ہے پہلے گناہ [illegible] کی طرف رغبت جب انسان گناہ کرتا ہے تو ظالم ہوتا ہے اور جب توبہ کر لیتا ہے تو مقتصد ہوتا ہے اور جب پورے اعمال صالح میں آگے بڑھ جاتا ہے قرب خداوندی کی منازل کو طے کر کے سابقون کے درجہ تک پہنچنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور روایات اہلبیت تو اس تک پہنچی ہیں کہ آیت مجیدہ میں ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو معرفت امام نہ رکھتے ہوں اور مقتصد وہ ہیں جو معرفت امام رکھتے ہوں اور سابق خود امام زمانہ ہیں۔

یحلون فیہا تفسیر صافی میں ہے حضور نبی اکرم نے فرمایا جب مومن اس شان سے جنت میں داخل ہوگا کہ اس کے سر پر تاج ملک و کرامت ہوگا اور سونے چاندی اور یاقوت

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ

[illegible] جنتیں [illegible] داخل ہوں گے [illegible] سونے کے کنگن [illegible] اور موتی [illegible]

فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿٣٤﴾

[illegible] ریشم [illegible] اللہ کا شکر [illegible] ہمارا رب [illegible]

الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿٣٥﴾

[illegible] اپنے فضل سے [illegible] مشقت [illegible]

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ

اور جن لوگوں نے کفر [illegible] عذاب [illegible]

مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ

جائے گا اسی طرح ہم سزا دیں گے ہر ناشکرے کو [illegible] چلائیں گے [illegible] پروردگار

اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ

ہمیں اس سے نکال [illegible]

مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿٣٧﴾ ع

نصیحت [illegible] ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے

[illegible]

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ...

[illegible]

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۳۸) هُوَ الَّذِي

[illegible]

جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ

[illegible]

عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا (۳۹) قُلْ أَرَأَيْتُمْ

[illegible]

شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ

[illegible]

أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ

[illegible]

مِنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا (۴۰)

[illegible]

رکوع ۱۰ ۔ أَرَأَيْتُمْ اس آیت مجیدہ میں مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ کے علاوہ جن جن لوگوں کو تم لوگ مشکل کشائی و حاجت روائی کیلئے پکارتے ہو
خواہ اپنے مقام پر اللہ کے اولیا ہی کیوں نہ ہوں انکو مصائب و مشکلات میں پکارنے کے جواز کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ (۱) کیا تمہارے
خیال میں انہوں نے زمین کا کوئی حصہ پیدا کیا ہے؟ (۲) کیا آسمانوں میں انکا کچھ حصہ ہے؟ (۳) کیا تمہارے پاس میری جانب سے کوئی تحریری دستاویز
انکو پکارنے کے جواز کے متعلق ہے؟ پس اگر جواب نفی میں ہے تو تم لوگ خدا کو چھوڑ کر انکو کیوں پکارتے ہو جبکہ سب کچھ میرے ہی قبضہ قدرت و

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا

بے شک اللہ روکتا ہے آسمانوں اور زمین کو کہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اور اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے علاوہ کوئی بھی

مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۴۱﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ

ان کو نہیں روک سکتا تحقیق وہ حلیم بخشنے والا ہے اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے

لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ

پاس کوئی نذیر آجاتا تو گذشتہ ہر ایک امت سے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہو جاتے لیکن جب ان کے پاس نذیر آیا تو نہ زیادہ

مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا

ہوئے مگر دور ہدایت سے) دوری میں تکبر کرتے ہوئے زمین میں اور بری تدبیریں کرتے ہوئے اور نہیں پیش آتی بری تدبیر

بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ ع ۵

مگر اسی کو جو اس کے کرنے والا ہو تو کیا وہ گذشتہ لوگوں کے نتیجے کا انتظار کرتے ہیں تو ہرگز نہ پاؤ گے تم اللہ کے طریقے میں تبدیلی

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿۴۳﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ

اور ہرگز نہ پاؤ گے اللہ کے طریقے میں غلطی کیا ان لوگوں نے زمین میں چل کر نہیں دیکھا کہ کیسا انجام ہوا ان لوگوں

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ

کا جو ان سے پہلے گذر چکے حالانکہ وہ طاقت میں ان سے توانا تر تھے اور اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی نہ آسمانوں

مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ

میں نہ زمین میں تحقیق وہ جاننے والا قدرت رکھنے والا ہے اور اگر اللہ لوگوں کو

اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ

اپنے اعمال کی گرفت کرے تو زمین پر چلنے والا کوئی بھی نہ بچ سکے لیکن وہ ڈھیل دیتا ہے ایک مقررہ

أَجَلٍ مُسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿۴۵﴾ ع

مدت کے لئے پس جب وہ وقت آئے گا (تو نہ ٹلے گا) تحقیق اللہ اپنے بندوں پر بصیر ہے

حیطۂ اقتدار کے اندر ہے اسکے بعد خود فرماتا ہے کہ مشرکین بھی اس حقیقت کو سمجھتے ہیں لیکن وہ ایکدوسرے کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں یعنی انکے واعظ و منبر نشین حضرات اپنی شکم پری کی خاطر انکے عوام کو دھوکے میں رکھتے ہیں اور ایسا کرنیوالے یقیناً ظالم ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ ۔ مشرکین کو تنبیہ ہے کہ اوپر سے رسہ باندھنے یا نیچے سے ستون کھڑا کرنے کے بغیر آسمانوں اور زمین کو اپنی جگہ پر روکنے والا صرف اللہ ہی ہے اگر یہ چیزیں اپنی جگہ کو چھوڑ دیں تو کوئی بھی انکو روک نہیں سکتا لہذا عبادت کے لائق وہی ایک اللہ ہے جو سب چیز پر قادر ہے۔ اَقْسَمُوا یعنی حضورؐ کی آمد سے پہلے مشرکین مکہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر تشریف لائے تو ہم گذشتہ امتوں کی بہ نسبت زیادہ اسکی نصیحتوں پر عمل کرکے راہِ ہدایت کو اپنائیں گے لیکن جب حضورؐ تشریف لائے تو ہدایت سے دور تر ہٹ گئے

مَكْرَ السَّيِّئِ ۔ ایک مکر خیر تو یہ ہے جو کافروں کی تدبیروں کو باطل کرنے کیلئے مومن استعمال کریں اور دوسرا مکر سیئی ہے جو مومنوں کو اذیت دینے کیلئے کافر استعمال کریں۔

تَبْدِيلًا ۔ ایک شیئی کی جگہ دوسری شیئی کو رکھنے کا تبدیلی ہے اور ایک مکان سے دوسرا مکان بدلنے کا نام تحویل ہے جسکا مرادی ترجمہ ہم نے غلطی کیا ہے

۲۹ شعبان ۱۳۹۲ھ ۹ اکتوبر ۱۹۷۲ء